U345 P. 14-1-10

Title - TAREEKH FIQA ISLAMI

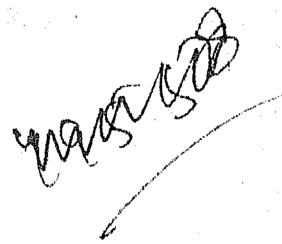
Creator - Allama Abdul Khizri Marhoom.

Publisher - Matba Maarif, Musannifeen (Azamgarh)

Date - 1346H.

Pages - 480.

Subjects -



فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۳۰

تاریخ فقہ اسلامی

یعنی

تاریخ التشریع الاسلامی مؤلفہ علامہ محمد الخضری مرحوم کا

ترجمہ

جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات بہ تفصیل بیان کیگئی ہیں

از

عبد السلام ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈہ میں چھپی

فہرست مضامین

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی سوابغ نعمہٖ وجلائل کرمہٖ وصلی اللہ علی سیدنا محمد رسولہٖ وعلی آلہٖ وازواجہٖ وصحبہٖ

اُردو زبان مین جدید طرز پر علوم اسلامیہ کی تاریخ کا خاکہ سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے قائم کیا، اور علم کلام کی تاریخ مین علم الکلام کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی اور چار پانچ جلدون مین فارسی شاعری کی ایک مبسوط تاریخ مدون کی، اُس کے بعد اگرچہ سیرتِ نبوی ؐ کی تالیف نے اُن کو اِس سلسلہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہین دیا، تاہم وہ علومِ اسلامیہ کی تاریخ کی تکمیل کا بار بار ذکر کرتے رہتے تھے اور اس کو اُردو زبان کے لیے ایک جدید تاریخی موضوع خیال فرماتے تھے، اگر وہ اپنی زندگی مین سیرتِ نبوی ؐ کی تکمیل سے فارغ ہو سکتے تو بہت ممکن تھا کہ اِس دلچسپ موضوع کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتے لیکن افسوس ہے کہ موت نے اُن کو سیرت نبوی ؐ ہی کے مکمل کرنے کا موقع نہین دیا، پھر اور سلسلون کی تکمیل تو ایک عالمِ خیال کی چیز تھی تاہم جب

اُن کی یادگار مین دارالمصنفین قائم کیا گیا تو اس کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ یہ انتساب تیمناً و تبرکاً نہ ہو بلکہ اُس کو حقیقی طور پر اُن کے نام کے زندہ رکھنے کا ذریعہ بنایا جائے، اس لیے ابتدا ہی سے یہ لحاظ رکھا گیا کہ سیرت نبویؐ کے علاوہ اُن کے دماغ نے اور جن تاریخی سلسلون کا خاکہ قائم کیا تھا اُن کی تکمیل کی جائے، چنانچہ آج تک دارالمصنفین سے جو تاریخی اور مذہبی کتابین شائع ہوئی ہین اُن مین تقریباً اکثر انھین سلسلون سے تعلق رکھتی ہین اور تاریخ فقہ اسلامی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے،

فقہ اسلامی کی اجمالی تاریخ اگرچہ عربی تاریخون مثلاً مقدمۂ ابن خلدون اور کشف الظنون وغیرہ مین مذکور ہے، لیکن اس زمانے مین جو جدید فقہی ضروریات پیدا ہوگئی ہین اُن کے لیے یہ اجمالی حالات و اشارات بالکل ناکافی ہین،

موجودہ حالات مین بہت سے معاملات کی نئی نئی صورتین پیدا ہوگئی ہین، اور اُن معاملات کی بنا پر ایک جدید فقہ کے مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اس لیے موجودہ زمانے کا سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آیا فقہ اسلامی ایک جامد چیز ہے؟ یا ہر زمانے کی ضروریات و حالات کے مطابق اُس مین تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے؟

اس سوال کے حل کرنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے مختلف دورون کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے اور ہر دور کے تغیرات، انقلابات خصوصیات اور امتیازات نہایت تفصیل کے ساتھ دکھائے جائین، اور اُن کے علل و اسباب کی تشریح کی جائے، اور تاریخ فقہ اسلامی سے بہت کچھ یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے،

خوش قسمتی سے ہم کو اس کتاب کی تدوین مین کسی غیر معمولی جد و جہد کی ضرورت پیش نہین آئی، بلکہ علامہ محمد خضری مرحوم نے جو مصر کے ایک مشہور عالم اور مورّخ تھے

اس موضوع پر تقریباً چار سو صفحون کی ایک مفصل کتاب لکھی تھی اور ہم نے فقہ اسلامی کی تمام شاخون کے متعلق اُس کو ایک اہم تاریخی ذخیرہ سمجھ کر اردو زبان مین منتقل کرنا کافی خیال کیا،

اس کتاب مین اُنھون نے فقہ اسلامی کے چھ دور قائم کئے ہین اور ہر دور کے خصوصیات و امتیازات اور اُن کے علل و اسباب کی تشریح کی ہے، جن سے نہایت تفصیل کے ساتھ معلوم ہوسکتا ہے کہ جب تک علوم اسلامیہ کی ترقی کا دور قائم رہا فقہ اسلامی بھی مختلف صورتین بدلتی رہی، لیکن افسوس ہے کہ انھون نے فقہ کی تمام شاخون کے درمیان باہم موازنہ و مقابلہ نہین کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اس زمانے مین کس مذہب کی فقہ جدید حالات و ضروریات کا ساتھ دے سکتی ہے، اگرچہ اس قسم کے موازنہ و مقابلہ مین لازمی طور پر تعصب کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے لیکن بہر حال اس زمانے مین وہی مذہب زیادہ حسنِ قبول حاصل کرسکتا ہے جو موجودہ تمدن و تہذیب کے موافق ہو، اس لیے اگر وہ اس حیثیت سے بھی تمام فقہی مذاہب پر نظر ڈال لیتے تو موجودہ دور کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو جاتی،

جہان تک نقل و روایت اور استناد و ماخذ کا تعلق ہے مصنف مرحوم ایک نہایت وسیع النظر اور محتاط بزرگ ہین، انھون نے موجودہ مذاق کے مطابق صرف معانی و مطالب کو اپنے الفاظ مین نقل نہین کردیا ہے، بلکہ اکثر جگہ نہایت طویل عبارتین بلفظہا کئی کئی صفحون مین نقل کردی ہین، اور اس طریقہ سے انھون نے نقل و روایت مین قدما، کے دور کی یاد تازہ کردی ہے، البتہ اس قسم کی عبارتون کے ترجمے مین ہم کو بہت زیادہ دقتین پیش آئین اور باوجود کوشش کے ہم ان مین سلاست و روانی

نہ پیدا کر سکے، بلکہ بعض موقعوں پر غیر ضروری عبارتوں کو حذف بھی کر دیا، اس قسم کی عبارتوں کے علاوہ خود یہ ایک ایسا موضوع تھا جس مین عبارت کی شگفتگی کی تلاش ایک بے سود چیز ہے، اس کا مطالعہ صرف معانی و مطالب کو پیش نظر رکھ کر کرنا چاہیے،

۱۲- رجب ۱۳۴۶ھ

عبدالسلام ندوی
دارالمصنفین اعظم گڈھ

مورخہ ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۵۹ء
[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی سوابغ نعمہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ

مقدمہ

ترتیب کتاب

فقہ اسلامی کے ماخذ حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید؛

(۲) حدیث یعنی رسول اللہ صلعم کے وہ اقوال و افعال جو قرآن مجید کے مطالب کی تشریح و توضیح کرتے ہیں؛

(۳) فقہار کی رائیں جن کا ماخذ بھی اگرچہ قرآن و حدیث ہی ہیں تاہم وہ ایسے خیالات کا نتیجہ ہیں جو تبعاً اپنے زمانہ کے اقتضا اور ہر فقیہ کے روحانی قالب میں ڈھل کر مختلف مؤثرات سے متاثر ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو شخص فقہ اور فقہا کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اس تاریخ کو الگ الگ زمانوں کی امتیازی خصوصیات کے موافق لکھے یا اس کو مجتہدین کے مختلف روحانی قالب کے مطابق مرتب کرے لیکن ہم نے اس تاریخ کو الگ

زمانون کی امتیازی خصوصیات کے موافق لکھنے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ان زمانون کا اثر زیادہ قوی اور زیادہ عام ہے، اس کے بخلاف فقہار کے روحانی خصوصیات مین جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوجائیگا حقیقی اختلاف نہ تھا، بالخصوص جو فقہا، باہم معاصر تھے ان کی ان خصوصیات مین تو اور بھی اختلاف نہ تھا،

رسول اللہ صلعم کی بعثت سے آج تک فقہ اسلامی پر چھ دور گذر چکے ہین اور ہر دور مین اجتہادات اور فتاوی پر مسلمانون کے مخصوص اجتماعی حالات کا عظیم الشان اثر پڑا ہے چنانچہ ان دورون کی تفصیل یہ ہے،

(۱) فقہ بعہد حیات پاک رسول اللہ صلعم اصل فقہ جس کی نسبت ہر فقیہ تصریح کرتا ہو کہ وہ اس کا ماخذ ہو یہی ہے،

(۲) فقہ بعہد کبار صحابہؓ، یہ زمانہ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتا ہے،

(۳) فقہ بعہد صغار صحابہؓ و تابعینؒ، یہ زمانہ پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ دنون بعد تک ختم ہو جاتا ہے،

(۴) فقہ کا وہ زمانہ جب اُس نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کر لی اور بڑے بڑے فقہار جو مسلم طور پر مذہبی پیشوا تسلیم کیے گئے، اور اُن کے تلامذہ جو بجائے خود مستقل طور پر بانی فقہ نہ تھے، بلکہ اپنے اساتذہ کی رایون کی تشریح کرتے تھے، پیدا ہوئے، یہ دور تیسری صدی ہجری کے اخیر تک ختم ہو جاتا ہے،

(۵) فقہ کا وہ دور جس مین ائمہ کے مسائل کی تحقیق کے لیے جدل کی گرم بازاری ہوئی، بڑی بڑی کتابین تصنیف ہوئین، اور نہایت کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے، یہ دور بغداد مین خلافت عباسیہ کے زوال، تاتاری غارتگری کے آغاز، اور اس کے کچھ دنون بعد تک مصر مین قایم رہا اس کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا،

(۶) فقہ بزمانہ تقلید محض، پانچوین دور کے بعد یہ دور شروع ہوا، اور آج تک قائم ہے،

یہ کتاب مین نے انہی مختلف دورون کی ترتیب کے مطابق لکھی ہے، اور خدا سے دعا کرتا ہون کہ وہ اس کی تکمیل کے سامان بہم پہنچائے،

پہلا دور

فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین

قرآن وحدیث

قرآن مجید رسول اللہ صلعم کی ولادت کے اکتالیسوین سال سے آپ پر بتدریج نازل ہونا شروع ہوا، اس نزول کی ابتدا رمضان شریف کی سترھوین رات سے ہوئی اور سب سے پہلے غار حرا مین جس مین آپ معتکف تھے یہ آیت نازل ہوئی "بسم اللہ الرحمن الرحیم اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم" اس کے بعد وہ بتدریج آپ پر نازل ہوتا رہا، یہان تک کہ سنہ ۱۰ھ مین جبکہ آپ کی عمر کا ترسٹھوان سال تھا، ۹ ذیحجہ کو حج اکبر کے دن سب سے آخری آیت یہ نازل ہوئی "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اس بنا پر نزول قرآن کے ابتدا و انتہا کی کل مدت ۲۲ سال دو مہینے اور ۲۲ دن ہے، نزول قرآن کی ابتدا جس رات سے ہوئی اُس کا نام لیلۃ القدر ہے، چنانچہ اُس کے متعلق خود خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر (الآیہ) — ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر مین نازل کیا،

انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ (الآیہ) — ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات مین نازل کیا،

یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ یہ رات رمضان کی تھی، چنانچہ خدا خود کہتا ہے،

شَہرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآنِ الخ — رمضان کا وہ مہینہ جس مین قرآن نازل کیا گیا،

اور یہی وہ مہینہ ہے جس مین رسول اللہ صلعم غارِ حرا مین اعتکاف کرتے تھے اور روزہ رکھتے تھے چنانچہ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ آپ سال کے ایک مہینے مین غارِ حرا مین اعتکاف کرتے تھے، یہان تک کہ جب آپ کی بعثت کا سال آیا تو آپ رمضان شریف مین حسب معمول غارِ حرا، کی طرف بغرضِ اعتکاف گئے، البتہ جس رات مین وحی کی ابتدا ہوئی ہے اُس کی تعیین مین سخت اختلاف ہے، ابن اسحاق کا میلان یہ ہے کہ یہ رمضان کی سترھوین رات تھی اور قرآن مجید نے بھی اس آیت مین اسی طرف اشارہ کیا ہے،

اِن کُنتُم آمَنتُم بِاللّٰہِ وَمَا اَنزَلنَا عَلٰی عَبدِنَا یَومَ الفُرقَانِ یَومَ التَقَی الجَمعَانِ — اگر تم خدا پر اور اُس کتاب پر جسکو ہم نے اپنے بندے پر حق و باطل کے جدا ہونے کے دن یعنی اس دن جسمین دونون فریق نے جنگ کی نازل کی ایمان لائے،

"یوم التقاء الجمعین" سے مراد وہ دن ہے جسمین بہ مقام بدر مسلمانون اور مشرکون مین جنگ ہوئی، اور یہ جمعہ کا دن تھا جو ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ھ مین واقع ہوا، اور "یوم الفرقان" سے وہ دن مراد ہے جس مین نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی ہے، اس بنا پر ان دونون کا سن اگرچہ مختلف ہے، تاہم دونون وصف تاریخ اور مہینے مین باہم متحد ہین، طبری نے بھی اپنی تفسیر مین حسن بن علی کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حق و باطل کے جدا ہونے کی یہ رات جس کے دن مین مسلمانون اور مشرکون مین جنگ ہوئی رمضان کی سترھوین تاریخ مین واقع تھی،

قسطلانی نے شرح بخاری مین اس رات کی تعیین کے متعلق علماء کے بہت سے اقوال نقل کیے ہین جس مین ایک قول وہ ہے جس کی طرف ابن اسحاق کا میلان ہے اور اُسکے متعلق خود اُن کا بیان ہے "کہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے زید بن ارقم سے اس کی روایت

کی ہے اور مین اس اعتماد کی بنا پر اس کی طرف اپنا میلان ظاہر کرتا ہون کہ ایسی عظیم الشان رات کی تعیین کو قرآن مجید نظر انداز نہین کر سکتا، اگر تصریحاً نہین تو کم از کم اشارۃً اس کی تعیین کرنا لازمی ہے، اور قرآن مجید نے نہایت عمدہ موقع پر اُس کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ بدر کا دن ایک ایسا دن تھا جسمین خدا نے مسلمانون کو غالب کیا اور اُن کو سربلندی عطا فرمائی، اور اسی دن مین خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو اپنی رسالت کا شرف بخشا، اس بنا پر اس آیت مین قرآن مجید کا یہ اشارہ "وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان" نہایت موزون اور موقع کے مناسب ہے، لیکن نزولِ قرآن کی انتہا جس دن ہوئی، اُس کے متعلق طبری نے "الیوم اکملت لکم دینکم" کی تفسیر مین لکھا ہے کہ جس سال رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع کیا ہے اس مین عرفہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی، اور مفسرین کا بیان ہے کہ اس کے بعد امر و نہی کے متعلق آپ پر کوئی آیت نازل نہین ہوئی، اور آپ اُس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی دن زندہ رہے، چنانچہ روایات مین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رض نے ایک بار یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے جو اُن کے ساتھ تھا کہا کہ "اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو اس کے نزول کے دن ہم عید مناتے" حضرت عبد اللہ بن عباس رض نے فرمایا کہ خود یہ آیت اجتماع العیدین کے موقع پر جو ایک ساتھ عرفہ کے موقع پر جمعہ کے دن جمع ہو گئی تھین نازل ہوئی ہے"

قرآن مجید کے بتدریج نازل ہونے پر مشرکین کو اعتراض تھا چنانچہ قرآن مجید نے خود اس اعتراض کا ذکر کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے، سورۂ فرقان مین ہے

وقالوا لولا انزل علیه القران — کفار کہتے ہین کہ پیغمبر پر قرآن مجید دفعۃً واحدۃً کیون
جملة واحدة كذالك لنثبت به — نہین نازل کیا گیا؟ یہ اس لیے کہ ہم اس کے ذریعہ

وکذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا — تیرے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اسکو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے،

سورۂ اسرا میں ہے،

وقرآنا فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا — ہم نے قرآن کو اس لیے ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل کیا کہ تو آہستہ آہستہ اُس کو لوگوں کو پڑھکر سُنائے اور ہم نے اُس کو بتدریج نازل کیا ہے،

نزولِ قرآن کا زمانہ دو الگ الگ حصوں مین منقسم ہے، جو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ہین، پہلا حصہ اُس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، جس مین آپ کا قیام مکہ معظمہ مین تھا، یہ کل ۱۲ سال پانچ مہینے اور ۱۳ دن کا زمانہ ہے، جس کی ابتدا ۱۷ رمضان سنہ ۴۱ سن ولادت نبوی سے ہوتی ہے، اور یکم ربیع الاول سنہ ۵۴ ولادت تک وہ ختم ہو جاتا ہے، اس مدت مین قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہوا ہے اُس کو مکی کہتے ہین،

دوسرا حصہ ہجرت کے بعد سے شروع ہوا، یہ کل نو سال نو مہینے اور نو دن کا زمانہ ہے، جس کی ابتدا یکم ربیع الاول سنہ ۵۴ ولادت نبوی سے ہوئی اور وہ ۹ ذیحجہ سنہ ۶۳ ولادت نبوی اور سنہ ۱۰ ہجری پر ختم ہو گیا، اس زمانے مین جو آیتین اور سورتین نازل ہوئین اُن کو مدنی کہتے ہین، قرآن مجید کا مکی حصہ قرآن کا ۱۹/۳۰ اور مدنی حصہ اس کا ۱۱/۳۰ ہے،

مدنی سورتین حسب ذیل ہین،

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) النساء (۴) مائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) حج (۸) نور (۹) احزاب (۱۰) القتال (۱۱) الفتح (۱۲) حجرات (۱۳) حدید (۱۴) مجادلہ (۱۵) حشر (۱۶) ممتحنہ (۱۷) صف (۱۸) جمعہ (۱۹) منافقون (۲۰) تغابن (۲۱) طلاق (۲۲) تحریم (۲۳) اذا جاء نصر اللہ

انکے علاوہ جو سورتین ہین وہ مکی ہین، قرآن مجید کی سورتون کی مجموعی تعداد ۱۱۴ ہے، جن مین

سب سے پہلی سورۂ فاتحہ اور سب سے آخری سورۂ الناس ہے'

مراتب بلند مین سے ایک مرتبہ کو سورہ کہتے ہین چنانچہ نابغہ کہتا ہے'

ألم تر أن الله أعطاك سورة — ترى كل ملك دونها يتذبذب

کیا تو نہین دیکھتا کہ خدا نے تجھ کو ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ تو ہر بادشاہ کو اس کے سامنے تذبذب کرتے ہوئے دیکھتا ہے'

اس شعر سے اُس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالی نے تجھ کو مراتب شرف مین سے ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اور بادشاہون کے مرتبے اس سے کم ہین لیکن بعض لوگون نے قرآن کی سورہ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اُن لوگون کے لغت مین اس کے معنی قرآن کے اس ٹکڑے کے ہین جو اُس کے دوسرے ٹکڑون سے الگ کر لیا گیا ہے' کیونکہ ہر چیز کا سورہ بچا کھچا حصہ ہے جو اُس حصے کے بعد رہ جاتا ہے جو اس سے لے لیا جاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ آدمی پینے کے بعد برتن مین جو فضلہ چھوڑ دیتا ہے اُس کو سور کہتے ہین' اسی بنا پر اعشی ثعلبہ ایک عورت کے متعلق جو اس سے جدا ہو گئی' اور اُس کے دل مین اپنے غم کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی کہتا ہے'

فبانت وقد أسأرت في الفؤا — د صدعا على نأيها مستطيرا

وہ جدا ہو کر دل مین اپنی جدائی کی وجہ سے ایک بڑا شگاف چھوڑ گئی'

اور اسی کے مثل دوسری حالت مین کہتا ہے'

بانت وقد أسأرت في النفس حاجتها — بعد ائتلاف وخير الود ما نفعا

وہ جدا ہو گئی اور میل جول کے بعد دل مین اپنی خواہش کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی' حالانکہ بہترین محبت وہ ہے جو مفید ہو'

ان مین ہر سورہ کا ایک خاص نام ہے' اکثر سورتون کا نام اُن کی ابتدائی آیتون سے ماخوذ ہے مثلاً سورۂ انفال' سورۂ اسرا' سورۂ طہ' سورۂ مومنون' سورۂ فرقان' سورۂ روم اور سورۂ فاطر

وغیرہ کی ابتدائی آیتین یہ ہین "یسئلونک عن الانفال" "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً" "قد افلح المومنون" "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ" "الم غلبت الروم فی ادنی الارض" "الحمد للّٰہ فاطر السموات والارض" اور انھین سے اُن کا نام ماخوذ ہے

قرآن مجید مین ۲۵ سورتین ایسی ہین جنکے نام ان چیزون کے نام پر رکھے گئے ہین جو اُن کی ابتدا مین مذکور نہین ہین، مثلاً سورۂ بقرہ مین بقرہ کا ذکر اسکی ۶۷ آیتون کے بعد اور سورۂ آل عمران مین آل عمران کا ذکر اس کی ۳۲ آیتون کے بعد کیا گیا ہے اور سورۂ نسار مین نسار کا ذکر کئی بار آیا ہے لیکن سب سے پہلے اس کا ذکر اس کی ابتدا کی آیتون کی چند آیتون کے بعد ہوا ہے سورۂ مائدہ مین مائدہ کا ذکر اس کی ۱۱۱ آیتون کے بعد یعنی اُس کے آخر مین آیا ہے مین نے ان نامون کے اختیار کرنے کے متعلق بار بار تحقیقات کی تو مجھے مرجح رائے یہ معلوم ہوئی کہ ان نامون سے اگرچہ تلاوت کی ابتدا نہین کی جاتی تاہم بہ نسبت سورۃ کے اکثر حصّون کے یہ پہلے نازل ہوئے ہین کیونکہ جیسا کہ آگے آئے گا، سورہ اور آیت دونون کے لحاظ سے قرآن مجید ترتیب نزول کے موافق مرتب نہین کیا گیا ہے،

آیتون کی تعداد کے لحاظ سے قرآن مجید رسول اللہ صلعم پر مختلف حیثیتون سے نازل ہوا ہے کبھی پانچ کبھی دس، اور کبھی اس سے زیادہ یا اس سے کم آیتین آپ پر نازل ہوئی ہین، روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ قصۂ افک کے متعلق دس آیتین ایک ساتھ نازل ہوئی ہین، سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیتین بھی یکبارگی اتری ہین، اسکے برعکس "لا یستوی المومنون غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم" مین "غیر اولی الضرر" کا جملہ تنہا نازل ہوا ہے، اسی طرح "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" کے بعد یہ آیت "وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء ان اللہ علیم حکیم" تنہا نازل ہوئی ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید اس کی شہادت دیتا ہے،

وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ	تم اس کے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، نہ اسکو اپنے ہاتھ
بیمینک اذا لارتاب المبطلون	لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے والے شبہہ کرسکتے،

اس بنا پر آپ فرشتہ سے قرآن مجید کو زبانی یاد کرلیتے تھے، چنانچہ خدا نے ان آیات مین اسی طرف اشارہ کیا ہے،

لا تحرک بہ لسانک لتعجل	قرآن مجید کے پڑھنے مین عجلت کرنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دو،
بہ ان علینا جمعہ وقرانہ	اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارا فرض ہے، پس جب ہم اس کو
فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان	پڑھین تو تم بھی اس کی قرأت کا اتباع کرو، اس کے بعد
علینا بیانہ	ہمارا کام اس کا بیان کرنا ہے،
ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی	وحی کے پورے کرلینے سے پہلے قرآن مجید کے ساتھ جلدی نہ کرو اور
الیک وحیہ وقل رب زدنی علما،	کہو خداوندا! میرے علم کو بڑھا،
سنقرئک فلا تنسی الا ما شاء اللہ	ہم تم کو پڑھا دین گے تو تم نہین بھولو گے بجز اس کے کہ جسکو خدا
انہ یعلم الجھر وما یخفی،	چاہے وہ کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی چیزون کو جانتا ہے،
انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون	ہمین نے ذکر کو اتارا اور ہمین اس کے نگہبان ہین،

اس طریقہ سے جب آپ آیات قرآنیہ کو سمجھ کر یاد کرلیتے تھے، تو ان کی تبلیغ فرماتے تھے، اور اپنے کاتبون مین سے کسی کاتب کو حکم دیتے تھے کہ وہ ان کو آپ کے سامنے کھجور کی شاخ یا نرم پتھر یا کاغذ پر لکھ لے، اس غرض سے آپ نے بہت سے کاتب مقرر فرمائے تھے جنکے نام عام طور پر معلوم ہین بعض لوگون کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ۲۶ تھی اور حلبی نے سیرۃ العراقی کے حوالے سے ان کی

تعداد ۴۲ لکھی ہے، ان مین بعض تو تمام فقہی اور تشریعی دور مین آپ کے ساتھ رہے ہین اور بعض نے تھوڑے بہت دنون تک کتابتِ قرآن کی خدمت انجام دی ہے،

اِن کاتبانِ وحی مین جو لوگ زیادہ مشہور ہین اُن کے نام حسب ذیل ہین

خلفاے اربعہؓ

عامر بن فہیرہؓ — آپ سلاطین وغیرہ کے نام جو خطوط روانہ فرماتے تھے اُن کو یہی لکھتے تھے،

ابی بن کعبؓ — انصار مین سب سے پہلے انھین نے کتابتِ وحی کی خدمت انجام دی ہے، ان کے اوقات کا اکثر حصہ کتابتِ وحی مین صرف ہوتا تھا، اور ان کا شمار اُن فقہا مین ہے جو رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک مین لکھتے تھے،

زید بن ثابتؓ
معاویہؓ بن ابی سفیان[۱] — یہ دونون بزرگ ہمیشہ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے، اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا،

ثابت بن قیس بن شماسؓ

یزید،

مغیرہ بن شعبہؓ

زبیر بن العوامؓ

---

[۱] امیر معاویہ کے حالات مین یہ تصریح نہین ہو کہ وہ صرف کتابتِ وحی کا کام ہمیشہ کرتے رہے، وہ فتح مکہ مین یا زیادہ سے زیادہ حدیبیہ کے زمانہ مین اسلام لائے ہین، اس کے بعد وہ کاتب وحی ضرور رہے لیکن اس کے بعد رسول اللہ صلعم بہت کم زمانہ تک زندہ رہے اور اس زمانہ کے متعلق بھی یہ تصریح نہین ملی کہ وہ صرف کتابتِ وحی کا کام کرتے رہے، بعض کتابون مین ہے کہ وہ معاہدات وغیرہ لکھتے تھے، (مترجم)

خالد بن ولیدؓ

علاء بن الحضرمی

عمرو بن العاصؓ

عبد اللہ بن الحضرمی

محمد بن مسلمہ،

عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی ابن سلول

لکھنے کے بعد جو مجموعہ تیار ہوتا تھا وہ رسول اللہ صلعم کے مکان میں رکھا جاتا تھا، اور کاتبان وحی خود اپنے لیے اس کی نقل لے لیتے تھے اور سورتوں میں جس آیت کا جو موقع ہوتا تھا اس کو خود رسول اللہ صلعم بتاتے جاتے تھے، اس بنا پر نا خواندہ اشخاص کے حافظے، کاتبان وحی کے صحیفے، اور وہ تمام مجموعے جو رسول اللہ صلعم کے گھر میں محفوظ تھے، قرآن مجید کے تحفظ میں باہم مساعد و معین تھے، علماء کے درمیان یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے یعنی ان کو خود رسول اللہ صلعم کے حکم کے مطابق مرتب کیا گیا ہے لیکن اس [illegible] تک قرآن مجید کسی مصحف میں نہیں جمع کیا گیا، البتہ اس عہد میں بہت سے حفاظ مثلاً حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضرت سالم بن معقل حضرت زید بن ثابت حضرت ابو زید اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم وغیرہ موجود تھے، جن کو قرآن مجید پورا یاد تھا، ان حفاظ میں دو بزرگ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت سالم بن معقلؓ سابقین اولین میں ہیں، اور رسول اللہ صلعم کے پورے دور نبوت میں آپ کے ساتھ رہے ہیں، ان کے علاوہ ایسے صحابہ تو بکثرت تھے جنکو قرآن مجید کے بعض حصے یاد تھے،

نزولِ قرآن کی کیفیت

رسول اللہ صلعم پر آیات احکام یعنی فقہی آیتین اکثر اُن واقعات کے جواب مین نازل ہوتی تھین جو اسلامی سوسائٹی مین پیدا ہو جایا کرتے تھے یہی واقعات ہین جن کو اسباب نزول کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے ان کی طرف خاص توجہ کی ہے اُنکے متعلق کتابین لکھی ہین اور اُن کو قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے بنیادی اصول قرار دیا ہے چنانچہ ہم آئندہ کے دورون مین ان کی تفصیل کرینگے لیکن کبھی کبھی اس قسم کی آیتین بعض مسلمانون کے سوالات کے جواب مین بھی نازل ہوتی تھین ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ احکام مستقل طور پر نازل ہون اس بنا پر ہم ان دونون قسمون کی چند مثالین بیان کرتے ہین

(۱) رسول اللہ صلعم نے حضرت مرثد الغنوی کو مکہ کی طرف اس غرض سے روانہ فرمایا کہ وہان سے مسلمانون کی ایک کمزور جماعت کو نکال لائین چنانچہ جب وہ وہان پہونچے تو ایک عورت نے جو صاحب جمال وصاحب مال تھی اپنے آپ کو اُن کے سامنے پیش کیا لیکن اُنھون نے خوفِ الٰہی کی بنا پر اُس سے ناجائز فائدہ اُٹھانے سے انکار کیا اب اس نے ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہا اُنھون نے اُس کی اس خواہش کو تو منظور کر لیا لیکن نکاح کو رسول اللہ صلعم کی اجازت پر موقوف رکھا چنانچہ جب وہ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلعم کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کیا اور نکاح کی اجازت طلب کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامۃ	مشرکہ عورتون سے جب تک وہ ایمان نہ لائین
مومنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم	نکاح نہ کرو مسلمان لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے
ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا	گو وہ تم کو پسند آئے

ولعبد مومن خير من مشرك ولو اعجبكم	اور مشرکین سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں مسلمان
اولئك يدعون الى النار والله	غلام مشرک سے بہتر ہے گو وہ تم کو پسند ہو، وہ لوگ دوزخ کی
يدعوا الى الجنة والمغفرة	طرف بلاتے ہیں اور خدا اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف
باذنه ويبين آياته للناس	بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کو بیان کرتا ہے
لعلهم يتذكرون	تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

(۲) لیکن قرآن مجید میں بہت سے احکام مسلمانوں یا غیر مسلمانوں کے سوال کے بعد نازل ہوئے ہیں مثلاً

يسألونك عن الخمر والميسر	لوگ تجھ سے شراب اور جوے کے متعلق سوال کرتے ہیں
قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس	کہدے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے فوائد
واثمهما اكبر من نفعهما،	بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے فائدے سے بڑا ہے
ويسألونك ماذا ينفقون قل العفو	لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یا ایہا الذین آمنوا
كذلك يبين الله لكم الآيات	از ضرورت مال خدا اسی طرح تمھارے لیے آیات بیان
لعلكم تتفكرون	کرتا ہے شاید تم سوچو
ويسألونك عن اليتامى قل اصلاح	لوگ تجھ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں کہدے کہ اُنکے
لهم خير وان تخالطوهم فاخوانكم	لیے صلاح کرنا بہتر ہے اور اگر تم اُن کو اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمھارے
والله يعلم المفسد من المصلح	بھائی ہیں خدا مفسد کو مصلح سے الگ کرکے جانتا ہے
ولو شاء الله لاعنتكم ان الله	اور اگر خدا چاہتا تو تم کو سخت تکلیف دیتا بیشک اللہ غالب
عزيز حكيم	اور حکمت والا ہے
ويسألونك عن المحيض قل هو اذى	لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہدے کہ

فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا	وہ نجاست ہے اس لیے حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے
تقربوھن حتی یطھرن فاذا	مجامعت نہ کرو یہان تک کہ وہ پاک ہو جائیں پس جب وہ پاک
تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ ان اللہ	ہو جائیں تو جہان سے خدا نے تم کو حکم دیا ہے وہان سے ان کے ساتھ مباشرت
یحب التوابین ویحب المتطھرین	کرو، خدا توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے
یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ	لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا شہر حرام میں جنگ ہے؟
قل قتال فیہ کبیر الخ	کہدے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا (گناہ) ہے۔
یستفتونک قل اللہ یفتیکم	لوگ تجھ سے فتوی طلب کرتے ہیں کہدے کہ خدا تم کو کلالہ
فی الکلالۃ	کے بارہ میں فتوی دیتا ہے

اس قسم کی اور بھی بہت سی فقہی آیتیں ہیں جو سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں، لیکن وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوئے اُن کی تعداد بہت کم ہے بلکہ ہم کو کوئی ایسی آیت نہیں ملی جس کی نسبت مفسرین نے کوئی ایسا واقعہ نہ بیان کیا ہو جس کے بعد وہ نازل ہوئی ہے۔

مکی اور مدنی آیتوں کی امتیازی خصوصیات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزولِ قرآن کے دو زمانے ہیں ایک ہجرت سے پہلے اور دوسرا ہجرت کے بعد، ان میں مکی اور مدنی آیتوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں جن کے معلوم ہو جانے کے بعد ان میں باہم امتیاز ہو سکتی ہے،

(۱) آیات مکی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً نہایت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں اس کے بخلاف مدنی آیتیں عموماً طویل ہوتی ہیں مثلاً مدنی سورتیں قرآن مجید کے ۱۱ جزء سے کچھ زائد ہیں

لیکن ان کی آیات کی تعداد ۱۷۶ ہے یعنی وہ اس کی مجموعی آیتوں کے چوتھائی حصے سے کچھ ہی زائد ہیں اس کی سب سے قریبی مثال "قد سمع اللہ" کا سیپارہ ہے جو کل کا کل مدنی ہے اور اُس کی آیتوں کی تعداد ۱۳۷ ہے اس کے بخلاف "تبارک الذی" اور "عم" کا سیپارہ مکی ہے اور ان میں پہلے کی آیتوں کی تعداد ۴۳۱ اور دوسرے کی ۵۷۰ ہے

سورۂ انفال اور سورۂ شعراء کا بھی یہی حال ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کے ایک سیپارہ کا نصف حصہ ہیں لیکن انفال جو کہ مدنی سورہ ہے اس کی آیتوں کی تعداد ۷۵ اور شعراء جو کہ مکی سورہ ہے اُس کی آیتوں کی تعداد ۲۲۷ ہے

لیکن یہ خصوصیت اگرچہ ایک غالب خصوصیت ہے تاہم اس کو عام نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بعض مکی آیتوں میں بھی طول پایا جاتا ہے اور اس قسم کی آیتیں زیادہ تر بڑی بڑی سورتوں میں پائی جاتی ہیں

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مدنی آیتوں میں عام طور پر لوگوں کو "یا ایہا الذین آمنوا" کے لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے، اور ان میں "یا ایہا الناس" کا لفظ بہت کم آتا ہے اس کے برعکس مکی آیتوں میں "یا ایہا الناس" کے لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے اور ہم کو مکی سورتوں میں "یا ایہا الذین آمنوا" کا لفظ کہیں نہیں نظر آتا البتہ مدنی سورتوں میں "یا ایہا الناس" کا لفظ سات بار آیا ہے، چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں

(۱) یا ایہا الناس اعبدوا ربکم (بقرہ)	لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو
(۲) یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً	لوگو زمین کی حلال چیزوں کو کھاؤ، درانحالیکہ وہ حلال وطیب ہوں
(۳) یا ایہا الناس اتقوا ربکم	لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو

ان یشاء یذھبکم ایھا الناس	اگر وہ چاہے تو تمکو لے جائے اے لوگو
یا ایھا الناس قد جاءکم الرسول	لوگو تمھارے پاس پیغمبر تمھارے پروردگار کے پاس سے
بالحق من ربکم (نساء)	حق لیکر آیا،
یا ایھا الناس قد جاءکم	لوگو تمھارے پاس تمھارے پروردگار کے پاس سے
برھان من ربکم (نساء)	دلیل آئی،
یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی (حجرات)	لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مکی آیتون مین تفصیلی احکام فقہیہ بالکل نہین پائے جاتے، بلکہ ان کا بیشتر حصہ مذہب کے مقصد اولین یعنی خداوند تعالیٰ کی وحدانیت اس کے ثبوت کے دلائل، اُس کے عذاب کے ڈرانے، قیامت اور قیامت کے عذاب و ثواب اور اُن کے مکارم اخلاق کی ترغیب سے تعلق رکھتا ہے جن کی تکمیل کے لیے رسول اللہ صلعم مبعوث ہوے تھے انکے علاوہ گذشتہ قومون کی ان تاریخی آزمایشون کا تذکرہ ہے جو انبیا علیھم السلام کی دعوت کی مخالفت کا نتیجہ تھین، فقہی احکام کی تفصیل زیادہ تر مدنی آیتون مین موجود ہے،

قرآن مجید تین چیزون کے مجموعہ کا نام ہے،

(۱) وہ آیتین جو خدا، خدا کے فرشتون، خدا کی کتابون، خدا کے پیغمبرون اور روز قیامت پر ایمان لانے سے تعلق رکھتی ہین، اور علم کلام اور علم اصول الدین مین انھی سے بحث ہوتی ہے،

(۲) وہ آیتین جو اعمال و ملکات قلبیہ سے تعلق رکھتی ہین یعنی اُن کو مکارم اخلاق کی ترغیب سے تعلق ہے، اور علم اخلاق مین انھی سے بحث کی جاتی ہے،

(۳) وہ آیتین جو ظاہری اعضا کے افعال یعنی اوامر و نواہی اور تخییرات سے تعلق رکھتی ہین اور فقہا انھی سے بحث کرتے ہین،

قرآن مجید مین فقہ اسلامی کا بنیادی اُصول

قرآن مجید کا علانیہ دعوی ہے کہ وہ انسانی حالات کی اصلاح کے لیے نازل کیا گیا ہے، اوراسی غرض سے اوامر ونواہی نازل کیے گئے ہین، چنانچہ وہ خود کہتا ہے،

یامرھم بالمعروف وینھٰھم	وہ اُن کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بری باتون سے منع کرتا ہے،
عن المنکر ویحل لھم الطیبات	اُن کے لیے پاک چیزون کو حلال کرتا ہے، اوران کیلیے
ویحرم علیھم الخبائث	ناپاک چیزون کو حرام قرار دیتا ہے،

قرآن مجید نے فقہی احکام مین تین چیزون کو اپنا بنیادی اصول قرار دیا ہے،

(۱) عدم حرج،

(۲) قلتِ تکلیف،

(۳) تدریج،

عدم حرج

عربی زبان مین حرج کے معنی تنگی کے ہین، اوراس قسم کے دلائل جن سے یہ ثابت ہوتا کہ اس شریعت کا بنیادی اصول تنگی کو دور کرنا ہے، بکثرت ہین، مثلاً خداوندتعالی رسول اللہ صلعم کا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے،

ویضع عنھم اصرھم والاغلال	اور وہ اُن لوگون سے اُس بوجھ کو اوراُن بیڑیون کو جو اُنکے
التی کانت علیھم	اوپر تھین اتار پھینکتا ہے،

خدا نے ہم کو خود اس دعا کی تعلیم دی ہے،

ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ

خداوندا ہم پر بوجھ نہ لاد، جیساکہ تونے اُن لوگون پر لادا تھا جو ہم سے پہلے تھے، خداوندا ہم پر وہ بوجھ نہ لاد جسکے اُٹھانے کی ہم مین طاقت نہ ہو،

حدیث شریف مین آیا ہے کہ خداوند تعالی نے اس دعا کے جواب مین فرمایا کہ مین نے ایسا کر دیا،

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتین ہین مثلاً

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا

خدا کسی شخص کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی کہ اسکی وسعت مین ہے

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر

خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہین چاہتا،

ما جعل علیکم فی الدین من حرج

خدا نے تم پر دین کے بارہ مین کوئی تنگی نہین کی ہے،

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا

خدا تم سے تخفیف کرنا چاہتا ہے، اور خود انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے،

وما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج

خدا تم پر تنگی کرنا نہین چاہتا،

حدیث شریف مین آیا ہے

بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ

مین سہل اور سیدھے مذہب کو لیکر مبعوث ہوا ہون،

رسول اللہ صلعم کے اخلاق وعادات کی نسبت حدیث مین آیا ہے،

ما خیر بین امرین الا اختار ایسرہما ما لم یکن اثما

آپکو جب کبھی دو چیزون کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپنے اُن دونون مین سے آسان تر چیز کو اختیار کرلیا بشرطیکہ وہ گناہ کی چیز نہو

اس قسم کی اور بھی متعدد آیتین اور حدیثین ہین اور فقہا نے بھی اُس کو ایک شرعی اصل قرار دیا ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت سے احکام مستنبط کیے ہین؛

یہ ایک قطعی اصل ہے اور اسی اصل کی بنا پر شریعت مین خفتین مثلاً مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا، بوقت ضرورت حرام چیز کو مباح کر دینا، اور تیمم کرنا مشروع ہین؛

قلت تکلیف

قلت تکلیف عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ تکلیف کی کثرت مین مختلف قسم کی تنگیان ہین، جو شخص اوامر و نواہی کی تحقیقات کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ کریگا اُس کو اس اصل کی صحت کا یقین نہایت آسانی کے ساتھ ہو جائیگا، کیونکہ

(۱) اولاً تو اُن کی تعداد نہایت کم ہے؛

(۲) ثانیاً تھوڑی سی مدت مین اُن کا علم حاصل ہو سکتا ہے؛

(۳) ثالثاً اُن پر نہایت آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے؛

(۴) اُن مین اس کثرت سے تفصیل نہین پائی جاتی کہ جو لوگ صرف قرآن مجید پر عمل کرنا چاہتے ہین اُن کے لیے تنگیان پیدا ہون؛

قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے؛

يا ايها الذين آمنوا لا تسألوا عن اشياء ان تبد لكم تسؤكم وان تسألوا عنها حين ينزل القرآن تبد لكم عفا الله عنها والله غفور حليم

مسلمانو! چیزون کے متعلق سوال نہ کرو، اگر وہ تم پر ظاہر ہوگئین تو تم کو ضرر پہونچائینگی، اگر تم نے اُن کے متعلق نزول قرآن کے وقت سوال کیا تو وہ تم پر ظاہر ہو جائینگی، خدا نے اُن کو معاف کر دیا اور خدا بخشنے والا بُردبار ہے، تم سے پہلے ایک

قد سألها قوم من قبلكم ثم أصبحوا بها كافرين — قوم نے اُن چیزون کا سوال کیا پھر اُن کی منکر ہو گئی

یہ سوالات جن سے مسلمانون کو منع کیا گیا ہے اُن چیزون سے تعلق رکھتے ہین جنکو خدا نے معاف کردیا ہے یعنی اُن کی حرمت سے خاموشی اختیار کی ہے، اس بنا پر اُن کے متعلق اُن کا سوال اُن کی حرمت کا سبب ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ اُن کے متعلق پوچھ گچھ نہ کرتے تو وہ اسی طرح معاف رہتین اور اُن کو اُن کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رہتا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق جب یہ سوال کیا گیا،

أفي كل عام — کیا وہ ہر سال فرض ہے،

تو اس کے جواب مین آپ کا یہ ارشاد

لو قلت نعم لوجبت ذروني ما تركتكم فإنما هلك من كان قبلكم بكثرة مسائلهم واختلافهم على أنبيائهم — اگر مین کہتا کہ "ہان" تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا، جب تک مین تم کو چھوڑ دون تم بھی مجھے چھوڑ دو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اپنے کثرت سوالات اور اپنے انبیا کی مخالفت کرنے سے ہلاک ہوے،

صلی اللہ علیہ وسلم
بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ اس پر رسول اللہ صلعم کا یہ قول دلالت کرتا ہے،

أعظم المسلمين جرما من سأل عن شيء لم يحرم على المسلمين فحرم عليهم من أجل مسألته — مسلمانون مین سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے ایک ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانون پر حرام نہین کی گئی تھی لیکن اس کے سوال کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی"

إن الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم أشياء — خدا نے چند فرائض مقرر کر دیے ہیں اُن کو ضائع نہ کرو، چند حدود مقرر کر دیے اُن سے آگے نہ بڑھو، چند چیزین حرام

فلا تنتهکوها وسکت عن اشیاء رحمة لکم من غیر نسیان فلا تبحثوا عنها،

کرو ان کی پردہ دری نہ کرو چند چیزوں سے خاموش رہا، تم پر مہربانی کرنے کے لیے نہ اس لیے کہ وہ ان کو بھول گیا تھا اس لیے ان کے متعلق کرید نہ کرو،

فصل ،، حدیث اور حدیث کی نسبت قرآن کے ساتھ، جو باتیں عنقریب مذکور ہوں گی ان سے اس مضمون کی زیادہ توضیح ہو جائیگی،

تدریج

رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تو اہل عرب میں بہت سی باتیں راسخ ہو چکی تھیں، جن میں بعض قائم رکھنے کے قابل تھیں اور ان سے ایک قوم کی تولید میں کوئی ضرر نہیں پہونچتا تھا، لیکن بعض عادتیں مضر تھیں اس لیے شارع ان سے ان کو الگ رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اپنی حکمت کے اقتضا سے آہستہ آہستہ ان کے لیے اپنے حکم کو ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ اپنے دین کو کمال کے درجہ تک پہونچایا، اس اصول کو پیش نظر رکھکر جو شخص غور کریگا اس کو معلوم ہوگا کہ دوسرے حکم نے پہلے حکم کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل کی چنانچہ یہ حقیقت ذیل کی مثال سے واضح ہو جائے گی،

رسول اللہ صلعم سے شراب اور جوے کے متعلق جن کے اہل عرب شدت سے خوگر تھے سوال کیا گیا تو آپ نے قرآن مجید کی زبان سے اس کا جواب دیا،

فیهما اثم کبیر ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما،

ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے،

اگرچہ ایک فقیہ نفس اور فلسفۂ تشریع کا عالم اس آیت سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس سے ان

چیزون کی حرمت مقصود ہے، کیونکہ جن چیزون مین گناہ کا جزو غالب ہوتا ہے، وہ عملاً حرام کر دیجاتی ہے اس لیے کہ افعال مین کوئی فعل ایسا نہین ہے جس مین صرف برائی ہی برائی ہو بلکہ تحریم و تحلیل کا دار و مدار خیر و شر کے غلبہ پر موقوف ہے تاہم خدا وند تعالی نے اول اول بہ تصریح انکی ممانعت نہین کی اس کے بعد نشہ کی حالت مین بہ تصریح اُن کو نماز پڑھنے سے روکا تاکہ وہ جو کچھ اس حالت مین پڑھتے ہین اُس کو جان سکین،

یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ	مسلمانو! نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو تا کہ تم جو کچھ
وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون	کہتے ہو اس کو جان سکو،

لیکن اس ممانعت نے پہلی آیت کو باطل نہین کیا بلکہ اس کو اور موکد کر دیا،

اس کے بعد تصریح کے ساتھ ممانعت کا قطعی حکم دیا،

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر	مسلمانو! شراب، جوا، بت اور جوے کے تیر، ناپاکی
والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان	اور شیطان کے کام ہین، اس لیے اُن سے بچو، شاید تم
فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان	فلاح پاؤ، شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے
ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر	مین تمھارے درمیان عداوت ڈال دے، تم کو خدا
والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ	کے ذکر اور نماز سے روک دے، تو کیا تم ان سے باز
فھل انتم منتھون	آؤ گے؟

احکام فقہیہ کے اس تدریجی اصول سے ایک دوسرا اصول بھی پیدا ہوا ہے، یعنی پہلے یہ احکام اجمالاً مذکور ہوتے ہین، پھر ان کی تفصیل کی جاتی ہے، چنانچہ مکی اور مدنی احکام کے موازنہ و مقابلہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مکی احکام بالکل مجمل ہوتے ہین، اور قرآن مجید بہت کم ان کی تفصیل کرتا ہے، اس کے خلاف مدنی احکام بالخصوص تمدنی معاملات مین بہ نسبت مکی احکام کے

قرآن مجید نے بہت زیادہ تفصیلات کی ہین اسی بنا پر ہماری راے ہین جن آیتون سے احکام مستنبط کیے جاتے ہین وہ زیادہ تر مدنی ہین کی آیتون مین صرف وہ احکام مذکور ہین جن سے عقیدہ کی حفاظت مقصود ہے مثلاً جانور جو خدا کے نام پر ذبح نہ کیے گئے ہون اُن کی حرمت کا حکم مکہ مین نازل ہوا ہے اور اُس سے صرف عقیدۂ توحید کی حفاظت ہوتی ہے

نسخ

قرآن مجید مذہب اسلام کی بنیاد اور خدا کی مضبوط رسی ہے جس کے پکڑنے کا حکم اُس نے تمام مسلمانون کو دیا ہے

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا — تم سب خدا کی مضبوط رسی پکڑو اور اختلاف نہ کرو

اور تقریباً یہ مقصد بدیہیات دین مین سے ہے جس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہین البتہ اس موقع پر ایک مسئلہ نہایت تفصیل و توضیح کا مستحق ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید مین کیا کوئی ایسی بھی آیت ہے جو منسوخ ہو گئی ہے اور اُس پر عمل کرنا ضروری نہین ہے؟

یہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اور جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن مجید قطعی الحجت ہے اور واجب العمل ہے تو جو شخص اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہے اس کا فرض یہ ہے کہ اپنے پیش نظر مقصد کو قطعی دلیل لائے اور مین اس موقع پر اس مسئلہ کی مزید توضیح کرنا چاہتا ہون

فقہا کی اصطلاح مین نسخ کا اطلاق دو معنی پر کیا جاتا ہے

(۱) اول یہ کہ پہلی عبارت سے جو حکم سمجھا جاتا ہے وہ اُس کے متصل دوسری عبارت سے باطل کر دیا جائے مثلاً حدیث مین آیا ہے کہ

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا — مین نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم ان کی زیارت کیا کرو

اس حدیث کا پہلا فقرہ زیارتِ قبور کی ممانعت کرتا ہے لیکن دوسرا فقرہ اس ممانعت کو منسوخ کرکے اس کی اباحت یا اس کے حکم کو اس کا قائم مقام کردیتا ہے،

(۲) دوم یہ کہ پہلی عبارت کے عموم کو منسوخ کردیا جائے یا اس کے اطلاق کو مقید کردیا جائے مثلاً خداوند تعالی نے فرمایا

والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلاثۃ قروء	مطلقہ عورتیں تین حیض کا انتظار کریں ،

اس کے بعد ارشاد ہوا،

اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا	جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو، تو تمھارے لیے ان کے اوپر کوئی مدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو،

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت عام ہے جو مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے لیکن دوسری آیت غیر مدخولہ عورتوں کو ایک مخصوص حکم دیتی ہے،

اسی طرح خدا نے دوسرے موقع پر فرمایا،

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (الایۃ)	جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ نہیں لاتے ان کو اسی کوڑے لگاؤ،

اس کے بعد فرمایا

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شہداء الا انفسھم فشہادۃ احدھم اربع شہادات باللہ انہ لمن الصادقین (الایۃ)	جو لوگ اپنی بی بیوں پر تہمت لگاتے ہیں اونکی ذات کے سوا ان کے اور گواہ نہیں ہیں تو ان کی شہادت یہ ہے کہ چار بار خدا کی قسم کھائیں کہ وہ سچے ہیں،

ان دونون آیتون مین بھی پہلی آیت، عام ہے جو تمام تہمت لگانے والون کو چاہے وہ شوہر ہون یا شوہر نہ ہون شامل ہے، لیکن دوسری آیت نے شوہرون کو ایک مخصوص حکم دیا ہے، کیونکہ اُس نے ان کی پانچون قسمون کو چار گواہون کا قائم مقام کر دیا ہے اور عورت کو حدِ زنا سے بری ہونے کا حق بھی اُس کی پانچ قسمون کی بنا پر دیا ہے

مطلق کے مقید کرنے کی مثال خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے،

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ	تم پر مردار اور خون حرام کیا گیا،

پھر دوسری آیت مین فرمایا،

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا	کہہ جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا ہے اس مین کوئی حرام چیز جسکو کوئی کھانے والا کھائے بجز مردار اور بہنے والے خون کے نہین پایا،

ان دونون آیتون مین پہلی آیت حرام خون کے لیے مطلق ہے، لیکن دوسری آیت مین مسفوح یعنی بہنے کی قید لگائی ہے،

نسخ کی یہ دوسری قسم بلا اختلاف قرآن مجید مین موجود ہے البتہ اس مین متعدد احتمالات نکل سکتے ہین، مثلاً

(۱) تاریخِ نزول کے لحاظ سے ہم کو یہ معلوم ہے کہ عام اور مطلق خاص اور مقید سے مقدم یا متاخر ہین یا یہ معلوم نہین

(۲) پچھلی آیت پہلی آیت سے ملی ہوئی نازل ہوئی ہے یا وہ بعد کو اتری ہے'

(۳) بعد کو اُترنے والے خاص اور مقید کو ہم بعض فقہاء کی اصطلاح کے موافق عام اور مطلق کا ناسخ قرار دین،

(۴) یا دوسرے فقہا کی رائے کے موافق اس کو تخصیص و تقیید کہین،

لیکن بہر حال اصل مسمی کے وجود پر اتفاق کر لینے کے بعد اُس کے مختلف نام کوئی اہمیت نہین رکھتے، بلکہ ہمارے لیے صرف یہ کہنا کافی ہے کہ عام اور مطلق باطل نہین ہوئے، کیونکہ خاص نے جس چیز کو پہلے حکم کے دائرے سے نکال دیا ہے اُس کے علاوہ عام ہر چیز پر ہمیشہ دلالت کرتا رہیگا، اور یہ اُس اصل کی طرف رجوع کر جائیگا جسکو ہم ثابت کر چکے ہین کہ احکام فقہیہ مین تدریج ملحوظ ہے یعنی وہ آہستہ آہستہ نازل ہوے ہین اس بنا پر جب دین مکمل ہو جائیگا تو عام وخاص دونون بمنزلہ ایک آیت کے قرار دیے جائین گے اور عام کو مستثنیٰ منہ اور خاص کو مستثنیٰ کہا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دونون مین سے اگلی اور پچھلی آیت پر اہتمام کے ساتھ دلالت نہین کی ہے اور اُن کے امتیازی علم کو فقہا نے بھی اہمیت نہین دی ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین کل قرآن شے واحد ہے،

البتہ نسخ کی پہلی قسم یعنی قرآن مجید مین ایسی آیت کا ہونا جس کا حکم بالکل باطل کر دیا گیا ہو یا اس سے زیادہ موزون عبارت مین اُس کے حکم کی مدت ختم ہو گئی ہو، اور وہ صرف بغرض تلاوت قائم رکھی گئی ہو محل بحث و نظر ہے، پچھلی آیت کا پہلی آیت کو باطل کرنا دو باتون پر موقوف ہے

(۱) ایک تو یہ کہ پچھلی آیت بہ تصریح ظاہر کر دے کہ اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا،

(۲) دوسرے یہ کہ دونون آیتون مین ایسا تناقض موجود ہو کہ دونون مین تطبیق نہ دیجا سکے

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کی آیتون مین کوئی ایسی آیت موجود ہے،؟

پہلی صورت قرآن مجید کی کسی آیت مین نہین پائی جاتی صرف دو آیتین ہین جو بحث و تحقیق کے پہلے ان لوگون کی راے کی تائید کرتی ہین جو قرآن مجید مین نسخ کے قائل ہین، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

يا ايها النبي حرض المومنين على القتال ان يكن منكم عشرون صابرون يغلبوا مائتين وان يكن منكم مائة يغلبوا الفا من الذين كفروا بانهم قوم لا يفقهون

اے پیغمبر مسلمانون کو لڑائی کے لیے آمادہ کرو، اگر تم مین بیس صبر کرنے والے ہون گے تو وہ دو سو پر غالب آئین گے اور اگر تم مین سو ہون گے تو وہ ہزار کافرون پر غالب آئین گے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو نہین سمجھتی،

اس کے بعد اس کے متصل آیت مین فرمایا،

الآن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين وان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله والله مع الصابرين،

اب خدا نے تمھارے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ تم مین ضعف ہے تو اب اگر تم مین سو صابر ہونگے تو وہ دو سو پر غالب آئین گے اور اگر تم مین ایک ہزار ہون گے تو خدا کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئین گے اور خدا صبر کرنے والون کے ساتھ ہے،

لفظی حیثیت سے یہ دونون آیتین خبر کی صورت مین ہین لیکن ان سے انشا مقصود ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ اس سورہ مین فرماتا ہے،

يا ايها الذين آمنوا اذا لقيتم فئة فاثبتوا،

مسلمانو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو،

لیکن خدا نے ثبات کے اس مطلق حکم کی تحدید کرنی چاہی، کیونکہ اس مطلق حکم سے تمام حالات مین مسلمانون اور ان کے ساتھ لڑنے والون کی تعداد کتنی ہی ہو ثبات واجب ہو جاتا ہے، اس بنا پر پہلی آیت نے ان لوگون کی تعداد جن کے مقابل مین ثبات واجب ہے دس گنا متعین کی، لیکن اس موقع پر صریحاً امر کا صیغہ جیسا کہ اس کے پہلے "اثبتوا" کا لفظ آچکا ہے، استعمال نہین کیا، کیونکہ اس موقع پر ان کے قلوب مین حمیت کا پیدا کرنا اور ان کے سینون مین غیرت کی آگ بھڑکانا

مقصود تھا، اس لئے اس امر کو خبر[1] کی صورت مین پیش کیا، لیکن جب خدا نے اُن کے ضعف کو جان لیا تو دوسری آیت مین تخفیف کر دی اس موقع پر علم سے ظہور مراد ہے، یعنی اُن مین ایک ایسا ضعف ظاہر ہوا جو پہلے سے موجود نہ تھا، کیونکہ اگر وہ پہلے سے موجود ہوتا تو خدا اُس کو جانتا اور پہلے حکم کا موقع پیش نہ آتا، اس لیے یہ نو پیدا ضعف تخفیف کا مقتضی ہوا اب اگر ہم یہ کہین کہ دوسری آیت کو پہلی آیت سے وہی نسبت ہے جو اُس آیت کی ہو سکتی ہے، جو کسی امر عارض کی وجہ سے تخفیف تو کر دیتی ہے، لیکن اس امر عارض کے زوال کے بعد پہلی آیت کا حکم باقی رہتا ہے، تو ان دونون آیتون کا حکم وہی ہوگا جو عزیمت کے حکم کا رخصت کے حکم کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی جماعت مین یہ ضعف جسکو خدا نے تخفیف کا سبب بیان کیا ہے، نہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنی دس گنا تعداد کے مقابل مین ثابت قدم رہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت مین ۲۰ اشخاص کی جو تعداد مذکور ہے اس کی صفت مین "صابرین" کا لفظ آیا ہے، اسیطرح سو اشخاص کی تعداد "صابرۃ" کے لفظ سے موصوف ہے، اس بنا پر جہان کہین صبر کا وصف موجود ہوگا وہان پہلا حکم ثابت و برقرار رہیگا، صبر کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس سے پہلے مادی اور قلب کی روحانی قوت دونون موجود ہون لیکن اگر ہم یہ کہین کہ دوسری آیت یعنی یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا، تمام حالات مین عام ہے، تو پہلی آیت کا حکم منسوخ ہوگا لیکن یہ مستبعد ہے ایضًا دونون آیتون کے قریب قریب خداوند تعالی کا یہ قول ہے،

یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا	اے کملی اوڑھنے والے! رات مین نماز کیلیے کھڑے رہا کرو،
نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد	لیکن ساری رات نہین بلکہ ساری رات سے کم یا آدھی رات
علیہ و رتل القرآن ترتیلا	یا اس مین سے بھی تھوڑا کم کر لیا کر یا آدھی رات سے بڑھا دیا کر

[1] مصنف نے یہ کوشش اس لیے کی ہے کہ فقہا کے نزدیک خبر مین نسخ نہین ہوتا بلکہ انشا مین ہوتا ہے،

انا سنلقی علیک قولا ثقیلا ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأً واقوم قیلا ان لک فی النہار سبحا طویلا"

اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرہم تجھ پر عنقریب ایک بھاری قول کا بوجھ ڈالین گے بیشک رات کا اٹھنا خوب کچلنے والا ہے اور اس وقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے اور دن کے وقت تو تم کو (وعظ و نصیحت مین) بڑا اشغال رہا کریگا،

اس کے بعد آخر سورہ مین فرمایا،

ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک واللہ یقدر اللیل والنہار علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر من القرآن علم ان سیکون منکم مرضی وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ فاقرؤا ما تیسر منہ واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ

اے پیغمبر تمھارا پروردگار جانتا ہے کہ تم اور چند لوگ جو تمھارے ساتھ ہین (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات مین نماز کے لیے کھڑے رہتے ہو اور رات اور دن کا (ٹھیک) اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اسکو معلوم ہے کہ تم وقت کا تحفظ نہین کرسکتے تو اس نے تمھارے حال پر رحم کیا (اور وقت کی قید اٹھا دی) تو اب (تہجد مین) جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا کرو، اس کو معلوم ہے کہ تم مین سے بعض (آدمی) بیمار پڑین گے اور بعض خدا کے فضل (معاش) کی تلاش مین ملک مین سفر کرینگے، اور بعض خدا کی راہ مین لڑین گے تو جتنا قرآن (تہجد مین) آسانی سے پڑھ جاسے پڑھ لیا کرو اور نماز (پنجگانہ) پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو،

ان دونون آیتون مین پہلی آیت مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے اور وہ صراحۃً رات کے ایک حصہ مین جو اس کے نصف کے قریب ہو قیام نماز کا مطالبہ کرتی ہے

اور اس نماز (تہجد) کے وجوب کا اس نے سبب بھی بیان کر دیا ہے، دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اور اسی طرح چند صحابہؓ بھی اس پر عمل کرتے تھے، اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ اس موقع پر ایک ایسا سبب موجود ہے جو اس معاملہ مین صحابہؓ کے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عنقریب اُن کی تین قسمین جن کو خدا نے بیان کر دیا ہے ہو جائین گی یہی وجہ ہے کہ اس آیت مین قرآن مجید کے صرف اس حصے کے تلاوت کی تکلیف دی گئی جسکا پڑھنا آسان ہو اب اگر پہلی آیت صرف رسول اللہ کی ذات تک محدود ہو، اور صحابہ کرام نے صرف رسول اللہ صلعم کے اقتدا کے خیال سے رات کو قیام کیا، اور اسباب متذکرۂ بالا کی بنا پر جو آسانی کی گئی وہ صرف صحابہؓ کی ذات تک محدود ہے، تو پہلی آیت منسوخ نہ ہو گی بلکہ رسول اللہ صلعم کے لیے اس کا حکم باقی رہیگا، (حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہی ہے) لیکن اگر پہلی آیت کو عام قرار دیا جائے اور آسانی کو بھی عام تسلیم کیا جائے تو پہلی آیت منسوخ قرار پائے گی لیکن یہ معنی بعید از عقل و قیاس ہے پہلے معنی کے رو سے دوسری آیت کی تطبیق پہلی آیت سے ہو جاتی ہے اور اس دوسرے معنی کے لحاظ سے بعد کی آیت پہلی آیت کے حکم کے باطل ہونے کا اعلان کرتی ہے، حالانکہ یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ دونون آیتین جن کے سوا ہمارے خیال مین کوئی تیسری آیت موجود نہین متعین طور پر غیر مفید نسخ ہین، "سورہ قد سمع" مین صدقۃ النجوی کی جو آیت ہے وہ بھی انہی دونون کے قریب قریب ہے،

دوسرا طریقہ یعنی یہ کہ دو صریح متناقض آیتون کی بنا پر جن مین کسی تاویل کی گنجائش نہو، نسخ کی مجبورانہ ضرورت پیش آئے تو ہمارے نزدیک قرآن مجید مین بہ مشکل ایسی کوئی آیت ملسکتی ہے، جن آیتون کی نسبت نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، ہم نے اُن کو اُن علما کے جوابات کے ساتھ جو اُن کے نسخ کے منکر ہین اپنی کتاب "اصول فقہ" مین بیان کیا ہے، اس لیے اگر

تم چاہو تو اس کی طرف رجوع کرسکتے ہو"

علماے سلف میں جن لوگون نے قرآن مجید مین کسی آیت کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے اُن مین مفسر اعظم ابو مسلم اصفہانی ہے ہم نے اُن کے اقوال کو امام رازی کی تفسیر مین دیکھا ہے، اور خود امام رازی کی ضمنی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو مسلم کی اس راے کی طرف مائل ہین؛

قرآن مجید کا طرز بیان

طلب اور تخییر کے متعلق

قرآن مجید نے طلب و تخییر کے متعلق ایک طرز بیان کا التزام نہین کیا ہے؛ بلکہ استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف طریقون سے افعال کا مطالبہ کرتا ہے؛ مثلاً

(۱) کبھی وہ صریح امر کا لفظ استعمال کرتا ہے، مثلاً

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی،	خدا عدل، احسان اور قرابتدارون کے دینے کا حکم دیتا ہے
ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل،	خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت دارون کی امانت اُن کو دو اور جب تم لوگون کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو،

(۲) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ یہ فعل مخاطبین پر فرض کیا گیا ہے؛

کتب علیکم القصاص فی القتلی.	مقتولین کے بارہ مین تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے،

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت	جب تم مین کسی کی موت آئے تو اگر وہ کوئی مال چھوڑے
ان ترك خيرا الوصية	تو اُس پر وصیت فرض کی گئی ہو،
كتب عليكم الصيام	تم پر روزے فرض کیے گئے ہین
ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم	رہبانیت کو ان لوگون نے خود ایجاد کر لیا ہو ہم نے اُسکو ان پر فرض نہین کیا ہے
كتاب الله عليكم	یہ خدا کی فرض کردہ چیز ہو،
ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا	نماز مسلمانون پر ایک موقت فرض ہو،

(۳) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ اس فعل کی ذمہ داری تمام لوگون پر یا کسی خاص گروہ پر ہو، مثلاً

ولله على الناس حج البيت من استطاع	خدا کیلئے لوگون پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہو یعنی ان لوگون پر جو
اليه سبيلا	اُس کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھتے ہین،
وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن	اور جس شخص کے لڑکا پیدا ہوا ہو اس پر اُن عورتون کا کھانا
بالمعروف	کپڑا فرض ہے،
وعلى الوارث مثل ذلك	اور وارث پر بھی ایسا ہی ہے،
وللمطلقات متاع بالمعروف	اور جن کو طلاق دی جائے اُنکے ساتھ دستور کے موافق سلوک
حقا على المتقين،	کرنا مناسب ہے، کہ پرہیزگارون پر یہ ایک طرح کا حق ہے،

(۴) کبھی وہ فعل مطلوب کی ذمہ داری اُن لوگون پر ڈال دیتا ہے جن سے اس فعل کا مطالبہ کیا گیا ہے، مثلاً

والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء	مطلقہ عورتین تین حیض کے آنے تک اپنے آپ کو روک رکھین،
والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا	جو لوگ تم مین مر جائین اور بی بیون کو چھوڑ جائین وہ بی بیان
يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا	اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روک رکھین

اس طرزِ بیان کے بعد کبھی ایسے الفاظ آتے ہین جن سے مطالبۂ فعل کی تاکید ہوتی ہو
اور کبھی ایسے الفاظ آتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل فرض نہین ہے، مثلاً

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ	اور جو شخص (طلاق دینے کے بعد) اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو مائین اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائین

(۵) کبھی وہ صیغۂ طلب یعنی صیغۂ امر اور مضارع مقرون بالام کے ساتھ افعال کا مطالبہ کرتا ہے، مثلاً

حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی وقوموا للہ قانتین	نمازون کی حفاظت کرو، بالخصوص بیچ کی نماز کی اور خدا کے لیے نمازون مین عجز و انکسار کے ساتھ کھڑے ہو،
ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق	پھر چاہیے کہ وہ اپنے میل کچیل کو دور کرین، اپنی نذرون کو پورا کرین اور پرانے گھر کا طواف کرین،

(۶) کبھی وہ اس کی تعبیر فرض کے لفظ سے کرتا ہے مثلاً

قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم	ہم نے جو کچھ اُن کی بی بیون اور لونڈیون کے بارے مین اُن پر فرض کیا ہے اس کو ہم نے جان لیا،

(۷) کبھی وہ فعلِ مطلوب کا ذکر کسی شرط کی جزا کے طور پر کرتا ہے، لیکن یہ طرزِ بیان عام نہین ہے، مثلاً

فان احصرتم فما استیسر من الھدی	تو اگر تم (حج سے) روک دیے جاؤ تو جو قربانی آسان ہو اس کو روانہ کردو،
فمن کان منکم مریضا اوبہ اذیً	تو جو لوگ تم مین سے بیمار ہون یا اُن کے سر مین کوئی

من راسہ ففدیۃ من صیام	تکلیف ہو تو بال اُتروانے کے بدلے میں روزہ یا
او صدقۃ او نسک	خیرات یا قربانی ہے،
وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ	اگر مقروض تنگ دست ہو تو اُس کو فراخ دستی کے زمانے
الی میسرۃ	تک مہلت دینی چاہیے،

(۸) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر لفظ خیر کے ساتھ ملا کر کرتا ہے مثلاً

ویسئلونک عن الیتامی قل	اور وہ لوگ تجھ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں
اصلاح لھم خیر	کہدے کہ ان کی اصلاح بہتر ہے،

(۹) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر کسی وعدے کے ساتھ کرتا ہے مثلاً

من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا	وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دیگا، تو خدا اُسکو اس کے لیے
فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ	کئی گنا زیادہ دیگا،

(۱۰) کبھی وہ فعل مطلوب کی نسبت کہتا ہے کہ وہ خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف پہونچانے والا ہے مثلاً

ولکن البر من آمن باللہ	لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو خدا پر ایمان لایا،
ولکن البر من اتقی	لیکن نیکی اُس شخص کی ہے جس نے تقوی اختیار کیا،
لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون	تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پاؤگے یہاں تک کہ جن چیزوں کو تم محبوب رکھتے ہو اُن میں سے کچھ خرچ نہ کرو،

اسی طرح کسی فعل کی ممانعت کے متعلق بھی قرآن مجید نے مختلف طرز بیان اختیار کیے ہیں، مثلاً،

(۱) صریح نہی، مثلاً

وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی

اور خدا بےحیائی کے کاموں اور بری باتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے،

انما ینهاکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاهروا علی اخراجکم ان تولوهم

جن لوگوں نے تم سے مذہب کے بارے میں جنگ کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالے جانے پر مدد دی خدا تم کو انھیں کی دوستی کرنے سے منع کرتا ہے،

(۲) شے ممنوع کو حرام کرنا، مثلاً

انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا بالله ما لم ینزل به سلطانا وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون

میرے پروردگار نے تو صرف بےحیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے وہ ظاہر ہوں تو اور پوشیدہ ہوں تو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو اور اس بات کو کہ تم کسی کو خدا شریک قرار دو جسکی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ بے سوچے سمجھے خدا پر بہتان باندھو،

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم

کہہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں،

وحرم ذلک علی المؤمنین

اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے،

(۳) فعل ممنوع کو "حلال نہیں" کہنا، مثلاً،

لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها

تمھارے لیے یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ،

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموهن شیئا الا ان یخافا الا

تمھارے لیے یہ حلال نہیں کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے اُس سے کچھ لو بجز اس صورت کے کہ میاں بی بی دونوں

یقیما حدود الله	کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود خداوندی کو قائم نہ رکھین گے،
ولا یحل لہن ان یکتمن ما خلق الله فی	اور ان عورتون کے لئے یہ حلال
ارحامہن	نہین کہ خدا نے اُن کے رحمون مین جو پیدا
	کیا ہے، اس کو چھپائین،

(۴) صیغۂ نہی یعنی فعل مضارع کا جسکے پہلے "لای نہی" ہو یا ایسے فعل امر کا جس سے ممانعت مقصود ہو مثلاً "دع" اور "ذر" کا استعمال کرنا مثلاً

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ہی احسن	اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ بجز اس طریقہ کے جو عمدہ ہو،
وذروا ظاہر الاثم وباطنہ	کھلے اور پوشیدہ گناہ کو چھوڑ دو،
ودع اذاہم	اور اُن کی ایذا رسانی کو چھوڑ،

(۵) فعل ممنوع سے نیکی کی نفی کرنا مثلاً

لیس البر ان تولوا وجوہکم قبل المشرق	یہ نیکی کا کام نہین ہے کہ اپنے چہرون کو مشرق اور مغرب
والمغرب	کی طرف پھیرو،
ولیس البر بان تاتوا البیوت	یہ نیکی کا کام نہین ہے کہ گھرون مین اُن کی پشت کی
من ظہورہا	جانب سے آؤ،

(۶) فعل ممنوع کی نفی کرنا، مثلاً

فان انتہوا فلا عدوان	پس اگر وہ فساد سے رُک جائین تو اُن پر زیادتی نہین ہے
الا علی الظالمین،	زیادتی صرف ظالمون پر ہے،
فمن فرض فیہن الحج فلا رفث ولا	تو جو شخص ان مہینون مین حج کا عزم کرلے تو حج مین نہ کوئی
فسوق ولا جدال فی الحج	شہوت کی بات ہے، نہ گناہ کی، نہ لڑائی کی،

لا تضار والدة بولدها ولا مولود له	ماں کو اُس کے بچہ کی وجہ سے نقصان نہ پہونچایا جائے اور
بولدہٖ	نہ اُس کو جس کا بچہ ہے اس بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے

(۷) گناہ کے استحقاق کے ساتھ ملا کر فعل ممنوع کا ذکر کرنا مثلاً

فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ	جو وصیت سُنکر اُس کو بدل دے تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں
علی الذین یبدلونہ	پر ہی جو وصیت کو بدل دیں

(۸) فعل ممنوع کو عذاب کی دھمکی کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا، مثلاً

والذین یکنزون الذھب والفضۃ	اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اُن کو
ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم	خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے تو اُن کو دردانگیز عذاب
بعذاب الیم	کی دھمکی دے
الذین یاکلون الربا لا یقومون	جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) کھڑے نہ ہو سکیں گے
الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان	مگر اس شخص کا سا کھڑا ہونا جس کو شیطان نے مخبوط الحواس
من المس	کر دیا ہو

(۹) فعل ممنوع کے وصف میں "شر" کا لفظ استعمال کرنا مثلاً

ولا یحسبن الذین یبخلون بما	جو لوگ اس فضل کے ساتھ جسکو خدا نے اُن کو دیا ہے بخل
آتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم	کرتے ہیں یہ نہ گمان کریں کہ وہ اُن کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ
بل ھو شر لھم	اُن کے لیے بدتر ہے

قرآن مجید نے ان اوامر کا بیان جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مکلف کو اختیار ہے، مختلف طریقوں سے کیا ہے، مثلاً،

(۱) حلت کی اسناد اس فعل کی طرف کرنا یا اس کو اس کے ساتھ متعلق کرنا مثلاً

احلت لکم بہیمۃ الانعام ،	چارپائے جانور تمھارے لیے حلال کر دیے گئے ہین،
یسئلونک ماذا احل لہم	لوگ تم سے پوچھتے ہین کہ کون کون سی چیز اُن کے لیے
قل احل لکم الطیبات	حلال کی گئی ہے تو اُن سے کہدو کہ کھانے کی پاک چیزین
وما علمتم من الجوارح	سب تمھارے لیے حلال کردی گئی ہین اور شکاری جانور جو تمنے
مکلبین	شکار کے لیے سدھا رکھے ہون،
الیوم احل لکم الطیبات وطعام	آج کے دن تمھارے لیے کھانے کی پاک چیزین حلال
الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم	کردی گئین اور اُن لوگون کا ذبیحہ جنکو کتاب دی گئی ہے،
حل لہم	تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا ذبیحہ اُن کے لیے حلال ہے،

(۲) فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی کرنا، مثلاً

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد	جو بھوک سے بیقرار ہو جائے اور عدول حکمی کرنے والا اور حد سے
فلا اثم علیہ	بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر کوئی گناہ نہین (یعنی حرام چیز کے
	کھانے مین)
فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ	پھر جو شخص جلدی کرے اور دو (ہی) دن مین (چل کھڑا ہو)
ومن تاخر فلا اثم علیہ	اس پر (بھی) کچھ گناہ نہین اور جو دیر تک ٹھہرا رہے اُس پر
لمن اتقی ،	(بھی) کچھ گناہ نہین (یہ رعایت) اُن کے لیے (ہے)
	جو پرہیزگاری کرین،
فمن خاف من موص جنفا	اور اگر کسی شخص کے دل مین وصیت کرنے والی کی طرف سے
او اثما فاصلح بینہم فلا	طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو اور وہ وارثون مین میل کرادے
اثم علیہ	(تو ایسی صورت مین وصیت کے بدلنے کا) اسپر کچھ گناہ نہین ہے،

(۳) فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی لفظ "جناح" سے کرنا مثلاً

ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات	جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو جو کچھ ممانعت سے پہلے
جناح فيما طعموا اذا ما اتقوا	کھا پی چکے اُن پر کسی طرح کا گناہ نہیں جب کہ انھوں نے
وآمنوا وعملوا الصالحات	(حرام چیزوں سے) پرہیز کیا، اور ایمان لائے اور نیک
ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا	کام کیے، پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر
واحسنوا	(حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا،
ليس عليكم ولا عليهم جناح	ان تینوں اوقات کے سوا (بے اذن آنے دیتے ہیں اور
بعدهن	بے اذن چلے آتے ہیں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ اُن پر،
ان الصفا والمروة من شعائر الله	صفا اور مروہ خدا کے شعائر ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج کرے یا
فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح	عمرہ کرے اس پر یہ گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں کا
عليه ان يطوف بهما،	طواف کرے،

جملہ احکام قرآنیہ

قرآن مجید مختلف قسم کے اعمال پر جن کی بندوں کو تکلیف دی گئی ہے مشتمل ہے،

(۱) اول وہ معاملہ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہے، یعنی وہ عبادات جو بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتیں اُن میں بعض مثلاً نماز اور روزہ خالص عبادت ہیں بعض مثلاً زکوۃ مالی اور تمدنی عبادت ہیں، بعض مثلاً حج بدنی اور تمدنی عبادت ہیں، یہ چاروں عبادتیں ایمان کے بعد بنیاد اسلام تسلیم کی گئی ہیں،

(۲) دوم بندوں کا باہمی معاملہ ہے جن کی چند قسمیں ہیں،

(۲) دوم بندون کا باہمی معاملہ ہے جن کی چند قسمین ہین،

۱۔ قوانین تحفظ دعوت اسلام یعنی جہاد،

۲۔ قوانین استقلال خاندان یعنی وہ احکام جو نکاح، طلاق نسب اور وراثت سے تعلق رکھتے ہین،

۳۔ قوانین معاملات باہمی یعنی بیع اور اجارہ وغیرہ کے احکام اور اصطلاح مین اُن کو معاملات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین

۴۔ قوانین تعزیری یعنی قصاص وحدود، ہم آگے چل کر الگ الگ اُن سب کی تفصیل کرینگے،

حدیث

حدیث سے مراد رسول اللہ صلعم کے تمام اقوال وافعال اور دوسرون کے وہ اعمال جن کو آپ نے قائم و برقرار رکھا، اس مین کوئی شبہہ نہین ہے کہ رسول اللہ صلعم کو خدا نے اپنا مبلغ بنا کر مبعوث فرمایا تھا، چنانچہ خدا خود کہتا ہے،

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک	اے پیغمبر جو کچھ تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے تم اس کی تبلیغ کرو،

اور آپ خدا کی طرف سے اس کے مقاصد کے بیان کرنے والے تھے، خدا خود فرماتا ہے،

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون	ہم نے تم پر ذکر کو اتارا تا کہ تم لوگون کے لیے اُس چیز کو بیان کرو جو ان پر نازل کی گئی ہے اور شاید وہ لوگ غور وفکر کرین

اس بنا پر آپ قرآن مجید کے مطلب کو صرف قول سے، کبھی صرف فعل سے اور کبھی ایک ساتھ قول وفعل دونون کے ذریعہ سے بیان فرمایا کرتے تھے، مثلاً آپ نے نماز ادا فرمائی، اور فرمایا،

صلوا کما رأیتمونی اصلی — اس طرح نماز پڑھو جسطرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوے دیکھا،

آپ نے حج ادا کیا اور فرمایا

خذوا عنی مناسککم — مجھ سے اپنے ارکان سیکھو

اس لحاظ سے آپ قرآن مجید کے شارح ہین یعنی آپ قرآن مجید کی مجمل آیتون کی تشریح کرتے ہین، اس کی مطلق آیتون کو مقید فرماتے ہین، اور اُس کی مشکل آیتون کی تفسیر کرتے ہین، اور اور اس حیثیت سے حدیث مین کوئی چیز ایسی نہین ہے جس کے مفہوم پر قرآن مجید نے اجمالاً یا تفصیلاً دلالت نہ کی ہو، البتہ اس دلالت کے مختلف طریقے ہین،

(۱) اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ صلعم کی پیروی کو واجب قرار دیا ہے، مثلاً

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا، — جو کچھ پیغمبر تم کو دے اُسکو لیلو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آؤ

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما، — تیرے پروردگار کی قسم وہ اس وقت تک ایمان نلائینگے جب تک تجھ کو اُس نزاع کے متعلق حکم نہ بنائین جو انکے درمیان واقع ہوئی پھر حکم بنانے کے بعد اپنے دلون مین تیرے فیصلہ سے تنگی نہ پائین اور اس کو پوری طور پر مان لین،

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین، — کہہ، اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ بخشدیگا اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے کہہ کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرو، تو اگر وہ روگردانی کرین تو خدا کافرون سے محبت نہین رکھتا،

(۲) اس کا دوسرا طریقہ علماء کے نزدیک عام طور پر مشہور ہے مثلاً قرآن مجید کے جو احکام

نفس عمل کی کیفیات اُن کے اسباب ان کے شروط اور اُن کے موانع ولواحق وغیرہ کے لحاظ سے مجمل ہین اور احادیث ہین اُن کی جو توضیح کی گئی ہے وہ اسی طریقہ مین داخل ہے، مثلاً احادیث مین نماز اور زکوۃ کی تشریح قرآن مجید ہی کی توضیح ہے،

(۳) اس دلالت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اُن چیزون مین جو دو کھُلی ہوئی چیزون کے درمیان واقع ہین اجتہاد فرماتے ہین یا اور چیزین جو اصول وفروع کے درمیان دائر ہین اُن مین قیاس کرتے ہین، مثلاً،

۱- خدا نے پاکیزہ چیزون کو حلال کردیا اور ناپاک چیزین حرام کردین لیکن ان دونون کھُلی ہوئی چیزون کے درمیان چند مشتبہ چیزین ہین، اس بنا پر رسول اللہ صلعم نے اجتہاد اُن کی توضیح کردی، اور ہر درندہ جانور اور پنجہ دار چڑیا کو حرام قرار دیا، اور پالو گدھون کے گوشت کی ممانعت فرمادی، جس کے معنی یہ ہین کہ اُن کو آپ نے ناپاک چیزون مین شامل کردیا،

۲- خدا نے پینے کی غیر نشی چیزون کو حلال کیا، اور نشی چیزون کو حرام قرار دیا، ان دونون اصول کے درمیان وہ چیزین ہین جو حقیقۃً نشی نہین ہین لیکن نشی ہوسکتی ہین مثلاً دبا، مزفت اور نقیر کی نبیذ (یہ مختلف برتنون کے نام ہین جن مین کھجور وغیرہ کو بھگو کر ایک قسم کی سُرور انگیز شراب بناتے تھے جن کو نبیذ کہتے تھے) کو نشی چیزون مین داخل کرکے رسول اللہ صلعم نے اُن کی ممانعت فرمادی تاکہ شراب نوشی کا ذریعہ مسدود ہوجائے، اس کے بعد آپ نے اس اصل کی طرف رجوع کیا کہ اصل اشیا مین اباحت ہے جیسے پانی اور شہد، اور فرمایا،

کنت نھیتکم عن الانتباذ فانتبذوا — مین نے تم کو نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، اب نبیذ بناؤ

وکل مسکر حرام — اور ہر نشی چیز حرام ہے،

۳- خدا نے سدھائے ہوے شکاری جانور کے اس شکار کو جو وہ ہمارے لیے کرے

مباح قرار دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ بے سدھائے ہوئے جانور کا شکار حرام ہے کیونکہ وہ صرف اپنے لیے شکار کرتا ہے، اب ان دونون اصول کے درمیان وہ شکاری جانور ہے جو سدھارا ہوا تو ہے مگر اس نے اپنے شکار کو کھا لیا ہے کیونکہ سدھارنے کا اقتضاء تو یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کے لیے شکار کیا ہے' اور اُس کے کھا لینے کا اقتضاء یہ ہے کہ اُس نے اپنے لیے شکار کیا ہے' اس لحاظ سے ان دونون اصول مین تعارض واقع ہوا تو حدیث مین اس کی توضیح کر دی گئی' چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "اگر وہ سدھارا ہوا جانور خود شکار کو کھا لے تو تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا،

۴- جو لوگ احرام حج باندھین اُن کو عموماً شکار کرنے کی ممانعت کی گئی' اور جو لوگ اس حالت مین قصداً شکار کرین اُن پر کفارہ مقرر کیا گیا، اسی طرح جو لوگ احرام نہ باندھین اُن کے لیے عموماً شکار مباح کیا گیا، اب صرف یہ مسئلہ محل بحث رہ گیا کہ اگر محرم غلطی سے کسی جانور کو مار ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ حدیث مین وجوب کفارہ کے متعلق قصد و خطا دونون کو برابر کر دیا گیا،

اس کی اور بھی بکثرت مثالین ہین جو عنقریب تمھارے سامنے آئین گی،

قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآن مجید مین ایسے متعدد اصول ہین جن سے اشارةً یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز اُن کے مثل ہو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان اصول کا ہے اور اس کے اطلاق سے جو بات سمجھی جاتی ہے' وہ یہ ہے کہ بعض مقیدات بھی اسکے مثل ہین' اس لئے قرآن مجید حدیث کی توضیح پر اعتماد کر کے صرف اُس اصل پر اکتفا کرتا ہے اور اس کی فرعات کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہے،

لیکن معنی کے لحاظ سے وہ عام ہے، ایسی حالت مین اگر ہم کو قران مجید مین کوئی اصل ملے اور حدیث مین بھی کوئی ایسا حکم وارد ہو جو اسی کے ہم معنی ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ قران مجید مین بھی یہی معنی مراد ہین، اب ہم اس کو رسول اللہ صلعم کا قیاس کہین یا وحی سمجھین لیکن یہ صورت ہمارے خیال مین مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے اور اس کی متعدد مثالین ہین، مثلاً،

(۱) خداوند تعالی نے سود کو حرام قرار دیا اور جاہلیت کے سود کا یہ طریقہ تھا کہ ایک قرض دوسرے قرض سے منسوخ ہو جاتا تھا اور قرضخواہ کہتا تھا کہ قرض ادا کرو یا سود دو[1] رسول اللہ صلعم نے بھی اس سود کو حرام کیا اور فرمایا،

وربا الجاھلیۃ موضوع　　　اور جاہلیت کا سود مٹا دیا گیا،

چونکہ اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس طریقہ سے جو زائد رقم سود کی صورت مین لی جاتی تھی اس کا کوئی معاوضہ نہین ادا کیا جاتا تھا اس لیے جن چیزون مین اس

---

[1] اس مثال کی توضیح کیلیئے یہ جان لینا چاہیے کہ جاہلیت مین سود کی دو قسمین تھین، ربا، نسیہ اور ربا فضل پہلی قسم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مال کو اس شرط پر دیتے تھے کہ ہر مہینے مین ایک معین رقم لیتے رہین گے اور اصل مال باقی رہے گا، اس لیے جب مدت ختم ہو جاتی تھی تو مدیون سے اصل مال کا تقاضا کرتے تھے اور اگر وہ اس کو ادا نہین کر سکتا تھا تو سود کے ساتھ مدت ادائے قرض مین اضافہ کر دیتے تھے، اس لیے پہلا قرض مع اپنی مدت و سود کے منسوخ ہو جاتا تھا اور اب اصل رقم مین پہلے مہینے کا سود شامل ہو کر نیا قرض شروع ہو جاتا تھا، اور اس طرح سود کئی گنا زیادہ ہو جاتا تھا خدا نے اسی سود کو حرام قرار دیا،

یا ایھا الذین آمنوا لاتاکلوا الربا اضعافا مضاعفہ　　　مسلمانو! سود کو دوگنا سہ گنا کرکے نہ کھاؤ،

اور اس زمانہ مین بھی سود در سود کا یہ طریقہ جاری ہے،

ربا فضل (اور اسیکا دوسرا نام ربا، نقد بھی ہے) کا طریقہ یہ تھا کہ مثلاً ایک سیر گیہون کو دو سیر گیہون کے بدلے مین فروخت کرتے تھے، قرآن مجید نے اس سے تعرض نہین کیا ہے بلکہ حدیث مین اس کی ممانعت آئی ہے،

قسم کی بلامعاوضہ زیادتی پائی جاتی تھی حدیث نے ان کو بھی اس ممانعت مین شامل کرلیا اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا،

الذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید فمن زاد او ازداد فقد اربی فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید

سونا سونے کے بدلے مین، چاندی چاندی کے بدلے مین، گیہون گیہون کے بدلے مین، جو جو کے بدلے مین، کھجور کھجور کے بدلے مین، نمک نمک کے بدلے مین (اسطرح فروخت کیا جائے) کہ دونون باہم مثل ہون، باہم برابر برابر ہون، ایک ہاتھ سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے، اب اگر ان چیزون مین سے کسی نے بڑھایا یا کوئی شخص بڑھا تو اس نے سود لیا اور سود دیا، لیکن اگر یہ اقسام مختلف ہو جائین (مثلاً جو کے بدلے کھجور لی جائے) تو جس طریقہ سے چاہو (یعنی مع اضافہ و بغیر اضافہ) بیچو بشرطیکہ ایک ہاتھ سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے (یعنی اودھار نہ ہو)

لیکن اگر ان مختلف الاجناس چیزون کی خرید و فروخت بھی اُدھار کی طور پر کیجائے تو رسول اللہ صلعم نے اس کو بھی سود کی قسم مین شمار کیا ہے کیونکہ ان دونون عوضون مین سے ایک عوض کو اودھار پر رکھنا زیادتی کا مقتضی ہے، اس معنی (یعنی زیادتی بغیر عوض) کے لحاظ سے اسی مین وہ بیع سلف[1] بھی داخل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ دو مشابہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب یکسان ہین اس لیے ان دونون کی

---

[1] بیع سلف یا بیع سلم کے معنی یہ ہین کہ کسی شخص کو غلہ پیشگی بطور قیمت کے اس شرط پر دیا جائے کہ اتنی مدت مین اسکے بدلے مین اس کو اُسی کے مثل فلان غلہ اس مقدار مین دینا پڑے گا،

بیع بھی اسی قسم کی ہے جیسے دو متحد الاجناس چیزون کا تبادلہ اس لیے اگر اس مین زیادتی کی جائے تو وہ بلا معاوضہ قرار پائے گی جسکی شریعت مین ممانعت آئی ہے کیونکہ جو دو چیزین ایک دوسرے کے معاوضہ مین دی جاتی ہین اُن مین کسی عوض کیلیئے عادۃً مدت اس لیے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت مین اضافہ کیا جائے کیونکہ ایک موجود چیز غیر موجود چیز کے مقابلہ مین صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ قیمت مین موجودہ چیز سے بہتر ہے اور اسی کا نام زیادتی اور سود ہی، اب صرف یہ بحث ہے کہ سونے چاندی اور اشیائے خوردنی کے علاوہ اور چیزون مین اس قسم کی زیادتی کیون جائز ہے ؟ اگر اس کی وجہ واضح ہوتی تو جس طرح اور بہت سے مسائل اجتہادیہ مجتہدین کی رائے پر چھوڑدیے گئے ہین اسی طرح یہ معاملہ بھی اُن کی رائے پر چھوڑدیا جاتا، لیکن چونکہ اس کی وجہ مجتہدین کو معلوم نہین ہوسکتی تھی، اس لیے حدیث نے اُس کو بیان کردیا،

(۲) خدانے ایک ساتھ ماں بیٹی اور دو بہنون کے نکاح کو حرام کیا، اور اُن کے علاوہ جو عورتین تھین اُن کے متعلق ارشاد ہوا،

واحل لکم ما وراء ذلکم — اور ان کے علاوہ تمھارے لیے اور عورتین حلال ہین،

لیکن رسول اللہ صلعم نے کسی عورت اور اُس کی پھوپھی یا خالہ سے ایک ساتھ قیاساً نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی، کیونکہ جس وجہ سے ماں بیٹی اور دو بہنون سے ایک ساتھ نکاح کرنا ممنوع ہے وہ اس صورت مین بھی موجود ہے اس حدیث مین یہ ٹکڑا بھی مروی ہی،

فانکم اذا فعلتم ذلک قطعتم ارحامکم — اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کیا،

اس تعلیل وتوجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ حکم قیاسی ہے،

(۳) خدانے جان کی دیت تو بیان کردی لیکن اطراف (یعنی اور اعضا، مثلاً

ہاتھ پانون وغیرہ) کی دیت نہین بیان فرمائی لیکن چونکہ عقلاً اس قسم کا قیاس مشکل ہی اس لیے حدیث نے وضاحت کے ساتھ اُن کی دیت کو بیان کردیا گویا یہ وہ قیاس ہے جو نہایت مشکل ہے اور اس کی مثالین بھی آئینگی،

(۴) اس کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اُن متحدہ ومجتمعہ وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن مجید کے متفرق دلائل کو ایک سررشتہ مین منتظم کرسکین، کیونکہ اگرچہ قرآن مجید کے دلائل کے وجوہ مختلف ہوتے ہین لیکن ان سب کو ایک وجہ عام مشتمل ہوتی ہے جو متفرق مصالح کے امر یا استحسان سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے حدیث اسی وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے اس لیے یقینی باطنی طور پر یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ وجہ عام اُن تمام وجوہ مختلفہ سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ دلیل سے صحیح طور پر معلوم ہوگیا ہے کہ حدیث قرآن مجید کی توضیح کے لیے وارد ہوئی ہے،

اس طریقہ سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو کس قسم کا تعلق ہے،

صحابۂ کرام رسول اللہ صلعم سے مجتمعاً اور متفرقاً دونون طریقون سے حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے، مثلاً آپ سے بعض حدیثون کو صحابہ کا ایک بہت بڑا گروہ اخذ کرتا تھا، چنانچہ اکثر عملی حدیثین جن مین زکوٰۃ نماز اور حج کے احکام کی تشریح کی گئی ہی، اسی قسم کی ہین لیکن بعض حدیثون کو صرف دو ایک شخص اخذ کرتے تھے اور چونکہ اُن مین اکثر لوگ ان پڑھ ہوتے تھے اس لیے اس کو لکھتے نہ تھے، بلکہ جو کچھ آپ سے سنتے تھے اس کو حفظ کرلیتے تھے، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ کے اقوال کو قلمبند کرلیا کرتے تھے، امام احمد بن حنبل نے مسند مین حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص روایت کی ہے کہ "مین جو کچھ رسول اللہ صلعم سے سنتا تھا اُس کو لکھ لیا کرتا تھا اور اُس سے میرا مقصد اس کا حفظ کرنا تھا لیکن قریش نے

مجھ کو اس سے روکا اور کہا کہ تم جو کچھ رسول اللہ صلعم سے سنتے ہو اس کو لکھ لیا کرتے ہو حالانکہ آپ انسان ہین اور غصہ اور رضامندی دونون حالتون مین گفتگو کرتے ہین اب مین نے لکھنا چھوڑ دیا، اور رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا، "لکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے مجھ سے حق کے سوا اور کچھ نہین نکلتا"،

الغرض اس دور مین فقہ کا دارومدار دو چیزون پر تھا،

(۱) ایک قرآن مجید جسکی رسول اللہ صلعم نے تبلیغ فرمائی، اور لوگون نے آپ سے سن کر اس کو یاد کیا اور اس کو لکھا، اس مین آیات احکام کی تعداد دو سو سے کچھ زیادہ نہین جن مین اکثر تمھاری نگاہ سے گذرین گی،

(۲) قرآن مجید کی وہ توضیح جو رسول اللہ صلعم نے کی یہی توضیح حدیث کے نام سے مشہور ہے، جسکو صحابہؓ آپ سے بالمشافہ اخذ کرتے تھے اور اس دور مین قرآن مجید کی طرح اس کے لکھنے کا رواج عام نہین ہوا تھا،

قرآن مجید کے تمام احکام کو ان احادیث کی توضیحات کے ساتھ جنکو جمہور امت نے متفقاً روایت کیا ہے، اور جن پر ان کا عمل ہے، ہم عنقریب بہ تفصیل بیان کرین گے، اس وقت صرف قرآن مجید کے بنیادی احکام کو بیان کرتے ہین،

صلوٰۃ

یعنی

نماز

یہ اسلامی لفظ نہین ہے بلکہ اسلام سے پہلے عرب نے دعا، اور استغفار کے معنی مین اس کا استعمال کیا ہے، چنانچہ اعشیٰ کے ان اشعار مین،

وصہباء طاف یہودیہا | وابرزہا وعلیہا ختم
وقابلہا الریح فی دنہا | وصلی علی دنہا وارتسم

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی | نوما فان لجنب المرء مضطجعا

یہ لفظ اسی معنی مین استعمال کیا گیا ہے'

اس لفظ کے اصل اشتقاق کی دو وجہین ہو سکتی ہین'

(۱) ایک تو یہ صلاۃ کے لفظ سے مشتق ہے جسکے معنے لزوم کے ہین' چنانچہ جب کوئی شخص کسی چیز کو لازم کرلیتا ہے تو کہا جاتا ہے صلی واصطلی' ازہری نے اسی وجہ اشتقاق کو پسند کیا ہے کیونکہ صلاۃ خدا کی فرض کردہ چیز کا لزوم ہے' اور صلوٰۃ وہ سب سے بڑا فرض ہے جسکے لزوم کا خدا نے حکم دیا ہے'

(۲) دوسرے یہ کہ وہ صلوین سے مشتق ہے' اور صلوین اُن دو رگون کو کہتے ہین جو اونٹنی وغیرہ کے دم کے جانب اور انسان کے دونون رانون کے پہلے جوڑ کے گرد ہوتی ہین' اس لیے گویا یہ دونون رگین حقیقۃً دُم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہین' اشتقاق کی ایک تیسری وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ لفظ صَلَوات کا معرب ہے جسکے معنی عبری زبان مین "نماز کی جگہ" کے ہین اور قرآن مجید مین یہ لفظ اس معنی مین استعمال کیا گیا ہے' چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے'

ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع و بیع وصلوات ومساجد یذکر | اور اگر خدا باہم ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو ڈھا دیے جاتے درویشون کے خلوت خانے عیسائیون اور یہودیون کے عبادت خانے اور مسجدین جن مین

فیها اسم اللہ کثیرا — خدا کا نام بہت لیا جاتا ہے،

اس لحاظ سے اہل عرب نے اس لفظ کو لیکر دعا، اور استغفار کے معنی مین اس حیثیت سے استعمال کیا ہے، کہ انھون نے محل کا اطلاق حال پر کردیا ہے جو اُن کے یہان مجاز کا مشہور طریقہ ہے،

قرآن مجید مین اس لفظ کا استعمال اس کے عربی معنی مین کیا گیا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وصل علیهم ان صلاتك سكن لهم — اُن کے لیے دعائے خیر کر، بیشک تیری دعائے خیر اُن کے لیے تسکین دہ ہے،

ان الله وملائكته يصلون على النبي — بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہین،

يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما، — مسلمانو تم بھی اس پر درود وسلام بھیجو،

عرب مین بجز اس کے کہ وہ احرام حج مین دعا، کرتے تھے، نماز کا رواج نہ تھا، اُن کی ایک اور نماز کا بھی قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وما كان صلاتهم عند البيت الا مكاء وتصدية — اور نہین ہے نماز ان کی نزدیک کعبہ کے گر سیٹیان اور تالیان بجانا،

اس آیت کی تفسیر کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قریش برہنہ تن خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے، اور سیٹیان اور تالیان بجاتے تھے، مجاہدؒ کا قول ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے طواف مین مزاحمت کرتے تھے، آپ کا مذاق اُڑاتے تھے، سیٹیان بجاتے تھے، اور آپ کے طواف اور نماز مین گڑبڑ ڈالتے تھے، مقاتلؒ کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلعم مسجد مین نماز پڑھتے تھے تو یہ لوگ آپ کے داہین بائین جانب کھڑے ہو کر

سیٹیان اور تالیان بجاتے تھے تاکہ آپ کی نماز مین گڑبڑ ڈال دین، اس بنا پر حضرت ابن عباس رضؓ کے قول کے مطابق سیٹیان اور تالیان بجانا قریش کی ایک قسم کی عبادت تھی، اور مجاہد اور مقاتل کے قول کے موافق یہ رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانی کا ایک طریقہ تھا، لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قول صحت سے قریب تر ہے، کیونکہ خدا خود کہتا ہے کہ

وما کان صلاتھم عند البیت الا مکاء و تصدیۃ (تفسیر کبیر رازی)	اور نہین ہے اُن کی نماز کعبہ کے پاس مگر سیٹیان اور تالیان بجانا،

مفسرین کی روایت ہے کہ خداوند تعالی نے اس آیت مین

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد	اے بنی آدم اپنی زینت کو (یعنی لباس کو) ہر مسجد کے پاس لیلو،

مسلمانون کو مشرکین عرب کے طریقہ سے الگ دوسرا طریقہ سکھایا ہے، کیونکہ وہ لوگ چونکہ اُن کپڑون کو پہن کر جن مین وہ مرتکب گناہ ہوے ہین خداوند تعالی سے مناجات نہین کرنا چاہتے تھے، اس لیے برہنہ تن ہوکر خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے، اور اس سے حضرت ابن عباسؓ کی راے کی تائید ہوتی ہے،

ابتداے فرضیت نماز کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ وہ صبح و شام کی دو رکعتون تک محدود تھی،

وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار	اور اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح شام و صبح پڑھ،

اور عبادت شب صرف تلاوت قرآن کا، جیسا کہ سورۂ مزمل کی ابتدا مین مذکور ہے، نام تھا، باقی پنجگانہ نماز تو ہجرت سے کچھ دنون پہلے فرض کی گئی،

قرآن مجید نے تمام احکام مین نماز سے زیادہ کسی حکم کو مہتم بالشان قرار نہین دیا،

چنانچہ اس کی فرضیت کو مختلف طریقون سے بیان کیا کبھی اس کا صریح حکم دیا، کبھی نماز پڑھنے والے کی مدح اور اُس کے چھوڑنے والے کی ہجو کی، یہان تک کہ ان تمام مواقع کے تتبع و استقرا، سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اسلام کا ستون ہے، اور جس شخص نے اُسکو چھوڑ دیا یا اس سے غفلت کی یا اس کو ریا، پڑھا، اسلام مین اس کا کوئی حصّہ نہین،

قرآن مجید نے نماز اور رکعاتِ نماز کی تعداد صراحۃً بیان نہین کی بلکہ صرف اجمالی طور پر اوقاتِ نماز کا ذکر کر دیا،

فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظہرون	پس پاکی بیان کرو اللہ کی جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جو وقت کہ تم صبح کرتے ہو اور اسی کے لیے ہے سب تعریف آسمانون مین اور زمین مین اور رات کے وقت اور جب ظہر کرتے ہو تم،
اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا	نماز قائم کر وقت ڈھلنے سورج کے اندھیری رات گئے تک، اور قرآن پڑھ فجر کو، بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہے حاضر کیا گیا،
واقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل	اور قائم کرو نماز کو دونون طرف دن کے اور کچھ ساعتین رات سے،
حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ	محافظت کرو تمام نمازون کی اور بیچ والی نماز کی،

اور کیفیتِ نماز کی طرف ان الفاظ مین اشارہ کیا،

وقوموا للہ قانتین	اور خدا کے واسطے چپکے کھڑے ہو،
یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا	مسلمانو! رکوع کرو اور سجدہ کرو،

لیکن حدیث نے اس کیفیت کو عملاً بیان کر دیا کیونکہ رسول اللہ صلعم نماز پنجگانہ کو مسلمانون کے ساتھ باجماعت ادا فرماتے تھے اور آپ نے اُن سے قولاً بھی ارشاد فرما دیا تھا،

صلوا کما رأیتمونی اصلی

جس طرح تم لوگ مجھ کو نماز پڑھتے ہوے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو،

قرآن مجید نے نماز جمعہ کا ذکر خاص اہتمام کے ساتھ کیا ہے

یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع

مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان دیجائے تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور سودا کرنا چھوڑدو،

اور حدیث نے عملاً نماز جمعہ اور اُسکے خطبہ کی توضیح کر دی،

جب مسلمانون کو دشمن کا خوف ہو تو اس وقت اُن کو نماز کا جو طریقہ اختیار کرنا چاہیے اس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا،

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ولیاخذوا اسلحتھم فاذا

اور جب تم سفر کرو تو تم پر قصر نماز کرنے مین کوئی گناہ نہین ہے، اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ کفار تم کو فتنہ مین ڈالینگے بیشک کفار تمھارے کھلے ہوے دشمن ہین، اور جب ہو تم اُن کے درمیان اور تم قائم کرو اُن کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑی ہو اُن مین سے ایک جماعت تمھارے ساتھ، اور چاہیے کہ لے لین یہ لوگ اپنے ہتھیار پس جسوقت یہ لوگ سجدہ کرین تو چاہیے کہ ہو جائین وہ

سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت	پیچھے تمھارے، اور چاہیے کہ دوسری جماعت جس نے
طائفة اخری لم یصلوا فلیصلوا	نماز نہین پڑھی آئے، اور ساتھ تمھارے نماز پڑھے
معك ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم	اور چاہیے کہ یہ لوگ لین اپنے بچاؤ، اور اپنے ہتھیار،

اس کے بعد فرمایا،

فاذا اطمأننتم فاقیموا الصلوة ان الصلوة	پس جب تم آرام پاؤ تو نماز قائم کرو، بیشک نماز مسلمانون
کانت علی المومنین کتابا موقوتا	پر ایک فرض موقت ہے،

نماز پڑھنے کے لیے قرآن مجید نے طہارت کو واجب کیا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلاة	مسلمانو! جب تم نماز کا قصد کرو تو اپنے منہ کو اور اپنے
فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا	ہاتھون کو کہنیون تک دہوؤ، اور سر کا مسح کرو، اور اپنے
برؤسکم وارجلکم الی الکعبین	پانون کو ٹخنون تک دہوؤ،
وان کنتم جنبا فاطھروا	اور اگر تم نجس ہو تو خوب پاک ہو جاؤ،
وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء	اور اگر تم بیمار ہو یا سفر مین ہو یا تم مین کوئی جائے ضرور
احد منکم من الغائط او لامستم النساء	سے آئے یا تم عورتون سے صحبت کرو پھر تم پانی
فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا	نہ پاؤ تو قصد کرو پاک مٹی کا اور پونچھ لو اپنے منہ اور
فامسحوا بوجوھکم وایدیکم	ہاتھون کو،
وثیابك فطھر	اور اپنے کپڑون کو پاک کر،

اور حدیث نے عملاً اور قولاً ان دونون قسم کی طہارتون کو بیان کردیا ہے،

اور قرآن مجید نے نماز کیلیے زینت (یعنی لباس) کو بھی واجب کیا ہے،

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد	اے آدم کے لڑکو! اپنی زینت کو لیلو ہر مسجد کے پاس،

اور حدیث نے اُس زینت کی مقدار کو جو واجب تھی بیان کر دیا ہے،

قرآن مجید نے نماز کے وقت ہر شخص پر مسجد حرام کی طرف رُخ کرنا واجب کیا ہے،

رسول اللہ صلعم ابتدا میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اُس کے بعد قرآن مجید نے مسجد حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا،

فول وجهك شطر المسجد الحرام	تو تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دے، اور تم لوگ
وحيثما كنتم فولوا وجوهكم	جہاں کہیں بھی ہو، اپنے چہروں کو اسی طرف
شطره	پھیرو،

حدیث نے عملاً اور چند نمازیں بتائی ہیں، جن کو اُس نے واجب نہیں کیا ہے، بلکہ نفل قرار دیا ہے، ان میں بعض تو نماز مفروضہ سے پہلے یا اُن کے بعد پڑھی جاتی ہیں، اور بعض اُن کے ساتھ نہیں پڑھی جاتیں، عید اور بقر عید کی نماز بھی اسی دوسری قسم میں داخل ہے،

صوم
یعنی
روزہ

عربی زبان میں صوم کے معنی کسی چیز سے رُک جانے اور اُس کو چھوڑ دینے کے ہیں، اور صوم کے اصطلاحی معنی یعنی کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک جانا اسی سے ماخوذ ہیں،

اسلام سے پہلے بھی عرب میں روزہ کا رواج تھا، چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورا کے دن کا

روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلعم نے بھی روزۂ رمضان کی فرضیت کے زمانہ تک اُس دن کے روزون کا حکم دیا، لیکن جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو آپ نے فرمایا،

من شاء فلیصمہ ومن شاء افطر	جو شخص چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو شخص چاہے نہ رکھے،

ابن اسحاق نے حدیث "بدء الوحی" مین روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم ہر سال ایک مہینے تک غارِ حرا مین اعتکاف کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت مین قریش کی عبادتگذاری کا یہ طریقہ تھا، اس لیے آپ ہر سال اسی مہینے مین اعتکاف کرتے تھے، اور آپ کے پاس جو غریب لوگ آتے تھے اُن کو کھانا کھلاتے تھے" اسی یہ مہینہ رمضان کا مہینہ تھا، جس مین آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا، اس لیے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت مین روزہ رکھتے تھے،

خداوند تعالی نے روزون کے لیے وہی مہینہ انتخاب کیا جسمین آپ ہر سال اعتکاف کرتے تھے، اور اسی مین آپ کو رسالت سے بھی مشرف کیا، چنانچہ سورۂ بقرہ مین فرمایا،

یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودات فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر	مسلمانو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ ان لوگون پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، شاید کہ تم پرہیزگاری کرو، یہ روزے چند گنتی کے دن کے ہین پس تم مین جو بیمار ہو، یا سفر مین ہو تو اس کی گنتی دوسرے دنون سے ہے، اور جو لوگ کہ اس کی طاقت نہین رکھتے اُن کے

وعلى الذين يطيقونه فدية	اور اُس کے بدلے ایک فقیر کا کھانا فرض ہے پس
طعام مسكين فمن تطوع خيرا	جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو وہ اس کے واسطے
فهو خير له وان تصوموا	بہتر ہے اور یہ کہ روزے رکھو تم تو یہ تمھارے لیے بہتر
خير لكم ان كنتم تعلمون شهر	ہے اگر تم جانتے ہو رمضان کا مہینہ وہ جسمین
رمضان الذي انزل فيه القرآن	قرآن لوگون کی ہدایت کیلیے اتارا گیا اور ہدایت کی
هدى للناس وبينت	اور تمیز کی کھلی نشانیان ہیں پس جو تم مین سے حاضر ہو اس
من الهدى والفرقان	مہینے مین تو چاہیے کہ وہ اس مہینے کا روزہ رکھے
فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن	اور جو بیمار ہو یا سفر مین ہو تو اس کی گنتی دوسرے
كان مريضا او على سفر فعدة	دنون سے ہے خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا
من ايام اخر يريد الله بكم اليسر	ہے اور سختی کرنا نہین چاہتا، اور تاکہ تم لوگ پورا کرو
ولا يريد بكم العسر ولتكملوا العدة	گنتی کو اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس چیز پر کہ ہدایت کی
ولتكبروا الله على ما هدىكم ولعلكم تشكرون،	تمھاری اور شاید تم شکر کرو،

ہمارا خیال ہے کہ حدیث نے مسلمانون کو رمضان کی راتون مین عورتون کی مباشرت سے روک دیا تھا، لیکن قرآن مجید نے اس سختی کو کم کر دیا،

احل لكم ليلة الصيام الرفث	تمھارے لیے روزون کی رات مین اپنی بی بیون
الى نسائكم هن لباس لكم	کی طرف رغبت کرنا حلال کیا گیا وہ لباس ہین
وانتم لباس لهن علم الله انكم	تمھارے لیے اور تم لباس ہو اُن کے لیے خدا نے
كنتم تختانون انفسكم فتاب عليكم	جان لیا کہ تم خیانت کرتے تھے پس خدا نے تمپر
وعفا عنكم فالآن باشروهن	رحم کیا اور تم سے درگذر کی پس اب ملا کرو اُن سے اور

وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا	جو کچھ خدا نے تمھارے لیے لکھا ہے اس کو ڈھونڈھو
حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط	اور کھاؤ پیو یہان تک کہ جدا نظر آئے تمھارے لیے سفید
الاسود من الفجر ثم اتموا الصيام	دھاری سیاہ دھاری سے فجر کی پھر پورا کرو روزے
الى الليل ولا تباشروهن وانتم	کو رات تک اور نہ ملو ان سے اس حالت مین کہ
عاكفون فى المساجد	تم مسجدون مین اعتکاف کرنے والے ہو،

رمضان کے علاوہ سال مین اور جو روزے رکھے جاتے ہین ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا،

روزہ سنہ ۲ھ مین فرض کیا گیا،

حج اور عمرہ

تمام مذہبی قومون کے لیے خاص خاص مقامات ہین جہان وہ خدا کی عبادت اور تقرب کے لیے جمع ہوتی ہین خدا خود کہتا ہے،

ولكل امة جعلنا منسكا ليذكروا	اور ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کی طرح مقرر کی
اسم الله على ما رزقهم من	تاکہ وہ خدا کا نام اُس چیز پر یاد کرین جو ہم نے اُنکو
بهيمة الانعام،	پالے ہوے چار پایون سے دی،
ولكل امة جعلنا منسكا هم	اور ہم نے ہر قوم کیلیے عبادت کی طرح مقرر کی کہ وہ عبادت
ناسكوه،	کرتے ہین اُس کی،

اسی طرح بیت الحرام اہل عرب کی خاص عبادت گاہ تھا جسکو اُن کے باپ اسمٰعیل نے

اپنے باپ ابراہیم کے ساتھ تعمیر کیا تھا، چنانچہ خدا خود کہتا ہے (فرماتا)

واذ یرفع ابراھیم القواعد	اور جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم بنیاد کعبہ کی اور اسمٰعیل
من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا	اے ہمارے پروردگار قبول کر ہم سے بیشک تو ہے
انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا	سننے والا جاننے والا، اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار
مسلمین لک ومن ذریتنا اُمۃ	اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنی فرمانبردار
مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب	بنا اور دکھا ہم کو ہماری عبادت کی طرح، اور ہم پر
علینا انک انت التواب الرحیم،	رحم کر، بیشک تو ہے رحم کرنے والا مہربان
ان اول بیت وضع للناس للذی	بیشک پہلا گھر جو لوگوں کیلیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے
ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین فیہ آیٰت	برکت والا اور دنیا کی ہدایت کے واسطے، اس میں
بینٰت مقام ابراھیم ومن دخلہ	کھلی ہوئی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم کا اور جو کوئی
کان آمنا،	داخل ہو اسمیں وہ ہوتا ہے امن میں
واذ بوانا لابراھیم مکان البیت	اور جسوقت جگہ مقرر کردی ہم نے ابراہیم کے لیے خانۂ کعبہ
ان لا تشرک بی شیئا وطھر بیتی	کو اس شرط پر کہ نہ شریک کر میرے ساتھ کسی چیز کو اور
للطائفین والقائمین والرکع السجود	پاک رکھ میرے گھر کو گرد پھرنے والوں اور کھڑے
واذن فی الناس بالحج یاتوک	رہنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے
رجالا وعلی کل ضامر	اور اعلان کردے لوگوں میں حج کا کہ آئیں تیرے
یاتین من کل فج عمیق،	پاس پیادے اور ہر لاغر اونٹ پر جو آئینگی ہر دور راہ سے
لیشھدوا منافع لھم ویذکروا	تاکہ حاضر ہوں اپنے فوائد کے لیے، اور معلوم دنوں میں
اسم اللہ فی ایام معلومٰت علی	خدا کا نام یاد کریں اُس چیز پر کہ دیا ہے ان کو پالتو

رزقهم من بهیمۃ الانعام فکلوا منها — چارپایون سے، پس کھاؤ اس مین سے اور کھلاؤ

واطعموا البائس الفقیر، ثم لیقضوا — بھوکے فقیر کو پھر چاہیے کہ دور کرین اپنے میل

تفثهم ولیوفوا نذورهم ولیطوفوا — اور پوری کرین اپنی نذرین اور پھرین گرد خانہ

بالبیت العتیق، — قدیم کے،

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ سے رسول اللہ صلعم کی بعثت کے زمانے تک اہل عرب اسی طریقہ پر قائم رہے البتہ اُنھون نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی روش مین بہت کچھ تغیرات کر دیے تھے مثلاً اُنھون نے بتون کو خدا کا شریک بنا دیا تھا، اور ان کو خانہ کعبہ کی پشت، خانہ کعبہ کے متصل اور صفا و مروہ مین نصب کر دیا تھا، اور اُن کو تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا تھا، اور شعائر ابراہیم کو بدل دیا تھا اور پالو جانورون پر غیر خدا کا نام لیتے تھے، لیکن چونکہ بعثت محمدیہ شریعت ابراہیمی کی مجدد تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف مسلم تھے، مشرک نہ تھے اس لیے خدا نے بیت الحرام کو اس امت کی عبادت گاہ قرار دیا، اور اس کے حج و عمرہ کا حکم دیا،

وللّٰه علی الناس حج البیت من استطاع — خدا کیلیے لوگون پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے یعنی ان پر

الیہ سبیلا ومن کفر — جو لوگ وہان تک جانے کی مقدرت رکھین، اور جو

فان اللّٰہ غنی عن العالمین — شخص انکار کرے تو خدا دنیا والون سے بے نیاز ہے،

واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ — اور خدا کیلیے حج اور عمرہ کو پورا کرو،

اور توحید کو بتون کی آمیزش سے پاک کرنے اور اہل جاہلیت کی روش کے چھوڑنے کا حکم دیا،

فاجتنبوا الرجس من الاوثان	پس بچتے رہو بتون کی ناپاکی سے اور بچتے رہو جھوٹ
واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ	بولنے سے توحید کرنے والے اللہ کی نہ شریک کرنیوالے
غیر مشرکین بہ ومن یشرک	ساتھ اس کے، اور جو کوئی شریک کرے ساتھ اللہ کے
باللہ فکانما خر من السماء	پس وہ گویا گر پڑا آسمان سے پس اوچک لیجاتی
فتخطفہ الطیر او تہوی بہ الریح	ہین اس کو چڑیان یا پھینک دیتی ہے اُس کو
فی مکان سحیق۔	ہوا دور کے مکان مین

اور وقتِ حج اور آدابِ حج کو اس آیت مین بیان فرمایا،

الحج اشہر معلومات فمن فرض	حج کے مہینے معلوم ہین تو جس شخص نے ان مہینون
فیہن الحج فلا رفث ولا فسوق	مین حج کی ٹھان لی تو نہ شہوت ہے نہ بدکاری
ولا جدال فی الحج	ہے نہ جھگڑا ہے حج مین

اور حج کے مناسک اور مشاعر کو ان آیتون مین بیان کیا،

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ	بیشک صفا اور مروہ خدا کی نشانیون مین سے ہین تو
فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح	جو کوئی حج کرے خانۂ کعبہ کا یا عمرہ کرے پس نہین ہے
علیہ ان یطوف بہما ومن تطوع	اس پر گناہ کہ طواف کرے ان دونون کے درمیان اور
خیرا فان اللہ شاکر	جو کوئی خوشی سے بھلائی کرے تو خدا قدردان ہے
علیم	جاننے والا،
فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ	پس جب تم واپس آؤ عرفات سے تو یاد کرو خدا کو مسجد
عند المشعر الحرام واذکروہ	حرام کے پاس اور یاد کرو اس کو جیسا کہ ہدایت کی تم کو
کما ہدیکم وان کنتم من قبلہ	اور یہ کہ تم تھے اُس سے پہلے گمراہون مین سے البتہ

من الضالين ثم افيضوا من حيث	جہان سے پھرتے ہین لوگ اور طلب مغفرت کرو خدا
افاض الناس واستغفروا الله	سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، پس جب تم
ان الله غفور رحيم فاذا قضيتم مناسككم	اپنی عبادتین کر چکو تو یاد کرو خدا کو اپنے باپون کے
فاذكروا الله كذكركم آباءكم او اشد ذكرا،	یاد کرنے کی طرح، یا اس سے زیادہ یاد کرنا،
واذكروا الله في ايام معدودات	اور یاد کرو اللہ کو گنے ہوے دنون مین پس جو کوئی
فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه	جلدی کرے دو دنون مین تو نہین ہے گناہ اس پر،
ومن تاخر فلا اثم عليه	اور جو کوئی دیر کرے تو نہین ہے گناہ اسپر یہ واسطے
لمن اتقى،	اُس شخص کے ہے جو پرہیزگاری کرے،
ذلك ومن يعظم شعائر الله فانها	یہ ہے اور جو کوئی تعظیم کرے خدا کی نشانیون کی تو وہ
من تقوى القلوب، لكم فيها	بیشک دلون کی پرہیزگاری سے ہے، تمھارے لیے اُنمین
منافع الى اجل مسمى ثم محلها الى	فوائد ہین ایک مقررہ مدت تک پھر اُن کے حلال ہونے
البيت العتيق،	کی جگہ خانۂ کعبہ کی طرف ہے،
والبدن جعلناها لكم	اور قربانی کے اونٹ کو بنایا ہم نے تمھارے لیے خدا
من شعائر الله لكم فيها خير	کی نشانیان، تمھارے لیے اس مین نیکی ہے، پس یاد کرو
فاذكروا اسم الله عليها	خدا کا نام اُن کے اوپر اس حال مین کہ وہ پانون باندھے
صواف فاذا وجبت جنوبها	ہوے ہون پس جسوقت گر پڑین پہلوان کے تو کھاؤ
فكلوا منها واطعموا القانع	اس مین سے اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنے
والمعتر،	والون کو،
يا ايها الذين آمنوا لا تحلوا	مسلمانو! نہ بے حرمت کرو خدا کی نشانیون کو اور نہ

شعائر الله ولا الشهر الحرام	حرام نہینے کو اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو،
ولا الهدی ولا القلائد ولا	اور نہ گلے مین پٹہ ڈال کر لیجائین، اور نہ حرمت والے
آمین البیت الحرام یبتغون	گھر کے قصد کرنے والون کو کہ چاہتے ہین اپنے پروردگار
فضلا من ربهم ورضوانا	کے فضل اور رضا مندی کو،

اور نظام احصار و تمتع کے متعلق فرمایا،

فان احصرتم فما استیسر من الهدی	پس اگر تم روک دیے جاؤ تو جو کچھ میسر ہو قربانی سے، اور نہ
ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی	منڈاؤ اپنے سرون کو یہان تک کہ پہنچے قربانی حلال
محله فمن کان منکم مریضا او به	ہونے کی جگہ، پس تم مین جو بیمار رہو یا اس کے
اذی من راسه ففدیة من صیام	سر مین تکلیف ہو تو بدلا ہے روزون سے یا خیرات سے
او صدقة او نسك فاذا امنتم	یا ذبح سے پس جب تم امن مین ہو تو جو کوئی فائدہ
فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر	اٹھائے عمرہ سے ساتھ حج کے تو جو کچھ میسر ہو قربانی
من الهدی فمن لم یجد فصیام	سے تو جو کوئی نہ پائے تو تین دن کا روزہ حج مین
ثلاثة ایام فی الحج وسبعة اذا	اور سات روزے اس وقت جب پھرو تم، یہ دس
رجعتم تلك عشرة کاملة ذلك لمن لم	پورے ہوئے یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ نہون
یکن اهله حاضری المسجد الحرام،	اس کے اہل رہنے والے مسجد حرام کے.

خداوند تعالی نے مکہ کو حرم اور جائے امن بنایا،

اولم یروا انا جعلنا حرما	کیا کفار مکہ نے اس بات پر نظر نہین کی کہ ہم نے
آمنا ویتخطف الناس من	حرم (مکہ) کو امن کی جگہ بنا رکھا ہے اور لوگ (یہان کہ)
حولهم،	اُن کے آس پاس سے پکڑے چلے جا رہے ہین،

اولم نمكن لهم حرما آمنا — کیا ہم نے اُن کو حرم (مکہ) مین جہان (ہر طرح کا) امن
يجبى اليه ثمرات كل شئ رزقا — (و اطمینان) ہو جگہ نہین دی کہ ہر قسم کے پھل یہان
من لدنا — کھچے چلے آتے ہین رزق (اُن کو) ہمارے یہان سے
(پہونچتا ہے)

اور احرام باندھنے والے پر شکار کو حرام کیا اور اُس پر کفارہ مقرر فرمایا،

يا ايها الذين آمنوا لا تقتلوا — مسلمانو! جب تم احرام کی حالت مین ہو تو شکار نہ کرو
الصيد وانتم حرم ومن قتله — اور جو کوئی تم مین سے جان بوجھ کر شکار کریگا تو جیسے
منكم متعمدا فجزاء مثل ما — جانور کو مارا ہے اس کے بدلے چارپایون مین سے
قتل من النعم يحكم به ذوا عدل — اسی سے ملتا ہوا (جانور) جو تم مین کے دو منصف
منكم هديا بالغ الكعبة — ٹھہرا دین (اس کو) دینا پڑیگا اور یہ (نیاز) کعبے
او كفارة طعام مساكين او — پہونچائی جائے یا کفارہ (یعنی ان کی قیمت مین جتنے)
عدل ذلك صياما — محتاجون (کی گنجائش ہو اُن) کا کھانا یا مسکینون کے
گننے کے برابر روزے

حج ۶ھ مین فرض ہوا اور رسول اللہ صلعم اُسی سال عمرہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن آپ کو خانۂ کعبہ تک جانے سے روک دیا گیا اس لیے آپ نے اسی عمرہ کو ۷ھ مین ادا فرمایا، اس کے بعد ۹ھ مین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگون کے ساتھ حج کیا، اور ۱۰ھ مین خود رسول اللہ صلعم نے تمام مسلمانون کے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا اور اُسی مین لوگون کیلیے حج کی کیفیت بیان فرمائی، اور ان سے کہا،

خذوا عني مناسككم — مجھ سے اپنے ارکان سیکھو،

اور نظام حج میں مسلمانوں کیلیے متعدد فوائد ہیں۔

(۱) مکہ چونکہ ایک غیر مزروعہ سرزمین ہے اس لیے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ذریعہ سے حج کا پہلا فائدہ تو خاص اہل مکہ کو پہنچتا ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد	اے میرے پروردگار! میں نے آباد کیا اپنی بعض اولاد
غیر ذی زرع عند بیتک المحرم	کو بن کھیتی والے میدان میں تیرے باحرمت گھر کے
ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل لی افئدۃ	نزدیک اے میرے پروردگار! تاکہ قائم کریں وہ نماز کو
من الناس تهوی الیهم وارزقهم	پس لوگوں کے دلوں کو مائل کر ان کی طرف اور
من الثمرات لعلهم یشکرون	اُن کو میووں سے رزق دے تاکہ وہ شکر کریں۔

(۲) چونکہ بہت سے حاجی زمانہ حج میں اپنے تجارتی سامان ساتھ لاتے ہیں جنکو اہل ضرورت خریدتے ہیں، اور چونکہ ان میں ہر شخص شہر حرام اور بلد حرام میں ہوتا ہے اس لیے اُس کی جان و مال بالکل محفوظ ہوتی ہے اس بنا پر تجارتی گرم بازاری اور ضروریات زندگی کی خرید و فروخت کے ذریعہ سے حج کا دوسرا فائدہ تمام عرب کو پہنچتا ہے خدا نے اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے،

لیشهدوا منافع لهم،	تاکہ وہ لوگ اپنے فوائد کو حاصل کریں،

(۳) مسلمانوں کے عام اجتماع، باہمی تعارف، اتحاد طریقۂ عبادت، اور اتحاد قبلہ کے ذریعہ سے حج کا تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے یہی وجہ ہے کہ مکہ اہل مشرق اور اہل مغرب دونوں کا عام اجتماع گاہ تھا، دور دراز راستوں سے لوگ وہاں آتے تھے، اور ہر انسان اپنی علمی دینی اور دنیوی ضرورت کو پورا کرتا تھا، چونکہ حج اکبر کا دن اس عام اتحاد

کی ایک یادگار ہے، اس لیے اگر وہ تمام مسلمانون کی عید کا عام دن قرار پائے تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین، جس طرح عید الفطر نزول قرآن کی یادگار ہے، اسیطرح حج اکبر کا دن ختم نزول قرآن کی یادگار ہے، کیونکہ رمضان مین نزول قرآن کی ابتدا ہوئی، اور حج اکبر کے دن اس کا خاتمہ ہوا،

زکوٰۃ

لغت مین زکوٰۃ کے اصلی معنی طہارت، نشو ونما، برکت اور مدح کے ہین، اور قرآن وحدیث مین یہ تمام معنی مستعمل ہین، مال کی اس مقدار مین جسکو ایک دولت مند شخص صدقۃً دیتا ہے، اس لفظ کا استعمال اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ اُس کے مال کا تزکیہ کرتا ہے، یعنی اس کو پاک کرتا ہے اور اس کو بڑھاتا ہے، قرآن مجید نے اس لفظ کی طرح اسی معنی مین صدقہ کا استعمال بھی کیا ہے،

نماز کی طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ کا ذکر بھی نہایت اہتمام کے ساتھ کیا ہے، چنانچہ بسا اوقات ان دونون کا ذکر ساتھ ساتھ کیا جاتا ہے، اور بعض اوقات تنہا اس کا ذکر کبھی لفظ زکوٰۃ کبھی لفظ صدقہ کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے،

وویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکاۃ	اور افسوس ہے ان مشرکین پر جو زکوٰۃ نہین دیتے،
خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا،	ان کے مالون سے زکوٰۃ لے کہ تو ان کو اس کے ذریعہ سے پاک کرے اور اُن کا تزکیہ کرے،
کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ	اس کے پھل کو کھاؤ جب وہ پھل لائے، اور اس کے کاٹنے کے وقت اس کا حق دو،
وما آتیتم من ربا لیربوا فی	اور جو کچھ دیتے ہو تم سود کو کہ وہ بڑھے لوگون کے

اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما آتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون

باتوں میں تو نہیں بڑھتا وہ خدا کے نزدیک اور جو کچھ دیتے ہو تم زکوٰۃ سے کہ چاہتے ہو تم رضامندی اللہ کی تو یہ لوگ ہیں دوگنا کرنے والے،

قرآن مجید نے اس مال کی تفصیل نہیں کی جس میں زکوٰۃ واجب ہے، اور زکوٰۃ کی مفروضہ تعداد بھی نہیں بتائی، البتہ رسول اللہ صلعم نے عاملین صدقہ کے نام جو خط لکھا ہے اس میں اس کی توضیح فرمادی ہے،

صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید نے مستحقین زکوٰۃ کی تعیین کردی ہے،

انما الصدقٰت للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم

صدقہ صرف فقیروں، محتاجوں، محصلین زکوٰۃ اور مؤلفۃ القلوب لوگوں کے لیے ہے، اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور قرضداروں میں اور خدا کی راہ میں، اور مسافروں کو یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے،

نظام زکوٰۃ ایک عظیم الشان نظام ہے، جو

(۱) دولت مند لوگوں کو محتاجوں کے بغض وعداوت سے محفوظ رکھتا ہے،

(۲) جو لوگ اپنی قوت سے اپنی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتے، ان کی کفالت کے ذریعہ سے متعدد مصائب کو دور کرتا ہے،

(۳) تمام قوم کے مجموعی مصالح بالخصوص اُس مصلحت کے متعلق جس کو خدا نے لفظ "سبیل اللہ" سے بیان فرمایا ہے، متعدد نیکیوں کے کرنے میں معین ہوتا ہے، بشرطیکہ قوم میں اُن مصالح کے انجام دینے والے موجود ہوں،

زراعت اور مویشیون کے ذریعہ سے جو پیداوار ہوتی تھی اہل عرب نے اس کے متعلق ایک نظام قائم کرلیا تھا، اور انھون نے اس کا ایک حصہ خدا کے لیے اور ایک حصہ بتون کے لیے مقرر کردیا تھا، چنانچہ جہان اُن چیزون کا بیان آئے گا جنکو اہل عرب نے حلال یا حرام کرلیا تھا وہان اس کی تفصیل آئے گی،

قرآن مجید نے بعض اور چیزون کو بھی عبادات کے سلسلہ مین داخل کرلیا ہے

(۱) ایک تو نظام قسم، جس کی نسبت خداوند تعالی نے سورہ بقرہ مین فرمایا ہے

ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم	اور نہ بناؤ خدا کو اپنی قسمون کا نشانہ یہ کہ بھلائی کرو،
ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس	پرہیزگاری کرو اور لوگون کے درمیان صلح کراؤ اور
والله سميع عليم لا يواخذكم الله	خدا سننے والا، جاننے والا ہے تمھاری لایعنی قسمون
باللغو في ايمانكم ولكن يواخذكم	پر خدا تم سے کچھ مواخذہ نہین کرتا، لیکن ان قسمون
بما كسبت قلوبكم والله غفور	پر تم سے مواخذہ کریگا جو تمھارے دلی ارادہ سے
رحيم،	ہون اور خدا بخشنے والا بردبار ہے

اور سورہ مائدہ مین فرمایا

لا يواخذكم الله باللغو في	تمھاری قسمون مین جو لایعنی ہین اُن پر خدا تم سے
ايمانكم ولكن يواخذكم بما عقدتم الايمان	مواخذہ نہین کرتا، ہان وہ پکی قسمون پر تم سے
فكفارته اطعام عشرة مسكين	مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینون کو متوسط
من اوسط ما تطعمون اهليكم او	درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا کہ تم اپنے اہل وعیال
كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم	کو کھلایا کرتے ہو یا ان کو کپڑے پہنا دینا یا ایک غلام
يجد فصيام ثلثة ايام ذلك كفارة	آزاد کردینا، تو جو شخص غلام نہ پائے تو تین دن کے

ایمانکم اذا حلفتم واحفظوا ایمانکم | روزے، یہ تمھاری قسمون کا کفارہ ہی جب تم قسم کھاؤ
کذالک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم | اور اپنے قسمون کی احتیاط رکھو اسی طرح خدا اپنی آیات
تشکرون، | تم سے بیان کرتا ہی تاکہ تم اُسکی شکر گذاری کرو،

اور سورۂ تحریم مین فرمایا،

قد فرض اللہ لکم تحلۃ | تمھارے لیے خدا نے تمھاری قسمون کے توڑ ڈالنیکا
ایمانکم، | ٹھراؤ کر دیا ہے،

اور حدیث نے یہ بیان کر دیا ہے کہ قسم صرف خدا کی کھائی جا سکتی ہے،

(۲) دوسرے کھانے کی حلال و حرام چیزین چنانچہ قرآن مجید نے ان کی پوری تفصیل بیان کی ہے اور خداوند تعالی نے سورۂ اعراف مین رسول اللہ صلعم کا یہ وصف بیان فرمایا ہے،

صلی اللہ علیہ وسلم

ویحل لھم الطیبات ویحرم | وہ اُن کے لیے پاک چیزون کو حلال کرتا ہے اور
علیھم الخبائث، | ناپاک چیزون کو ان پر حرام کرتا ہے،

اور سورۂ نحل مین فرمایا،

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالا | تو خدا نے تم کو جو حلال طیب روزی دی ہی اُسکو کھاؤ
طیبا واشکروا نعمۃ اللہ | اور اگر تم صرف خدا ہی کو پوجتے ہو تو اس کی نعمت کا
ان کنتم ایاہ تعبدون | شکر کرو، اُس نے تو تم پر صرف مردار کو، اور خون کو
انما حرم علیکم المیتۃ | اور سور کے گوشت کو، اور اس جانور کو جو خدا کے سوا
والدم ولحم الخنزیر وما | اور کسی کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کیا ہے، پھر جو
اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر | شخص (بھوک) سے بے قرار ہو، اس حالت مین

غير باغ ولا عاد فان الله
غفور رحيم

کہ نہ سرتابی کرنے والا ہو (حکم خدا سے) اور نہ تجاوز
کرنیوالا ہو (حد ضرورت سے) اور مجبور ہوکر کوئی حرام
چیز کھالے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہی

اور سورۂ انعام مین فرمایا

قل لا اجد فيما اوحي
الي محرما على طاعم
يطعمه الا ان يكون ميتة
او دما مسفوحا او لحم
خنزير فانه رجس او فسقا
اهل لغير الله به فمن
اضطر غير باغ ولا عاد
فان ربك غفور رحيم

اے پیغمبر کہو کہ کوئی کھانے والا ان چیزون مین سے
جنکو تم حرام کہتے ہو، کچھ کھالے تو میری طرف جو وحی
آئی ہی اس مین تو مین اوس پر کوئی چیز حرام نہین
پاتا، مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت
کہ یہ چیزین بے شبہ ناپاک ہین یا وہ جانور ہو جو سبب
نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح اور
نامزد کیا گیا ہو تو جو شخص بھوک سے بے قرار ہو، اس
حالت مین کہ خدا کی نافرمانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور نہ
حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو، تو تیرا پروردگار
بخشنے والا مہربان ہی

اور سورہ بقرہ مین فرمایا

يا ايها الذين آمنوا كلوا من
طيبات ما رزقناكم
واشكروا لله ان كنتم اياه
تعبدون انما حرم

مسلمانو! ہمارے پاک رزق سے کھاؤ، اور اگر تم صرف
خدا ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکریہ ادا
کرو، تم پر تو خدا نے صرف مردار کو اور خون کو
اور سور کے گوشت کو اور اوس جانور کو جو خدا کے

عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم

علاوہ اور کسی کے نام پر (ذبح) اور نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہی، تو جو شخص بھوک سے بیقرار ہو اور خدا کی نافرمانی کرنے والا اور حد ضرورت سے تجاوز کرنیوالا نہ ہو تو اُن چیزون کے کھا لینے مین بھی اُسپر کوئی گناہ نہین ہی، بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہی،

اور سورۂ مائدہ مین فرمایا،

حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع الا ما ذكيتم وما ذبح على النصب،

مرا ہوا (جانور) اور لہو اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر نامزد کیا گیا ہو اور وہ جانور جو گلا گھوٹنے سے مر گیا ہو اور چوٹ سے مرا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو، اور جو (کسی جانور) کا سینگ لگ کر مرا ہو، یہ سب چیزین تم پر حرام کیگئین، اور نیز (وہ جانور) جسکو درندون نے پھاڑ کھایا ہو، مگر جسکے مرنے سے پہلے تم نے اس کو حلال کر دیا ہو اور نیز (وہ جانور) جو بتون پر ذبح کیے گئے ہون،

اور نیز اسی سورہ مین فرمایا،

يسئلونك ماذا احل لهم قل احل لكم الطيبات وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا

اے پیغمبر لوگ تجھ سے پوچھتے ہین کہ کون کون سی چیز اُن کے لیے حلال کی گئی ہے، تو اُن سے کہدے کہ کھانے کی تمام پاک چیزین تمھارے لیے حلال کیگئین، اور شکاری جانور جو تم نے شکار

مما امسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه واتقوا الله ان الله سريع الحساب اليوم احل لكم الطيبات وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم

سدھا رکھے ہوں اور شکار کا طریقہ جیسا کہ تم کو خدا نے سکھا رکھا ہے ویسا ہی تم نے ان کو سکھایا ہو تو وہ شکاری جانور جو شکار تمھارے لیے پکڑ رکھیں اُن کو کھا لو، اور جس طرح ذبح کرتے وقت خدا کا نام لیا کرتے ہو اسی طرح شکاری جانور کے چھوڑتے وقت خدا کا نام لے لیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خدا جلد حساب لینے والا ہے آج تمام پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے،

اور فرمایا،

احل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة

دریائی شکار اور کھانے کی دریائی چیزیں تمھارے لیے حلال کر دی گئیں تاکہ تم کو اور دوسرے مسافروں کو فائدہ پہونچے،

فكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم بآياته مومنين وما لكم الا تاكلوا مما ذكر اسم الله عليه وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا

پس اگر تم خدا کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس (ذبیحہ) پر اس کا نام لیا گیا ہو اسی میں سے کھاؤ اور آخر جس (ذبیحہ) پر خدا کا نام لیا گیا ہو اس میں سے تم کیوں نہیں کھاتے حالانکہ خدا نے جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں ان کی تفصیل کر دی ہے بجز اس چیز کے

ما اضطررتم اليه	جس کے کھانے پر تم مجبور رہو،
ولا تاکلوا مما لم يذکر اسم الله	اور جس (ذبیحے) پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے
عليه وانه لفسق	نہ کھاؤ، اور بیشک اسمین سے کھانا نافرمانی کی بات ہے،

اور پینے کی چیزون مین سے شراب کو حرام کیا،

اور مشرکین نے کھانے کی جن چیزون کو اپنے بتون کے لیے مخصوص کر کے حرام کر لیا تھا اُس پر اعتراض کیا،

وجعلوا لله مما ذرا من الحرث	اور کافرون نے خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور خدا کے
والانعام نصيبا فقالوا هذا	پیدا کیے ہوے چوپایون مین سے اسد کا بھی ایک
لله بزعمهم وهذا لشرکائنا	حصہ ٹھہرایا اور اپنے خیال کے مطابق کہا کہ یہ حصہ
فما کان لشرکائهم فلا يصل	خدا کا اور یہ حصہ ہمارے شرکا، کا ہے پھر ان کا برتاؤ
الى الله وما کان لله فهو يصل	یہ ہوتا ہے، کہ جو حصہ ان کے شرکا، کا ہوتا ہے وہ تو خدا
الى شرکائهم ساء ما	تک نہین پہونچتا اور جو حصہ خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے
يحکمون،	شرکا، تک پہونچ جاتا ہے کیا ہی برا فیصلہ ہے جو
	یہ لوگ کرتے ہین،
وقالوا هذه انعام	اور ان لوگون نے کہا کہ فلان چارپائے اور فلان
وحرث حجر لا يطعمها	کھیتی ممنوع ہین کہ ان کو اس شخص کے سوا جسکو ہم
الا من نشاء بزعمهم وانعام	اپنے خیال کے مطابق چاہین دوسرا نہین کھا سکتا،
حرمت ظهورها وانعام	اور کچھ چارپائے ایسے ہین کہ ان کی پیٹھ (پر سوار ہونا
لا يذکرون اسم الله عليها	یا لادنا) ممنوع ہے، اور کچھ چارپاے ایسے ہین (جنکے

افتراء علیه سیجزیهم بما کانوا یفترون وقالوا ما فی بطون هذه الانعام خالصة لذکورنا ومحرم علی ازواجنا وان یکن میتة فهم فیه شرکاء سیجزیهم وصفهم انه حکیم علیم قد خسر الذین قتلوا اولادهم سفها بغیر علم وحرموا ما رزقهم الله افتراء علی الله قد ضلوا وما کانوا مهتدین،

ذبح کرنے کے وقت) وہ اُن پر خدا کا نام نہین لیتے تو خدا پر (یہ اُن کی) افتراپردازیان ہین تو جیسی جیسی افتراپردازیان یہ لوگ کرتے ہین عنقریب خدا اُن کو اُنکی سزا دیگا اور انھون نے (یہ بھی) کہا (کہ ہم نے بتون کے نام کے جو چارپاے چھوڑ رکھے ہین ان چارپایون کے پیٹ مین (سے) (جو بچہ نکلے اور اس مین جان ہو) وہ صرف ہمارے مردون کیلیے ہے اور ہماری عورتون کو (اس کا کھانا حرام ہے اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو مرد و عورت (سب) اُس (کھانے مین) شریک ہین تو خدا عنقریب اُن کی باتون کی اُن کو سزا دیگا، بیشک وہ حکمت والا باخبر ہے بیشک وہ لوگ گھاٹے مین ہین جنھون نے بدعقلی سے براہ نادانی اپنے بچون کو مار ڈالا اور خدا نے جو روزی ان کو دی تھی خدا پر جھوٹ جھوٹ بہتان باندھ کر اس کو حرام کر لیا بلاشبہ یہ لوگ گمراہ ہوے اور سیدھے راستے پر آنے والے تھے بھی نہین،

اس کے بعد فرمایا

ومن الانعام حمولة وفرشا کلوا مما رزقکم الله ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه

اور خدا نے چارپایون مین سے (بعض بلند قامت) بوجھ اُٹھانے والے (مثلاً اونٹ) اور (بعض) زمین سے لگے ہوے (جو نہین لادے جاتے مثلاً بھیڑ بکری)

لکم عدو مبین ثمانیة
ازواج من الضان اثنین
ومن المعز اثنین قل ءالذکرین
حرم ام الانثیین اما
اشتملت علیه ارحام الانثیین
نبئونی بعلم ان کنتم
صدقین ومن الابل
اثنین ومن البقر اثنین
قل ءالذکرین حرم
ام الانثیین اما اشتملت علیه
ارحام الانثیین،

چارپاے پیدا کیے خدانے تم کو جو روزی دی ہو اسمین
سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو کیونکہ وہ تمھارا
کھلا ہوا دشمن ہے خدانے (چارپاے نر و مادہ) آٹھ قسم
کے پیدا کیے ہین بھیڑون مین سے (نر و مادہ) دو اور
اور بکریون مین سے (نر و مادہ) دو اے پیغمبر کہو کہ
خدانے (بھیڑ بکری کے) دو نرون کو حرام کیا ہے
یا دو مادینون کو یا اس (بچہ) کو جسکو ان دو مادینون
کے پیٹ اپنے اندر لیے ہوئے ہین مجھکو علم کے
ساتھ خبر دو اگر تم سچے ہو اور اونٹون مین سے (نر و مادہ)
دو اور گاے مین سے (نر و مادہ) دو اب اے پیغمبر
ان سے پوچھو کہ (خدانے اونٹ گاے) کے دو
نرون کو حرام کردیا ہے یا دو مادینون کو یا اس (بچہ) کو
جسکو دو مادینون کے پیٹ اپنے اندر لیے ہوے ہین

اورسورہ مائدہ مین فرمایا،

ما جعل اللہ من بحیرة
ولا سائبة ولا وصیلة
ولا حام ولکن الذین کفروا
یفترون علی اللہ الکذب
واکثرھم لا یعقلون،

نہ بحیرہ (وہ اونٹنی جو بتون کے نام پر کان پھاڑ کر
چھوڑ دی جاتی تھی) اور نہ سائبہ (یعنی سانڈ جن سے
کوئی کام نہ لیا جائے) اور نہ وصیلہ (وہ اونٹنی جس کے
پہلونٹی کے اوپر تلے کے دو بچے مادہ ہون اس کو
متبرک سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے) اور نہ حام (شتر نر

جس کی نسل سے کئی بچے ہو گئے اور آخر عمر مین اس کو
خدمت سے معاف کر دیا، ان مین سے، کوئی چیز
خدا نے نہین ٹھہرائی، بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ جھوٹ
بہتان باندھتے ہین اور ان مین کے اکثر عقل نہین رکھتے،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مشرکین عرب کے یہان کھیتیون اور مویشیون کی پیداوار کے متعلق ایک نظام موجود تھا، جسکا ایک حصّہ اُنھون نے خدا کیلیے مقرر کیا تھا، اور وہ فقرا، ومساکین پر صرف کیا جاتا تھا، دوسرا حصّہ بتون کیلیے مقرر تھا جو متولیان بت خانہ پر صرف کیا جاتا تھا، لیکن وہ لوگ بتون کے مقررہ حصے کی نگرانی نہایت اہتمام کے ساتھ کرتے تھے اس لیے اس کا کوئی جزو دوسرے کو نہین مل سکتا تھا، لیکن خدا کے مقررہ حصّے کی یہ حالت نہ تھی بلکہ اس کے بعض اجزار سے متولیان بت خانہ بھی فائدہ اُٹھاتے تھے،

دوسری آیت مین خداوند تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جو چوپائے، اور جو کھیتیان غیر خدا کے نام پر مقرر کی گئی ہین، اُن کی تین قسمین ہین،

(۱) ممنوع جسکو اس شخص کے سوا کوئی نہین کھا سکتا جسکو وہ چاہین،

(۲) وہ چوپائے جن کی پیٹھ حرام کر دی گئی ہے (یعنی اُن پر نہ لادا جا سکتا نہ ان پر سواری کیجا سکتی)،

(۳) وہ چوپائے جنکو وہ خدا کا نام لیکر ذبح نہین کرتے،

اور سورہ مائدہ مین بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کا جو ذکر کیا گیا ہے اُن سے بعینہ یہی تینون قسمین مراد ہین،

اس کے بعد تیسری آیت مین خداوند تعالیٰ نے اس مقررہ نظام کو بیان فرمایا جو اُنھون نے اُن چوپایون کی پیداوار یعنی اُن بچون کے متعلق جو اُن کے پیٹون مین ہوتے تھے قائم کرلیا تھا اور اس کی بناپر اُنھون نے ان کو صرف اپنے مردون کے لیے مخصوص کرلیا تھا، وہی ان کا دودھ پیتے تھے، اور وہی اُن سے فائدہ اُٹھاتے تھے، عورتون کیلئے اُنھون نے ان کو بالکل حرام قرار دیا تھا، ان کا اُس مین کوئی حصّہ نہ تھا، لیکن جب وہ مرجاتا تھا تو سب کے سب اس کے کھانے مین شریک ہوجاتے تھے، اور اُن تصرفات پر جن کو اُنھون نے خود اختراع کرلیا تھا اور جھوٹ موٹھ ان کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے، اس طرح سرزنش کی،

ام کنتم شھداء اذ وصاکم اللہ بھذا — کیا جب خدانے تم کو ان چیزون کا حکم دیا تھا تم موجود تھے،

اور خدا کی اس بیان کردہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جو صدقات اہل حاجت کیلئے نکالتے تھے اُس کا اُنھون نے ایک نظام قائم کرلیا تھا، البتہ اس نظام مین ایسی چیزون کی آمیزش ہوگئی تھی جنھون نے اس کو بدنما بنادیا تھا، یعنی شرک کی آمیزش، اور بعض چوپایون کا حرام اور بعض کا حلال کرلینا، اس بناپر قرآن مجید نے اس پورے نظام کو لغو قرار دیا، اور زکوٰۃ کا مستقل نظام قائم کیا جس کی بنیاد اس طرح قائم کی،

وآتو احقہ یوم حصادہ — اور اس کے حق کو اُس کے کاٹنے کے دن دو،

اور تمام چوپایون کو حلال قرار دیا، صرف چند چیزین حرام کین جن کے متعلق اس کے بعد ہی تصریح کردی،

قل لا اجد فیما اوحی
الی محرما علی طاعم
یطعمہ الا ان یکون میتۃ
اودما مسفوحا اولحم خنزیر
فانہ رجس اوفسقا
اھل لغیر اللہ بہ فمن
اضطر غیر باغ ولاعاد
فان ربک غفور رحیم،

(اے پیغمبر اُن لوگون سے) کہو کہ کوئی کھانے والا
(اُن چیزون مین سے جنکو تم حرام کہتے ہو) کچھ کھالے
تو میری طرف جو وحی آئی ہے اس مین تو مین اسپر
کوئی چیز حرام پاتا نہین مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا
ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ چیزین بے شبہ ناپاک
ہین یا (وہ جانور) موجب نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا
کسی دوسرے کیلئے (ذبح اور) ~~نامزد~~ کیا گیا ہو اسپر
بھی جو شخص (بھوک سے) لاچار ہو اور (نافرمانی کا ارادہ
نہ رکھتا ہو اور نہ (حد ضرورت سے) تجاوز کرنیوالا ہو
(اور وہ ان ناپاک چیزون مین سے کچھ کھالے) تو
تمھارا پروردگار بیشک بخشنے والا مہربان ہے،

اس سلسلے کی سب سے آخری آیت جو سورۂ مائدہ مین ہے وہ یہ ہے

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصلحت
جناح فیما طعموا اذا ما
اتقوا وآمنوا وعملوا الصلحت
ثم اتقوا وآمنوا ثم
اتقوا واحسنوا واللہ
یحب المحسنین،

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام بھی کیے (تو جو
کچھ منا ہی سے پہلے، کھا پی چکے اس مین اُن پر
(کسی طرح کا) گناہ نہین جب کہ اُنھون نے (حرام چیزون سے
پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر (حرام
چیزون سے) پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر (حرام چیزون سے)
پرہیز کیا اور اچھا (پرہیز) کیا اور اللہ خلوص دل سے
نیک کام کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مطابق،

ویحرم علیھم الخبائث — اور پیغمبر ان لوگوں پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے،

حدیث مین بعض حیوانات مثلاً درندہ جانور پنجہ دار چڑیاں اور پالو گدھوں کے گوشت کھانے کی ممانعت کی گئی،

جہاد

مکہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ۱۳ سال تک اپنے دین کی دعوت دیتے رہے، اور اس سلسلے مین آپ مشرکین کی طرف سے مختلف قسم کی تکالیف و ابتلاآت مین مبتلا کیے گئے، ان مین بعض تکلیفین تو بذات خود آپ کو پہونچی تھین، اور بعض سے آپ کے اصحاب کو دوچار ہونا پڑتا تھا، کفار بہت سے جھوٹے اتہامات و افترآت کے ذریعہ سے لوگون کو قرآن مجید کے سننے اور دعوتِ اسلام کے قبول کرنے سے روکتے تھے، چنانچہ قرآن مجید نے ان اتہامات و افترآت کی تردید کی ہے، اور مکی سورتین اُن کے بیان سے لبریز ہین، چونکہ مکی مسلمان ان ناجائز مظالم کی مدافعت کی طاقت نہین رکھتے تھے، اس لئے اپنے مذہب کی حفاظت کیلیے اُن کو مجبوراً مکہ کو چھوڑکر ملک حبش کی طرف ہجرت کرنی پڑی،

خدا کی مرضی سے مدینہ کے عرب یعنی اوس و خزرج نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اس بات پر بیعت لی کہ جن چیزون سے وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہین، اُن سے آپ کی بھی حفاظت کرین گے، اس بیعت کے بعد جبکہ اہل مکہ نے آپ کی جان لینے پر پورا اتفاق کرلیا تھا، آپ نے اوس و خزرج کی طرف ہجرت کی، اور آپ کے مدینہ آنے کی ابتدا مین جہاد فرض ہوا،

جس بنا پر مسلمانون کو جہاد کا اذن دیا گیا تھا قرآن مجید کے متعدد مواقع پر اس کو بیان کیا ہے، اور اس کا دارو مدار دو باتون پر ہے،

(۱) ظلم کے وقت مدافعت عن النفس (یعنی حفاظتِ جان)

(۲) اگر دعوتِ اسلام مین کوئی اس طریقہ سے رکاوٹ پیدا کرے کہ جو شخص ایمان لائے اس کو طرح طرح کی تکالیف پہونچا کر ابتلاء و امتحان مین ڈالے تاکہ اُسنے اپنے لیے جس عقیدہ کو پسند کیا ہے اُس سے پلٹ جائے، یا جو شخص اسلام لانا چاہتا ہو اس کو اسلام سے روک دے، یا کسی داعیِ اسلام کو تبلیغِ دعوت سے باز رکھے، تو ان صورتون مین دعوتِ اسلام کی مدافعت و حفاظت کی جائے،

قرآن مجید نے جن مواقع پر ان امور کو بیان کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہی،

(۱) خداوند تعالیٰ نے سورۂ حج مین جو سب سے پہلے جہاد کے متعلق نازل ہوئی ہے، فرمایا،

اذن للذین یقاتلون بانهم	جن (مسلمانون) سے (کافر) لڑتے ہین (اب) ان کو
ظلموا وان الله علی نصرهم	(بھی اُن کافرون سے لڑنے کی) اجازت ہے، اس لیے
لقدیر الذین اخرجوا	کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے، اور کچھ شبہ نہین کہ اللہ اُن کی
من دیارهم بغیر حق الا	مدد کرنے پر قادر ہے، (یہ وہ مظلوم لوگ ہین) جو صرف
ان یقولوا ربنا الله ولولا	اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق
دفع الله الناس بعضهم	اپنے گھرون سے نکالدیے گئے، اور اگر اللہ لوگون کو ایک
ببعض لهدمت صوامع وبیع	دوسرے (کے ہاتھ سے) نہ ہٹواتا رہتا تو (نصاریٰ کے)
وصلوات ومساجد یذکر	صومعے اور گرجے اور (یہودیون کے) عبادتخانے

فیہا اسم اللہ کثیرا
ولینصرن اللہ من ینصرہ
ان اللہ لقوی عزیز الذین
ان مکنٰہم فی الارض
اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ
وامروا بالمعروف
ونہوا عن المنکر وللہ
عاقبۃ الامور

اور مسلمانون کی مسجدین جن مین کثرت سے خدا
کا نام لیا جاتا ہی کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے،
اور جو اللہ کی مدد کریگا اللہ (بھی) ضرور اس کی
مدد کریگا، اور کچھ شبہ نہین کہ اللہ زبردست اور
غالب ہے، یہ لوگ (یعنی شروع شروع کے
مسلمان ہین تو مظلوم لیکن) اگر (حاکم وقت بناکر)
ہم زمین مین اُن کے پانون جما دین تو وہ نماز پڑھینگے
زکوٰۃ دینگے اور (لوگون کو) اچھے کام کا حکم دین گے
اور بُرے کامون سے منع کرینگے اور سب چیزون کا
انجام کار تو خدا ہی کے اختیار مین ہے،

یہ آیت گویا مکی سورہ شوریٰ کی اُس آیت کی تفسیر ہے،

ولمن انتصر بعد ظلمہ
فاولٰئک ما علیہم من سبیل انما
السبیل علی الذین یظلمون الناس
ویبغون فی الارض بغیر الحق
اولٰئک لہم عذاب الیم،

اور ہان کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اُس کے بعد بدلہ لے
تو یہ لوگ (معذور ہین) ان پر کوئی الزام نہین الزام
(تو) انہی پر ہے جو لوگون پر ظلم کرتے اور ناحق ملک
مین (لوگون پر) زیادتی کرتے ہین ایسی لوگ ہین،
جن کو عذاب دردناک ہوتا ہے

(۲) خدا نے مدنی سورہ بقرہ مین فرمایا،

وقاتلوا فی سبیل اللہ
الذین یقاتلونکم ولا

اور (مسلمانو!) جو لوگ تم سے لڑین تم بھی اللہ کے
رستے (یعنی دین کی حمایت) مین اُن سے لڑو،

تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين
واقتلوهم حيث ثقفتموهم
واخرجوهم من حيث
اخرجوكم والفتنة اشد
من القتل ولا تقاتلوهم
عند المسجد الحرام حتى
يقاتلوكم فيه فان
قاتلوكم فاقتلوهم
كذلك جزاء الكافرين
فان انتهوا فان الله
غفور رحيم وقاتلوهم
حتى لا تكون فتنة ويكون
الدين لله فان انتهوا
فلا عدوان الا على الظالمين
الشهر الحرام بالشهر الحرام
والحرمات قصاص
فمن اعتدى عليكم فاعتدوا
عليه بمثل ما اعتدى
عليكم واتقوا الله واعلموا

اور زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے والون کو پسند
نہین کرتا اور (جو لوگ تم سے لڑتے ہین) ان کو
جہان پاؤ قتل کرو، اور جہان سے اُنھون نے
تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے) تم بھی اُن کو وہان سے
نکال باہر کرو، اور فساد (کا برپا رہنا) خونریزی سے
بھی بڑھ کر ہے، اور جب تک کہ ادب (اور حرمت)
والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس تم سے نہ لڑین
تم بھی اس جگہ اُن سے نہ لڑو، لیکن اگر وہ لوگ تم سے
لڑین تو تم بھی اُن سے لڑو، ایسے کافرون کی یہی سزا
ہے، پھر اگر باز آئین تو بلا شبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اور وہان تک اُن سے لڑو کہ (ملک مین) فساد باقی
نہ رہے، اور دین خدا کیلیے ہو جائے پھر اگر (فساد)
سے باز آجائین تو (ان پر کسی طرح کی زیادتی نہین
کرنی چاہیئے) زیادتی (تو) ظالمون کے سوا کسی پر
(جائز ہی) نہین، ادب (و حرمت) والے مہینون
کا بدلہ ادب (و حرمت) والے مہینے اور (مہینون کی
خصوصیت نہین بلکہ ادب کی (تمام) چیزون مین
ادلے کا بدلہ تو جو تم پر (کسی قسم کی) زیادتی کرے
تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو ویسی ہی زیادتی

ان اللہ مع المتقین،	تم بھی اسپر کرو! اور زیادتی کرنے مین اللہ سے ڈرتے
(بقرہ ۲۴)	رہو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہی جو اس سے ڈرتے ہین،

اور مدنی سورۂ انفال مین فرمایا،

وقاتلوھم حتی لاتکون	اور (مسلمانو!) کافرون سے لڑتے رہو یہان تک
فتنۃ ویکون الدین کلہ	کہ فساد نہ رہے اور کل دین خدا ہی کا ہو جاے
للہ فان انتھوا فان اللہ بما	پس اگر یہ لوگ (فساد سے) باز آجائین تو جو کچھ یہ لوگ
یعملون بصیر وان تولوا	کرینگے اللہ اسکو دیکھ رہا ہی اور اگر سرتابی کرین تو
فاعلموا ان اللہ مولٰکم نعم المولی	(مسلمانو!) سمجھتے رہو کہ اللہ تمھارا حامی ہے اور
ونعم النصیر،	(کیا ہی) اچھا حامی اور (کیا ہی) اچھا مددگار ہے،

(۳) مدنی سورۂ نسار مین فرمایا

وما لکم لا تقاتلون فی	اور (مسلمانو!) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ مین اور
سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال	اُن کمزور مردون اور عورتون اور بچون کیلیے (دشمنون)
والنساء والولدان الذین یقولون ربنا	سے نہین لڑتے جو کہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار
اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم	ہم کو اس بستی (یعنی مکے) سے نکال جہان کے
اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیًّا	رہنے والے ظالم ہین اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا
واجعل لنا من لدنک نصیرا،	حامی اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا،

(۴) مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جس نے نہ اپنی قوم سے لڑنا پسند کیا اور نہ مسلمانون سے لڑنا چاہا، اور اس بنا پر فتنہ وفساد سے الگ ہو گئی فرمایا،

فان اعتزلوکم فلم	پس اگر ایسے لوگ، تم سے کنارہ کش رہین اور تم سے

يقاتلوكم والقوا اليكم السلم
فما جعل الله لكم عليهم
سبيلا،

نہ لڑین اور تمھاری طرف (پیغام) صلح ڈالین تو
ایسے لوگون پر (دست درازی کرنے کا) تمھارے
لیے اللہ نے کوئی راستہ نہین رکھا،

لیکن اس کیلیے شرط یہ ہے کہ صلح کی طرف ان کا حقیقی میلان ہو، اور اسمین کسی قسم کا تذبذب نہو، چنانچہ اس قسم کے لوگون کی حالت کو اس طرح بیان فرمایا،

ستجدون آخرين يريدون
ان يامنوكم ويامنوا
قومهم كلما ردوا الى الفتنة
اركسوا فيها فان لم يعتزلوكم
ويلقوا اليكم السلم ويكفوا
ايديهم فخذوهم
واقتلوهم حيث ثقفتموهم
واولئكم جعلنا لكم عليهم
سلطانا مبينا،
(نساء ۱۲)

کچھ اور لوگ تم ایسے بھی پاؤگے جو تم سے (بھی) امن
مین رہنا چاہتے ہین اور اپنی قوم سے (بھی) امن
مین رہنا چاہتے ہین، (مگر حال یہ ہے) کہ جب کبھی
کوئی ان کو فساد کی طرف لوٹا کر لیجائے تو اوندھے
منھ اس مین جا گرنے کو موجود، سو (ایسے لوگ) اگر
تم سے کنارہ کش نہ رہین اور نہ تمھاری طرف (پیغام)
صلح ڈالین اور نہ (لڑائی سے) اپنے ہاتھ روکین
تو ان کو پکڑو اور جہان پاؤ ان کو قتل کرو اور یہی
لوگ ہین جنکے مقابلے مین ہم نے تمھارے لیے
کھلی ہوئی حجت پیدا کردی ہے،

(۵) صلح کے بارے مین فرمایا،

وان جنحوا للسلم فاجنح لها
وتوكل على الله انه هو السميع العليم
وان يريدوا ان يخدعوك

اور (اے پیغمبر) اگر (کافر) صلح کی طرف جھکین تو
تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسا رکھو کیونکہ
وہی (سب کی سنتا) اور (سب کچھ) جانتا ہے، اور اگر

فان حسبك الله هو الذی ایدك بنصره وبالمومنین والف بین قلوبهم،

ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا (بھی) ہوگا تاہم (تم کچھ پروا نہ کرو) اللہ تمھارے لیے کافی ہے (اے پیغمبر) وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانون سے تم کو قوت دی اور مسلمانون کے دلون مین باہم الفت پیدا کر دی،

(۶) سورۂ توبہ مین فرمایا،

وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدؤکم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان کنتم مومنین،

اور اگر یہ لوگ عہد کے بعد اپنی قسمون کو توڑ ڈالین اور تمھارے دین مین طعنہ زنی کرین تو ان کفر کے پیشواؤن سے لڑو، اُن کی قسمین کچھ بھی اعتبار کے قابل نہین تاکہ یہ لوگ (اپنی شرارتون سے) باز آجائین (مسلمانو) تم اُن لوگون سے کیون نہ لڑو جنھون نے اپنی قسمون کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور تم سے (چھیڑ) بھی اول انہی نے شروع کی کیا تم ان لوگون سے ڈرتے ہو، پس اگر تم لوگ ایمان رکھتے ہو تو اُن سے کہین بڑھ کر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو،

ان تمام آیتون کا خلاصہ وہی ہے جسکو ہم نے اوپر بیان کیا یعنی یہ کہ جہاد صرف مظالم کی مدافعت، اور فتنۂ مذہبی کے انسداد کیلیے فرض کیا گیا، یہود مدینہ نے قریش اور منافقین کو مسلمانون کی مخالفت پر آمادہ کیا تھا اور اُن کو غزوۂ احزاب مین اس قدر

خوف زدہ کردیا تھا کہ وہ کانپ اُٹھے تھے، حالانکہ اس سے پہلے اُن کے اور رسول اللہ صلعم کے درمیان تحریری معاہدے ہو چکے تھے، لیکن انھون نے اُن معاہدون کو توڑ دیا، اور اُن کے شرائط کی خلاف ورزی کی، اس لیے مسلمانون کو ان کے ساتھ جہاد کا حکم جیساکہ سورۂ توبہ مین مذکور ہے دیا گیا،

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم
الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ و
رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین
اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ
عن ید وھم صاغرون،

اہل کتاب جو نہ خدا کو مانتے ہین اور نہ روز آخرت کو
اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزون
کو حرام سمجھتے ہین اور نہ دین حق کو تسلیم کرتے ہین،
ان سے بھی لڑو یہان تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھون
سے جزیہ دین،

جہاد کا حکم پہلے قریش اور مدینہ کے یہود تک جنھون نے قریش کو آمادۂ جنگ کیا تھا محدود تھا، لیکن جب اُن کے ساتھ جزیرۂ عرب کے اور قبائل بھی متحد ہو گئے تو خدا نے اپنی کتاب مین فرمایا،

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما
یقاتلونکم کافۃ واعلموا
ان اللہ مع المتقین،

اور تم مسلمان سب مشرکون سے لڑو جیسے وہ تم سے
لڑتے ہین، اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیزگارون کے
ساتھ ہے،

قرآن مجید کے مصالحانہ روح کی تائید و توضیح سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت کرتی ہے،

لا ینھاکم اللہ عن الذین
لم یقاتلوکم فی الدین
ولم یخرجوکم من دیارکم

جو لوگ تم سے دین کے بارہ مین نہین لڑے اور اُنھون
نے تم کو تمھارے گھرون سے نہین نکالا ان کے
ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو

ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم ومن يتولهم فاولئك هم الظالمون،

سے منع نہیں کرتا) کیونکہ اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والون کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تم کو انہی لوگون سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے، جو تم سے دین کے بارے مین لڑے اور جنھون نے تم کو تمھارے گھرون سے نکالا اور تمھارے نکالنے مین (تمھارے مخالفین کی) مدد کی تو جو شخص ایسے لوگون سے دوستی کریگا تو سمجھا جائیگا، کہ یہی لوگ (مسلمانون پر) ظلم کرتے ہین،

مُعَاہدات باہمی

قرآن مجید مین پابندیِ معاہدات کے متعلق نہایت تاکیدی آیتین آئی ہین جن مین بعض تو عام ہین، مثلاً،

يا ايها الذين آمنوا اوفوا بالعقود

مسلمانو! قول و قرار کو پورا کرو،

واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الايمان بعد توكيدها وقد جعلتم الله عليكم كفيلا ان الله يعلم ما تفعلون ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا تتخذون

اور جب تم لوگ آپس مین قول و قرار کرو تو اللہ کی قسم کو پورا کرو، اور قسمون کو اُن کے پکا کیے پیچھے نہ توڑو، حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو، کچھ شک نہین کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے، (اور قسمون کے توڑنے مین) اس عورت جیسے نہ بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالا کہ اپنی قسمون کو (اس وجہ سے)

ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امة هی اربی من امة

آپس کے فساد کا سبب بنانے لگو، کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زبردست ہے

واوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا،

اور عہد کو پورا کیا کرو، کیونکہ (قیامت مین) عہد کی بازپرس ہوگی

اور بعض خاص، چنانچہ خداوند تعالی نے مشرکین سے اعلان برأت کے بعد سورۂ برأة مین فرمایا،

الا الذین عاهدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاهروا علیکم احدا فاتموا الیهم عهدهم الی مدتهم ان الله یحب المتقین،

ہان مشرکین مین سے جنکے ساتھ تم (مسلمانون) نے (صلح کا) عہد کر رکھا تھا پھر اُنھون نے (ایفاے عہد) مین، تمھارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہین کی اور نہ تمھارے مقابلے مین کسی کی مدد کی تو اُن کے ساتھ جو عہد ہے اُسے اس مدت تک جو اُن کے ساتھ ٹھہری تھی پورا کرو کیونکہ اللہ اُن لوگون کو (جو بدعہدی سے بچتے ہین) دوست رکھتا ہے،

اور اسی سورہ مین اُسکے بعد فرمایا،

الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم ان الله یحب المتقین،

مگر جن لوگون کے ساتھ تم (مسلمانون) نے مسجد حرام (یعنی خانۂ کعبہ) کے قریب (حدیبیہ مین صلح) کا عہد کیا تھا تو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہین تم بھی اُن سے سیدھے رہو، کیونکہ اللہ ان لوگون کو (جو بدعہدی سے بچتے ہین) دوست رکھتا ہے،

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ براءت کا اعلان اُن مشرکین سے کیا گیا تھا جنھون نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی، یا اُن سے خیانت کے آثار و دلائل ظاہر ہوسے تھے، کیونکہ خداوند تعالی نے اس سورہ کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین

جن مشرکون کے ساتھ تم (مسلمانون) نے صلح کا عہد کر رکھا تھا (اب) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن کو صاف جواب ہے،

اس کے بعد اُن لوگون کو مستثنی فرما دیا ہے جنھون نے معاہدے کی پابندی کی ہے، اس بنا پر برآت کا یہ اعلان سورۂ انفال کی اس آیت کا عملی طور پر نفاذ ہے،

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین

اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو مساوات کو ملحوظ رکھ کر اُن کے عہد کو الٹا انھی کی طرف پھینک مارو، بیشک اللہ دغا بازون کو دوست نہین رکھتا،

کیونکہ دغا کا خوف اُسی وقت ہو سکتا ہے، جب اس کے دلائل یعنی مظالم کا ظہور ہو، یہی وجہ ہے کہ جن مشرکین نے اپنے عہد کے پورا کرنے مین کوئی کمی نہین کی، کسی کو مسلمانون کے مقابلے مین مدد نہین دی، اور اپنے عہد پر قائم رہے، آیت کے رو سے ان کے قول و قرار کو توڑا نہین جا سکتا،

اسی طرح جب مسلمانون کو سورۂ نساء مین اُن منافقین سے علیحدگی کی جو مخفی طور پر مسلمانون کی مخالفت مین مصروف تھے ترغیب دی تو فرمایا،

الا الذین یصلون الی قوم بینکم

مگر جو لوگ ایسی قوم سے جا ملے ہون کہ تم مین اور ان مین

وبینہم میثاق (صلح کا عہد ہو)

جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ معاہدین کے ملک کا احترام واجب ہو، اور یہ جو لوگ وہاں پناہ گزین ہوں وہ محفوظ ہیں،

اسی طرح اگر معاہد قوم کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو سورۂ نسا میں اس کی دیت بھی وہی قرار دی، جو ایک مسلمان کے غلطی سے قتل کر دینے کی قرار دی گئی ہے،

وان کان من قوم بینکم	اور اگر (مقتول) اُن لوگوں میں کا ہو جن میں اور
وبینہم میثاق فدیۃ	تم میں (صلح کا) عہد ہے، تو (قاتل کو چاہیئے،
مسلمۃ الی اھلہ وتحریر	کہ وارثانِ مقتول کو خون بہا پہونچا دے، اور (اس کے
رقبۃ مومنۃ	علاوہ) ایک مسلمان غلام بھی آزاد کر دے،

اور یہ دیت بعینہٖ وہی ہے جو غلطی سے ایک مسلمان کے قتل کر دینے پر واجب الادا ہوتی ہے،

ومن قتل مومنا خطأً فتحریر	اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان
رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ	غلام آزاد کرے اور وارثانِ مقتول کو خون بہا دے،
الی اھلہ الا ان یصدقوا	مگر یہ کہ (وارثانِ مقتول) خونبہا معاف کر دیں،

بلکہ جو مسلمان دشمنوں کی قوم سے تعلق رکھتا ہو اُس کے قتل کا خون بہا اس سے کم قرار دیا،

فان کان من قوم	پھر اگر مقتول ان لوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے
عدو لکم وھو مومن فتحریر	دشمن ہیں، اور وہ خود مسلمان ہو تو صرف ایک

رقبۃ مومنۃ — مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا،

اسی طرح جن مسلمانون نے دشمن کے ملک سے ہجرت نہین کی ہے بلکہ وہین مقیم ہین اُن کے متعلق فرمایا،

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینہم میثاق — ہان اگر وہ دین (کے بارے) مین تم سے طالب مدد ہون تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم ہی مگر اس قوم کے مقابلے مین نہین کہ تم مین اور اُن مین (صلح کا) عہد ہو،

اور اس طریقہ سے حقِ معاہدہ کو تمام حقوق سے بالاتر قرار دیا،

خداوند تعالی نے صلح کی کوئی مدت مقرر نہین کی ہے بلکہ اس کا ذکر بالکل غیر مقید طور پر کیا ہے،

وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم — اور (اے پیغمبر) اگر کافر صلح کی طرف جھکین تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسا رکھو کیونکہ وہی (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے،

اسیرانِ جنگ

قرآن مجید نے سورۂ قتال مین اسیرانِ جنگ کا حکم ان الفاظ مین بہ تصریح بیان کیا ہے،

حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب — یہان تک کہ جب خوب اچھی طرح ان کا خون بہا لو تو (اُن کی) مشکین کس لو (یعنی قید کرلو) پھر (قید کرنیکے بعد) یا تو احسان رکھ کر (چھوڑ دینا) یا معاوضہ لیکر یہان تک کے

اوزارها، (لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی لڑائی موقوف ہو جائے)

اس بنا پر اولیاے امور کو دو باتون مین سے قرآن مجید نے ایک کا اختیار دیا ہے یا تو احسان کرین اور یاقیدیانِ جنگ کو بلا معاوضہ رہا کر دین یا فدیہ یعنی معاوضہ لیکر ان کو چھوڑ دین، لیکن اس کے لیے "اثخان فی الارض" کی شرط ہے، اور اس کے معنی زمین مین قدم جمانیکے نہین ہین، بلکہ دشمن کے قتل مین مبالغہ کرنے کے ہین، یہی وجہ ہے کہ کامل خونریزی سے پہلے خداوند تعالی نے فدیہ لینے پر مسلمانون کو ملامت کی ہے، اور سورۂ انفال مین فرمایا ہے،

ما كان لنبي ان يكون له	پیغمبر جب تک زمین مین خوب خون نہ بہالے اُسکے
اسرى حتى يثخن في الارض	پاس قیدیون کا رہنا مناسب نہین تم (مسلمانون)
تريدون عرض الدنيا	تو مال و متاعِ دنیا کے خواہان ہو اور اللہ (تم کو)
والله يريد الاخرة والله	آخرت (کی نعمتین) دینی چاہتا ہے، اور اللہ
عزيز حكيم،	غالب با تدبیر ہے،

رسول اللہ صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند مخصوص اسباب کی بنا پر بعض قیدیون کے قتل کا بھی حکم دیا ہے، مثلاً آپ نے بدر مین عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا، احد مین ابی عزۃ الجمحی کے قتل کا حکم صادر فرمایا کیونکہ اُس نے بدر مین آپ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ کی مخالفین کی اعانت نہ کریگا، لیکن اُس نے اپنے عہد کو پورا نہین کیا، اسیطرح فتح مکہ کے بعد چند جرائم کے ارتکاب کی بنا پر اہل مکہ مین سے آٹھ اشخاص کے خون کو مباح قرار دیا،

غلامی کی کیفیت یہ ہے کہ جب اسلام آیا تو اہل عرب کے قبضے مین غلام موجود تھے، اور اسلام نے بھی اس قبضہ کو بدستور قائم رکھا، چنانچہ مکی سورۂ مومنون مین فرمایا،

والذین ھم لفروجھم	وہ مسلمان، جو اپنی شرمگاہون کی حفاظت کرتے
حفظون الا علی ازواجھم	ہین مگر اپنی بی بیون یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی
او ما ملکت ایمانھم فانھم	لونڈیون) سے کہ (ان مین) اُن پر کچھ الزام نہین
غیر ملومین،	(اپنی مراد کو پہونچ گئے)،

اور مکی سورۂ معراج مین بھی اسی قسم کی آیت موجود ہے' اور یہ آیتین اس زمانے سے تعلق رکھتی ہین جس کے پہلے مسلمانون نے کوئی جنگ نہین کی تھی، اور مدنی سورۂ نسا مین فرمایا،

فان خفتم الا تعدلوا	پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بی بیون مین)
فواحدۃً او ما ملکت ایمانکم،	برابری (کے ساتھ برتاؤ) نہ کر سکو گے تو (اس صورت
	مین) ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو (لونڈی) تمھارے
	قبضے مین ہو (اسی پر قناعت کرنا)

پھر اُن کو متعدد طریقون سے غلامون کی آزادی کی سخت ترغیب دی' چنانچہ ان طریقون کی تفصیل یہ ہے'

(۱) سورۂ بلد مکیہ مین یہ قرار دیا کہ اگر کوئی انسان خدا کی نعمتون کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ غلام آزاد کرے' چنانچہ متعدد احسانات جتانے کے بعد فرمایا،

فلا اقتحم العقبۃ وما	پھر بھی وہ (ان نعمتون کے شکر مین) گھاٹی سے ہو کر
ادرٰک ما العقبۃ فک	نہ نکلا اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری)
رقبۃٍ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ	کیا (مراد) ہے' (گھاٹی سے مراد ہے) کسی کی گردن کا

یتیما ذا مقربة او مسکینا ذا متربة ثم کان من الذین آمنوا و تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمة اولئک اصحب المیمنة،	(غلامی کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم (کو خاص کر جب وہ اپنا) رشتہ دار (بھی) ہو یا محتاج خاک نشین کو دکھانا (کھلانا) تو جو ناحق کی شیخی مارتا ہے چاہیئے تھا کہ اس گھاٹی مین سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگون (کے زمرے) مین ہوتا جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور (نیز) ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے، یہی لوگ (آخرت مین) مبارک (خوش نصیب) ہونگے،

اس طریقہ سے انسان جن خصائل کے ذریعہ سے اپنے خدا کا شکریہ ادا کرسکتا ہے، ان سب سے غلامون کی آزادی کو مقدم قرار دیا ہے،

(۴) مختلف جرائم کی پاداش مین جو کفارے واجب ہوتے ہین اُن مین اکثر غلامون کی آزادی کو مقدم کیا ہے، چنانچہ غلطی سے قتل کردینے کے کفارے مین فرمایا،

ومن قتل مومنا خطأ فتحریر رقبة مومنة	اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے،

اور کفارۂ ظہار کے متعلق فرمایا،

والذین یظٰھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر	اور جو لوگ اپنی بی بیون سے ظہار کرتے ہین پھر لوٹکر وہی (کام) کرنا چاہتے ہین جس کو کہہ چکے ہین،

رقبۃ من قبل ان یتما سا — (کہ نہیں کرینگے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد) کو ایک غلام آزاد کرنا (چاہیئے)

فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ — تو اس (کی قسم کے توڑنے) کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل عیال کو کھلایا کرتے ہو یا ان ہی (دس مسکینوں) کو کپڑے بنا دینا یا ایک غلام آزاد کر دینا،

(۳) مصارف زکوۃ بیان کیے تو اس کے آٹھ حصوں میں سے ایک حصہ غلاموں کے لیے متعین کیا، یعنی یہ کہ جو امام مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرے وہ اس کی قیمت کو غلاموں کی آزادی میں صرف کرے،

(۴) جو غلام روپیہ ادا کر کے آزادی کی درخواست کریں، ان کی درخواست کے قبول کرنے اور ان کو رقم مقررہ کے ادا کرنے میں مدد دینے کا حکم دیا،

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا و آتوھم من مال اللہ الذی اٰتاکم — اور تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی غلاموں) میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم ان کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور مال خدا میں سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے ان کو (بھی) دو،

آزادی کی یہ تمام صورتیں ان ترغیبات کے علاوہ ہیں جو رسول اللہ صلعم نے غلاموں کی آزادی کے متعلق دی ہیں اور لوگوں کو بار بار غلاموں پر رحم کرنے کی نصیحتیں کی ہیں،

اور غلام بنانے کے متعلق قرآن مجید مین ایک آیت بھی نہین ہے، یعنی قرآن مجید مین کہین یہ حکم نہین ہے کہ لڑائی مین غلام بنائے جائین،

غنیمتِ جنگ

اہل عرب جنگ مین مالِ غنیمت حاصل کرتے تھے اور اسکو شرکاے جنگ پر تقسیم کرتے تھے جس کا بڑا حصہ رئیسِ فوج کو دیتے تھے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے،

لک المرباع منہا والصفایا   وحکمک والنشیطۃ والفضول

اے رئیس تیرے لیے غنیمت کا چوتھائی حصہ اور منتخب چیز اور نشیطہ اور فضول ہے، اور تیرا فیصلہ فیصلہ ہے

اس شعر مین "مرباع" سے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ "صفی" سے وہ چیز جسکو رئیس پسند کرکے اپنے لیے انتخاب کرلے، "نشیطہ" سے وہ مال جو جنگ سے پہلے شرکاے جنگ کے ہاتھ مین پڑجائے، اور "فضول" سے وہ مال جو تقسیم سے بچ جائے مراد ہی،

اسلام آیا تو مسلمانون کو سب سے پہلے مالِ غنیمت جنگِ بدر مین حاصل ہوا اور اُنھون نے اس کی تقسیم کا طریقہ معلوم کرنا چاہا، چنانچہ خداوندتعالی فرماتا ہے،

یسألونک عن الانفال   (اے پیغمبر مسلمان سپاہی) تم سے مالِ غنیمت کا حکم

قل الانفال للہ والرسول،   دریافت کرتے ہین تو ان سے) کہدو کہ مالِ غنیمت

تو اللہ اور رسول کا ہی،

اس کے بعد اس کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمایا،

واعلموا انما غنمتم من شیء فان   اور جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی مین) لوٹ کر لاؤ

للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی   اس کا پانچوان حصہ خدا کا اور رسول کا اور (رسول کے

والیتامی والمسٰکین وابن السبیل، — قرابتدارون کا اور یتیمون کا اور محتاجون کا اور (بےسہارا) مسافرون کا ہی

اسی طریقہ کے موافق رسول اللہ صلعم مالِ غنیمت کا پانچوان حصہ لے لیتے تھے، اور متذکرہ بالا اشخاص پر تقسیم فرما دیتے تھے، چنانچہ آپ نے خود فرما دیا،

لیس لی من مغنمکم الا الخمس — تمھارے مالِ غنیمت مین سے میرے لیے صرف پانچوان

والخمس مردود علیکم، — حصہ ہی اور یہ حصہ بھی تھین لوگون کو واپس دیا جاتا ہی،

اور یہ حصہ خود ان لوگون کو اس لیے واپس ملتا ہی کہ مالِ غنیمت کا بڑا حصہ مصالح عامہ کیلیے مخصوص کر دیا ہے،

"فی" یعنی اُس مالِ غنیمت کے متعلق جو بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہو فرمایا،

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمسٰکین وابن السبیل کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم

جو (مال) اللہ اپنے رسول کو ان بستیون کے لوگون سے مفت مین دلوادے تو (وہ) اللہ کا حق ہی اور رسول کا اور (رسول کے) قرابتدارون کا اور یتیمون کا اور محتاجون کا اور (بے توشہ) مسافرون کا (یہ حکم) اس لیے دیا گیا کہ جو لوگ تم مین مالدار ہین یہ (مال) اُن (ہی) ہی مین چلتا پھرتا نہ رہے،

اس کے بعد فرمایا،

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ

(وہ مال جو بے لڑے مفت مین ہاتھ لگا ہی منجملہ اور حقداروں کے) محتاج مہاجرین کا (بھی حق) ہے جو اپنے گھر اور مال سے بےدخل کر دیے گئے (اور اب وہ) خدا کے فضل اور (اسکی) خوشنودی کی طلبگاری مین لگے ہین،

ورسوله اولئك هم الصادقون
والذين تبوء الدار والايمان
من قبلهم يحبون من هاجر اليهم
ولا يجدون في صدورهم
حاجة مما اوتوا ويؤثرون
على انفسهم ولو كان بهم
خصاصة ومن يوق
شح نفسه فاولئك هم المفلحون
والذين جاءو من بعدهم
يقولون ربنا اغفر لنا
ولاخواننا الذين سبقونا
بالايمان ولا تجعل في قلوبنا
غلا للذين آمنوا ربنا
انك رؤف رحيم،

اور خدا اور اُس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہین
یہی تو سچے (مسلمان) ہین اور (وہان وہ مال جو
بے لڑے ہاتھ آیا ہو) ان کا (بھی حق) ہو کہ (مہاجرین
نے ابھی ہجرت نہین کی تھی اور وہ) اُن سے پہلے
مدینہ مین رہتے اور اسلام مین داخل ہو چکے ہین جو
ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت
کرنے لگتے ہین اور (مال غنیمت مین سے مہاجرین
کو جو (کچھ بھی دے) دیا جائے اس کی وجہ سے یہ اپنے
دل مین (اسکی) کوئی طلب نہین پاتے اور اپنے
اوپر تنگی ہی کیون نہو (مہاجرین بھائیون کو) اپنے
سے مقدم رکھتے ہین اور (بخل تو سب ہی کی طبیعتو مین
ہوتا ہی مگر) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا
جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائینگے اور (یہان جو مال
بے لڑے ہاتھ آیا ہے) ان کا (بھی حق) ہی جو مہاجرین
اولین کے بعد (ہجرت کر کے) آئے (کہ یہ بھی اگلے
مسلمانون کے خیر خواہ ہین اور) دعائین مانگا کرتے
ہین کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور (نیز) ہمارے
(ان مہاجرین وانصار) بھائیون کے گناہ معاف کر
جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہین اُن کی طرف سے

ہمارے دلون مین کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے اے

ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے،

رسول اللہ صلعم نے جو غزوات کیے ان مین اپنے قول و فعل سے احکام قرآنی کی تشریح فرمائی ہے، چنانچہ ان مین خداوند تعالی نے بعض غزوات کا ذکر قرآن مجید مین کیا ہے، اور بعض غزوات کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے، رسول اللہ صلعم نے جس قدر سرایا روانہ کیے وہ سب کے سب احکام قرآنی کے مطابق تھین،

خداوند تعالی نے قرآن مجید مین جن غزوات کا حال بیان کیا ہے انکی تفصیل یہ ہے،

(۱) غزوۂ بدر، اس کا ذکر سورۂ انفال کی اس آیت مین آیا ہے،

کما اخرجك ربك من بيتك	جس طرح تیرے پروردگار نے تجھ کو تیرے گھر سے
بالحق وان فريقا من المؤمنين	حق کے ساتھ نکالا اور بیشک مسلمانون مین سے
لكارهون،	ایک گروہ راضی نہ تھا،

اور آل عمران کی اس آیت مین بھی اس کا ذکر ہے

ولقد نصركم الله ببدر	اور بیشک مدد کی اللہ نے تمھاری بدر مین حالانکہ
وانتم اذلة	تم ذلیل (کمزور) تھے،

(۲) غزوۂ احد، سورۂ آل عمران مین اس کا ذکر اس آیت سے شروع ہوا ہے،

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون	اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ، اگر تم ایمان رکھتے ہو
ان كنتم مؤمنين الخ،	تو تھین بلند یعنی غالب ہو،

(۳) غزوۂ حمراء الاسد، سورۂ آل عمران کی اس آیت مین اس کا ذکر آیا ہے،

الذين استجابوا لله والرسول من	جن لوگون نے خدا اور رسول کے لیے قبول کیا بعد اسکے

بعد ما اصابہم القرح ، — کہ پہونچے اُن کو زخم،

(۴) **غزوۂ بدر الاخریٰ**، قرآن مجید نے سورۂ آل عمران کی اس آیت مین اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوہم فزادہم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسہم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم،

وہ لوگ جن سے لوگون نے کہا کہ بیشک تمھارے لیے آدمی جمع ہوے ہین تو تم لوگ ان سے ڈرو پس زیادہ کیا اس نے اُن کے ایمان کو اور اُنھون نے کہا کہ خدا ہمارے لیے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے تو وہ پلٹے خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ نہ لگی ان کو برائی اور اُنھون نے خدا کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ

(۵) **غزوۂ بنو النضیر**، قرآن مجید نے سورۂ حشر کی اس آیت مین اس کا ذکر کیا ہے،

ھو الذی اخرج الذین کفروا من اہل الکتاب من دیارہم لاول الحشر الخ

اسی نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھرون سے نکالا اول بار اکٹھے کرنے مین،

(۶) **غزوۂ احزاب**، قرآن مجید نے غزوۂ احزاب کی اس آیت مین اس کا ذکر کیا ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیہم ریحا وجنودا لم تروہا،

اے مسلمانو! اپنے اوپر خدا کے اس احسان کو یاد کرو جسوقت آئین تمھارے اوپر فوجین تو ہم نے بھیجا اُن کے اوپر ہوا اور ان فوجون کو کہ نہ دیکھا تھا تم نے اُن کو،

(۷) **غزوۂ بنو قریظہ**، اسی سورہ کی اس آیت مین اس کا بھی ذکر ہے،

وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقا واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضا لم تطؤھا وکان اللہ علی کل شیء قدیرا،

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی خدا نے انکو اُن کے قلعون سے اتارا اور اُن کے دلون مین رعب ڈالا، ایک گروہ کو تم لوگ قتل اور دوسرے گروہ کو قید کرتے ہو اور وارث کیا تم کو ان کی زمین کا اور اُن کے گھرون کا، اور اُن کے مالون کا اور اس زمین کا جسکو تم نے پامال نہین کیا تھا، اور خدا ہر چیز پر قادر ہے،

(۸) **غزوۂ حدیبیہ**، سورۂ فتح کی اس آیت مین اس کا ذکر ہے،

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم الخ،

بیشک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہین وہ صرف خدا سے بیعت کرتے ہین خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھون کے اوپر ہے،

(۹) **غزوۂ خیبر**، خدا نے اس آیت مین اس کی طرف اشارہ کیا ہے

ولقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا. ومغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزا حکیما الخ،

خدا مسلمانون سے خوش ہوا جبکہ وہ تجھ سے بیعت کرتے تھے درخت کے نیچے تو خدا نے جانا اس چیز کو جو اُن کے دلون مین تھا تو اتاری اُن کے اوپر تسکین اور ان کو دی نزدیک کی فتح اور بہت سا مال غنیمت کہ لینگے وہ اس کو اور اللہ غالب حکمت والا ہے

(۱۰) **فتح مکہ**، ان آیتون مین اس کی طرف اشارہ ہے،

لا یستوی منکم من انفق من	اور تم مین سے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور
قبل الفتح وقاتل اولٰئک	لڑائی کی برابر نہین ہین یہ لوگ ان لوگون سے درجہ مین
اعظم درجة من الذین	بڑے ہین جنھون نے اس کے بعد خرچ کیا اور
انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنی	لڑائی کی لیکن ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا،
اذا جاء نصر اللہ والفتح،	جس وقت خدا کی مدد آئی اور مکہ فتح ہوا،

(۱۱) **غزوہ حنین**، قرآن مجید نے اس آیت مین اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرة	بیشک خدا نے بہت سے مقامات مین تمھاری مدد کی
ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم	بالخصوص حنین کے دن جس وقت ناز ہوا تم کو اپنی
فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم	کثرت پر لیکن اس نے تم کو فائدہ نہ پہونچایا اور تمھارے
الارض بما رحبت ثم ولیتم	اوپر زمین باوجود اس کے کہ وہ کشادہ تھی تنگ
مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ	ہو گئی پھر تم بھاگ گئے پیٹھ پھیر کر، پھر اتاری خدا نے
علی رسولہ وعلی المومنین وانزل	اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مسلمانون پر اور اتاری
جنودا لم تروھا وعذب الذین	ایسی فوجین کہ نہین دیکھا تم نے اُن کو اور عذاب
کفروا وذلک جزاء الکافرین	کیا کفار کو اور کافرون کی یہی سزا ہے،

(۱۲) **غزوہ تبوک**، غزوہ عسرہ بھی اسی کا نام ہے، اور سورۂ توبہ مین اس کے بہت سے واقعات کی تفصیل مذکور ہے، اور غزوات مین سب سے زیادہ مطول بیان قرآن مجید مین اسی غزوہ کا ہے، چنانچہ اس کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے،

یا ایھا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم	اے مسلمانو یہ کیا بات ہے کہ جب تم سے یہ کہا جاتا
انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم	ہے کہ خدا کی راہ مین کوچ کرو تو تم زمین مین جھک

الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا — ہو جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے بدلے میں دنیوی
من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا — زندگی کو پسند کر لیا ہے، تو نہیں ہے زندگانی دنیا
فی الاخرۃ الا قلیل، — کا فائدہ آخرت میں مگر تھوڑا،

تقریباً اخیر سورہ تک اسی کا ذکر ہے،

یہ تمام غزوات قرآن مجید کے مذکورۂ بالا اصول یعنی مدافعت ظلم حفاظت دعوت اسلام اور مصالحت کرنے والوں کے ساتھ میلان مصالحت کے مطابق واقع ہوئے اور آپ کی زندگی کے آخری زمانہ تک تمام جزیرۂ عرب آپ کے زیر اقتدار آ گیا،

٦٩

نظام منزلی

قرآن مجید نے نظام منزلی کی جو تفصیل کی ہے اور اس کے متعلق جو احکام نافذ کیے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے،

نکاح

قرآن مجید نے نکاح کو جس اہمیت کے ساتھ مشروع کیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے عقد نکاح کا نام "مستحکم قول و قرار" رکھا ہے،

واخذن منکم میثاقاً غلیظا، — اور بی بیاں تم سے پکا قول لے چکی ہیں،

اور خداوند تعالی نے لوگوں پر اپنا یہ احسان جتایا ہے کہ اس نے میاں بی بی کے درمیان الفت و محبت قائم کی،

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم — اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے
ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل — تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں،

بینکم مودۃ و رحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون،

تاکہ تم کو ان کی طرف رغبت کرنے سے راحت ملے اور تم دمیان بی بی مین پیار اور اخلاص پیدا کیا جو لوگ سوچ سمجھ کو کام مین لاتے ہین اُن کے لیے ان باتون مین بہت سی نشانیان ہین،

اور میان بی بی مین سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا ہے،

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن

عورتین تمھارا لباس ہین اور تم اُن کا،

اس آیت کے معنی یہ ہین کہ تم اُن سے سکون حاصل کرتے ہو اور وہ تم سے سکون حاصل کرتی ہین، چنانچہ بعینہ یہی لفظ خدا نے ایک اور موقع پر استعمال فرمایا ہے،

جعل لکم اللیل لباسا

خدا نے رات کو تمھارے لیے لباس بنایا،

یعنی یہ کہ تم رات مین سکون حاصل کرتے ہو،

حدیث مین بھی نکاح اور اضافہ تعداد امت کی خاص طور پر سخت ترغیب دیگئی ہے،

چنانچہ حدیث مین آیا ہے،

تزوجوا تناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ،

نکاح کرو، نسل بڑھاؤ کیونکہ مین تمھارے ذریعہ سے قیامت کے دن اور امتون پر فخر کرون گا،

قرآن مجید نے نکاح کی ترغیب اس آیت مین دی ہے،

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم،

اور اپنی بیوہ عورتون کے نکاح کرو، اور اپنے غلامون اور لونڈیون مین سے ان کے جو نیک بخت ہون، اگر یہ لوگ محتاج ہون گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردیگا اور اللہ گنجائش والا واقف ہے،

اہلِ عرب کے یہاں بی بیون کی تعداد متعین نہ تھی اس لیے بعض لوگ بسا اوقات دس دس عورتون سے نکاح کر لیتے تھے، اس بنا پر قرآن مجید نے اس کی ایک متوسط تعداد مقرر کر دی اور اُن لوگون کو متعدد عورتون کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی، جو اپنی عورتون کے بارے مین ناانصافی سے مامون ہین، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنیٰ الا تعدلوا،	تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین اور چار چار عورتون سے نکاح کر لو پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بی بیون مین) برابری (کے ساتھ برتاؤ) نہ کر سکو گے تو (اس صورت مین) ایک ہی (بی بی کرنا)، یا جو (لونڈی) تمھارے قبضے مین ہو (اسی پر قناعت کرنا)، نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لیے یہ تدبیر زیادہ قرین مصلحت ہے،

متعدد عورتون کے نکاح کی اجازت حسب ذیل مصالح پر مبنی ہے،

(۱) انسان کی طبعی ضرورت جسکی نسبت تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ بسا اوقات فطرت انسانی ایک عورت پر قناعت نہین کرتی،

(۲) تکثیر نسل،

لیکن اس اجازت کیلیے یہ لازمی شرط ہے کہ متعدد بی بیون مین غیر منصفانہ برتاؤ کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ شارع کی نگاہ مین یہ خرابی ان دونون مصلحتون سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کے ساتھ تعددِ نکاح ان بنیادی احکام مین داخل نہین ہے

جو شارع اسلام کی نگاہ مین لازمی ہین، بلکہ وہ ایک مباح فعل ہی اور ایک شخص کو حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے کی صورت مین اس کے کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار حاصل ہی،

قرآن مجید نے مسلمانون پر چند عورتون کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے اور یہ عورتین وہ ہین جن کے ساتھ وہ قرابت یا رضاعت یا مصاہرت کے تعلقات رکھتے ہین،

وَلا تنکحوا ما نکح آباؤکم	اور جن عورتون کے ساتھ تمھارے باپون نے
من النساء الا ما قد سلف	نکاح کیا ہو تم اُن کے ساتھ نکاح نہ کرو مگر جو ہو چکا
انه کان فاحشة ومقتا وساء	(سو ہو چکا) یہ بڑی بیحیائی اور غضب کی بات
سبیلا حرمت علیکم امهاتکم	تھی اور بہت ہی برا دستور تھا (مسلمانو!) تمھاری
وبناتکم واخواتکم وعماتکم	مائین اور تمھاری بیٹیان اور تمھاری بہنین اور
وخالاتکم وبنات الاخ و	تمھاری پھوپھیان اور تمھاری خالائین اور بھتیجیان
بنات الاخت وامهاتکم التی	اور بھانجیان اور تمھاری (رضاعی) مائین جنھون نے
ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة	تم کو دودھ پلایا اور تمھاری دودھ شریکی بہنین اور
وامهات نسائکم وربائبکم	تمھاری ساسین تم پر حرام ہین، اور جن بی بیون کے
التی فی حجورکم من نسائکم	ساتھ تم صحبت داری کر چکے ہو ان کی گیلڑ لڑکیان
التی دخلتم بهن فان لم	جو (اکثر) تمھارے گودون مین پرورش پاتی ہین
تکونوا دخلتم بهن فلا جناح	(تم پر حرام ہین) لیکن اگر ان بی بیون کے ساتھ تم نے
علیکم وحلائل ابنائکم	صحبت داری نہ کی ہو تو گیلڑ لڑکیون کے ساتھ
الذین من اصلابکم وان	نکاح کرنے سے تم پر کچھ گناہ نہین اور تمھاری
تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف	بہوئین یعنی تمھارے (اپنے) صلبی بیٹون کی

ان اللہ کان غفورا رحیما
والمحصنات من النساء الا ما ملکت
ایمانکم کتاب اللہ علیکم

بی بیان (بھی تم پر حرام ہین) اور دو بہنون کا ایک
ساتھ (نکاح مین رکھنا (بھی تم پر حرام ہی) مگر جو
ہو چکا (سو ہو چکا) بیشک اللہ معاف کرنے والا
مہربان ہی، اور وہ عورتین بھی حرام ہین جو دوسرے کے
قید (نکاح) مین ہون مگر وہ (جو کافرون کی لڑائی
مین قید ہو کر) تمہارے قبضے مین آگئی ہون یہ خدا
کا حکم تحریری ہی (جو تم پر لازم کیا جاتا ہی)،

اور حدیث مین ایک عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو نکاح مین رکھنا ممنوع قرار دیا گیا، اور جن عورتون کے ساتھ نسبی تعلقات کی بنا پر نکاح حرام ہے ان کے ساتھ رضاعی تعلقات سے بھی نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا،

قرآن مجید نے مسلمان مرد یا مسلمان عورت کا نکاح مشرک عورت اور مشرک مرد سے حرام کیا، چنانچہ خداوند تعالی سورۂ بقرہ مین فرماتا ہے،

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن
ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ
ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین
حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر
من مشرک ولو اعجبکم اولئک یدعون
الی النار واللہ یدعوا الی الجنۃ
والمغفرۃ باذنہ

اور مسلمانو! مشرک عورتین جب تک ایمان نہ لائین
اُن سے نکاح نہ کرو اور شرک کرنیوالی عورت کیسی ہی
تم کو بھلی (کیون نہ) لگے اُس سے مسلمان لونڈی
بہتر، اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئین اپنی عورتین
اُنکے نکاح مین نہ دو تمکو کیسا ہی بھلا (کیون نہ) لگے اُس سے
مسلمان غلام بہتر، یہ مشرک (مرد و زن) تو لوگون کو دوزخ
کی طرف بلاتے ہین اور اللہ بہشت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے

اور اہل کتاب کی عورتون کو اس آیت کے ذریعہ سے حلال کیا،

والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب — اور جن لوگون کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے
من قبلکم اذا آتیتموھن — ان مین کی (بھی) بیاہتا بی بیان (تمھارے لیے)
اجورھن محصنین غیر مسافحین — حلال ہین بشرطیکہ اُن کے مہران کے حوالے کرو (اور)
ولا متخذی اخدان — تمھارا ارادہ (ان کو) قیدِ نکاح مین لانے کا ہو
نہ کھلم کھلا بدکاری کرنیکا اور نہ چوری چھپے آشنا بنانیکا

اور پاکدامن عورت کا نکاح بدکار مرد کے ساتھ یا پاکدامن مرد کا نکاح بدکار عورت کے ساتھ حرام کیا،

الزانی لا ینکح الا زانیۃ او — یہ بدکار مرد (تو اپنی رغبت سے) بدکار عورت یا مشرکہ
مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحہا — عورت ہی سے نکاح کریگا اور یہ بدکار عورت
الا زان او مشرک وحرم — (بھی غالبًا اپنا ہی جیسا ڈھونڈھیگی اور اس کو)
ذلک علی المومنین — بدکار یا مشرک کے سوا کوئی نکاح مین نہین لائیگا،
اور مسلمانون پر تو ایسے تعلقات حرام ہین،

جو لوگ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہین رکھتے ان کیلیئے لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز قرار دیا اور فرمایا،

ومن لم یستطع منکم طولا ان — اور تم مین سے جسکو مسلمان بی بیون سے نکاح کرنیکا
ینکح المحصنٰت المومنات فمن ما — مقدور نہ ہو تو خیر، لونڈیان (ہی سہی) جو (کافرون کی
ملکت ایمانکم من فتیاتکم — لڑائی مین، تم مسلمانون کے قبضے مین آجائین بشرطیکہ
المومنات واللہ اعلم بایمانکم — ایمان رکھتی ہون اور اللہ تمھارے ایمان کو خوب جانتا ہے

بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف محصنٰت غیر مسافحات ولا متخذات اخدان،

(آدم زاد ہونے کے اعتبار سے تم ایک دوسرے کے ہمجنس ہو) پس لونڈیون کے مالکون کے اذن سے اُن کے ساتھ نکاح کرو اور دستور کے مطابق اُن کے مہر اُن کے حوالے کردو مگر شرط یہ ہے کہ قید (نکاح) مین لائی جائین (اور) نہ (تو تم سے) بازاری عورتون کا سا تعلق رکھنا چاہتی ہون اور نہ خانگیون کا سا،

حدیث مین عقدِ نکاح کے لیے بعض قیدین اور لگائی گئی ہین اور قرآن مجید نے مرد پر یہ فرض کردیا ہے کہ وہ مہر عورت کے حوالے کردے

واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم بہ منھن فآتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما،

ان کے علاوہ (سب عورتین) تمھارے لیے حلال ہین بشرطیکہ شہوت رانی کے لیے نہین بلکہ قیدِ (نکاح) مین لانے کے لیے مال (یعنی مہر کے بدلے نکاح کرنا) چاہو پھر جن عورتون سے تم نے (صحبت) اُٹھایا ہو تو ان سے جو مہر ٹھہرا تھا ان کے حوالے کرو اور ٹھہرائے پیچھے (مہر کے کم وبیش کرنے) آپس مین راضی ہو جاؤ تو تم پر اس مین کچھ گناہ نہین اور بیشک اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے (اور سب کام) حکمت (و تدبیر) سے کرتا ہے،

قرآن مجید نے عورت کے مقابلہ مین مرد کا جو درجہ قرار دیا وہ یہ ہے،

ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة،

اور جیسے (مردون کا) حق عورتون پر ہی ویسے ہی دستور کے مطابق عورتون کا (حق مردون پر) ہے ہان مردون کو عورتون پر فوقیت ہے،

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حافظات للغيب بما حفظ الله والتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا ان الله كان عليا كبيرا،

مرد عورتون کے سردھرے ہین (اس کے دو سبب ہین ایک) یہ کہ (آدمیون مین) اللہ نے بعض (یعنی مردون) کو بعض (یعنی عورتون) پر برتری دی ہی، اور (دوسرا سبب یہ کہ مردون نے (عورتون پر) اپنا مال خرچ کیا ہے تو جو نیک (بی بیان) ہین (مردون کا) کہا مانتی ہین (اور) خدا کی عنایت سے (اُن کے) پیٹھ پیچھے (ہر ایک چیز کی) حفاظت رکھتی ہین اور تم کو جن بی بیون کے جھگڑے کا اندیشہ ہو تو (پہلی دفعہ) اُن کو سمجھا دو پھر اُن کے ساتھ ہم بستری موقوف کرو اور (اس پر بھی نہ مانین تو اُن کے ساتھ مار پیٹ سے پیش آؤ پھر اگر تمھاری بات ماننے لگین تو تم بھی اُن پر (ناحق کے) پہلو نہ ڈھونڈھتے پھرو کیونکہ اللہ (سب پر غالب اور) بڑا زبردست ہے،

وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحا

اور (اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو (میان بی بی) دونون (مین کسی) پر کچھ گناہ نہین کہ (اصلاح کی کوئی بات

والصلح خیر واحضرت الانفس
الشح وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ
کان بما تعملون خبیرا
ولن تستطیعوا ان تعدلوا
بین النساء ولو حرصتم
فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا
کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا
فان اللہ کان غفوراً رحیما،

ٹھہر کر) آپس میں صلح کرلیں اور صلح (بہرحال) بہتر ہے
اور (تھوڑا بہت) بخل تو سب کی طبیعت میں ہوتا ہے
اور اگر (ایک دوسرے کے ساتھ) سلوک کرو اور
سخت گیری سے) بچے رہو تو خدا تمہارے ان نیک
کاموں سے باخبر ہے اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا
چاہو لیکن یہ تو تم سے نہ ہو سکے گا کہ (کئی کئی)
بی بیوں میں (پوری پوری) برابری کرسکو تو بالکل
(ایک ہی کی طرف) مت جھک پڑو کہ دوسرے کو
(اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا (ادھر میں) لٹک رہی ہے
اور اگر (آپس میں) موافقت اور (ایک دوسرے پر
زیادتی کرنے سے) بچے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے اگرچہ حقوق میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات کی بنیاد قائم کی ہے تاہم گھر کا سردار مرد ہی کو بنایا ہے اور حسن معاشرت کا بہ کثرت حکم دیا ہے اسی طرح احادیث میں بھی مردوں کو حسن معاشرت کا بہ کثرت حکم دیا گیا ہے،

Talaq in Islam

طلاق

خداوند تعالی نے نظام اجتماع یعنی نکاح کی طرح نظام افتراق یعنی طلاق کو بھی شروع کیا لیکن طلاق کو بالکل آزادانہ اور خودمختارانہ چیز نہیں بنایا بلکہ عقد نکاح کے گرد ایسی چار دیواریاں قائم کردیں جو اس کو وقتی تاثرات سے محفوظ رکھ سکیں چنانچہ

ان حدود کی تفصیل یہ ہے،

(۱) خداوند تعالیٰ نے انسان کے احساسِ نفرت کو جو افتراق کا سبب ہے مشکوک قرار دیا اور فرمایا،

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا

اور بی بیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے رہو سہو اور تم کو (کسی وجہ سے) وہ ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اسمیں بہت سی خیر (و برکت) دے،

اور اس حدیث کے بھی یہی معنی ہیں،

لا یفرک مومن مومنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا آخر

کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے ناچاقی نہ رکھے، اگر اس کا ایک خلق اس کو ناپسند ہوگا تو اس کا دوسرا خلق پسند آئے گا،

اسی طرح عورت کو بھی طلبِ صلح کی ترغیب دی،

وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر،

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو (میاں بی بی) دونوں (میں کسی) پر کچھ گناہ نہیں کہ (اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر) آپسمیں صلح کرلیں اور صلح (بہر حال) بہتر ہے،

(۲) جس وقت باہم ناچاقی کا اندیشہ ہو تحکیم یعنی پنچ ماننے کا حکم دیا، چنانچہ مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا،

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما ان الله کان علیما خبیرا

اور اگر تم کو میان بی بی مین کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے مین سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے مین سے اگر پنچون کا (دلی) ارادہ (میان بی بی مین) اصلاح کرا دینے کا ہو گا تو اللہ (اُن کے سمجھانے بجھانے سے) دونون مین موافقت کرا دے گا بیشک اللہ (سب کے دلی ارادون سے) واقف (اور) خبردار ہے،

یہ خطاب تمام مسلمانون کے ساتھ کیا گیا ہے اور اس کا نفاذ ان کا قائم مقام یعنی ان کا حاکم کرے گا،

(۳) متذکرہ بالا احکام کے نفاذ کے بعد اگر طلاق کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار نہ ہو تو طلاق ابتدائے عدت یعنی عورت کی اس پاکی کے زمانے مین جس مین مرد نے اس سے مقاربت نہ کی ہو دینی چاہیے،

یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا الله ربکم

اے پیغمبر (مسلمانون سے کہو کہ) جب تم (اپنی بیبیون) کو طلاق دینی چاہو تو اُن کو ان کی عدت کے شروع مین طلاق دو اور (طلاق کے بعد ہی سے) عدت گننے لگو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قرآن مجید کے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ صلعم نے اس کو ناپسند فرمایا اور اُن کو حکم دیا کہ وہ اپنی بی بی کو واپس لے لین اور جب طلاق دینی چاہین تو حکم قرآنی کے مطابق دین،

(۴) یہ حکم دیا کہ عدت کے پورے زمانہ مین عورت سسرال ہی مین قیام کرے کیونکہ جبتک اُس سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جو اُس کے نکال دینے کا سبب ہو وہ بدستور بی بی باقی رہے گی،

ولا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان يأتين بفاحشة مبينة وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك امرا،

(عدت مین) ان کو اُن کے گھرون سے نہ نکالو اور وہ (خود بھی) نہ نکلین مگر یہ کہ کھلم کھلا کوئی بیحیائی (کا کام) کر بیٹھین (تو اُن کو نکال دینے کا مضائقہ نہین) اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدین ہین، اور جس شخص نے اللہ کی (باندھی ہوئی) حدون سے قدم باہر رکھا تو اس نے (آپ) ہی اپنے اوپر ظلم کیا، (اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے تو نہین جانتا) شاید اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی کوئی صورت پیدا کردے)

اخیر کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو سسرال مین قیام کا حکم کیون دیا گیا ہے؟

(۵) عدت کے گذرنے کے بعد شوہر کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ عورت کو واپس لیلیے یا اس کو عملاً چھوڑ دے لیکن دونون حالتون مین گواہون کی ضرورت ہے جو دونون کیلیے گواہی دین،

فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوي عدل

پھر جب عورتین اپنی عدت کو پوری کرنے پر آئین تو یا تو رجوع کر کے (سیدھی طرح ان کو (اپنی زوجیت) مین رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کر دو اور

منکم واقیموا الشھادۃ للہ | (جو کچھ بھی کرو) اپنے (لوگون) مین دو معتبر آدمیون کو گواہ کر لو اور (گواہو!) گواہی کی ضرورت آپڑے تو اللہ کا پاس کرکے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا)

لیکن جب تک عدت کا زمانہ باقی ہے شوہر کو عورت کے واپس لینے کا زیادہ مستحق قرار دیا،

وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادوا اصلاحا، | اور اُن کے شوہر (اُن کو) اچھی طرح رکھنا چاہین تو وہ اس اثنا مین اُن کو (اپنی زوجیت مین) واپس لینے کے زیادہ حقدار ہین،

(۶) مختلف عورتون کو مختلف عدتون کے گذارنے کا حکم دیا، یعنی حائضہ عورت کی عدت کا زمانہ تین حیض کے آنے تک مقرر کیا،

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء | اور جن عورتون کو طلاق دیگئی ہو وہ اپنے آپ کو تین حیضون کے آنے تک روک رکھین،

اور آئسہ (وہ معمر عورتین جن کا حیض اقتضائے سن سے بند ہوگیا ہو) اور غیر حائضہ (یعنی وہ عورتین جن کو اب تک حیض نہین آیا ہی) کی عدت کا زمانہ تین ماہ قرار دیا،

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن، | اور (مسلمانو!) (تمھاری مطلقہ) بی بیون مین سے جن کو (پیرانہ سالی کی وجہ سے) حیض کے آنے کی امید نہین رہی اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت (حیض سے نہین بلکہ دنون کے حساب سے) تین مہینے اور (علی ہذا القیاس) جن عورتون کو حیض کے آنیکی نوبت ہی نہین آئی،

اور حاملہ عورتوں کی عدت کا زمانہ وضع حمل قرار دیا،

واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن

اور (رہیں) حاملہ عورتیں (سو) ان کی عدت ان کے بچے جننے تک،

اور جن عورتوں کے ساتھ اُن کے شوہروں نے مقاربت نہیں کی ہے اُن کو عدت سے مستثنیٰ کر دیا،

اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها

مسلمانو جب تم مسلمان عورتوں کو اپنے نکاح میں لاؤ پھر اُن کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو عدت (میں بٹھانے کا) تم کو اُن پر کوئی (حق) نہیں کہ لگو عدت کی (اُن سے) گنتی پوری کرانے،

اور زمانۂ عدت میں مرد کو عورت کے ساتھ رفق و ملاطفت کا حکم دیا،

اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن حتى يضعن حملهن فان ارضعن لكم فآتوهن اجورهن وأتمروا بينكم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع له اخرى لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله

مطلقہ عورتوں کو (عدت کے لیے) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو اور ان پر سختی کرنے کیلیے ان کو ایذا نہ دو، اور اگر حاملہ ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ اُٹھاتے رہو پھر (بچہ جنے پیچھے) اگر وہ (بچے کو) تمہارے لیے دودھ پلائیں تو ان کو انکی دودھ پلائی دو اور آپس کی صلاح سے دستور کے مطابق (اجرت وغیرہ کا) ٹھہراؤ کرلو اور آپس میں کشمکش کروگے تو (مرد کو کوئی) اور (عورت میسر آجائیگی اور وہ) اس کے لیے (بچے کو) دودھ پلا دے گی جسکو گنجائش ہو

نفسا الا ما آتٰہا سیجعل اللہ بعد
عسر یسرا
(طلاق ۱)

اسکو چاہیے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے اور جسکی
آمدنی تنگی ہو وہ جتنا خدا نے اسکو دیا ہے اسکے موافق خرچ کرے
خدا نے سب کو جتنا دے رکھا ہے اس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینی
نہیں چاہتا دگھبرانے کی بات نہیں، خدا تنگی کے بعد جلد

(۷) یہ حکم دیا کہ جس عورت کو طلاق دی جائے اس کے ساتھ اتنا سلوک کر دینا چاہیے جو اس کے لیے موجب تسکین ہو، اور جس عورت کی مہر متعین نہ ہو اور اسکو مقاربت سے پہلے طلاق دیدی جائے اس کے لیے اس حق کو فرض قرار دیا،

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم
تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ
ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی
المقتر قدرہ متاعا بالمعروف
حقا علی المحسنین،

اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کا مہر
ٹھہرایا ہو اور اس سے پہلے ان کو طلاق دیدو تو اس میں
تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں ایسی عورتوں کے ساتھ کچھ
سلوک کر دو مقدور والے پر اپنی حیثیت کے مطابق
(سلوک کرنا لازم ہے) اور بے مقدور پر اپنی حیثیت کے
مطابق (اور) سلوک (جو کچھ بھی ہو) دستور کے مطابق
جن کا شیوہ احسان کرنے کا ہے ان پر ایسی عورتوں کا
بھی ایک طرح کا) حق ہے،

اس کے بعد اس کا ذکر ایک عام لفظ میں کیا،

وللمطلقات متاع بالمعروف
حقا علی المتقین،

اور جن عورتوں کو طلاق دیجائے انکے ساتھ (مہر کے علاوہ بھی)
دستور کے مطابق (جوڑے وغیرہ سے کچھ) سلوک کرنا مناسب ہے
کہ پرہیزگاروں پر انکا یہ بھی ایک طرح کا حق ہے

اور جن عورتوں کو قبل از مقاربت طلاق دی جائے اُن کی نسبت فرمایا،

فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا،

تو ایسی صورت میں اُن کو کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردو،

لیکن جن عورتوں کا مہر متعین کردیا گیا ہے اگر ان کو قبل از مقاربت طلاق دیدی جائے تو اُن کے لیے نصف مہر کا ادا کرنا ضروری قرار دیا،

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب للتقوی ولا تنسوا الفضل بینکم ان اللہ بما تعملون بصیر،

اور اگر مقاربت سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو اور اُنکا مہر ٹھہرا چکے ہو تو جو کچھ تم نے ٹھہرایا تھا اس کا آدھا (دینا آئیگا) مگر یہ کہ (عورتیں) چھوڑ بیٹھیں یا (مرد) جسکے ہاتھ میں عقد نکاح (کا جوڑے رکھنا یا توڑ دینا) ہے وہ (اپنا حق) چھوڑ دے (یعنی پورا مہر دینے پر راضی ہو) اور (اپنا حق) چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور آپس کی بڑائی کو مت بھولو جو (کچھ بھی تم) کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے،

(۸) اگر مرد عورت کو کچھ دے چکا ہے تو اس کو اُس کے واپس لینے کی ممانعت فرمائی،

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا اتاخذونہ بھتانا واثما مبینا وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم

اور اگر تمھارا ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سا مال دیدیا ہو تاہم اس میں سے کچھ بھی (واپس) نہ لینا کیا تمھاری غیرت جائز رکھتی ہے کہ کسی قسم کا بہتان لگا کر اور صریح بیجا بات کر کے

میثاقا غلیظا،

اپنا دیا ہوا (اس سے واپس) لیتے ہو اور دیا ہوا کیسے (واپس) لیلو گے حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور بی بیاں نکاح کے وقت مہر و نفقہ وغیرہ کا) تم سے پکا قول لے چکی ہیں،

لیکن جب میاں بی بی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت سے کچھ مال لینے کی اجازت دی،

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموهن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود الله فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به تلک حدود الله فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فاولئک هم الظلمون

اور جو تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے تم کو کچھ بھی واپس لینا جائز نہیں، مگر یہ کہ میاں بی بی (اس بات کا) خوف ہو کہ خدا نے (میاں بی بی کے سلوک کی) جو حدیں ٹھہرا دی ہیں ان پر قائم نہیں رہ سکیں گے، تو اس صورت میں کہ تم لوگوں کو اس بات کا خوف ہو کہ میاں بی بی اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور عورت (اپنا پیچھا چھڑانے کے عوض) کچھ دے تو اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں، یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں تو ان سے (آگے) مت بڑھو اور جو اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں سے آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ برسر ناحق ہیں،

(۹) طلاق کے تجربہ کی حد دو بار قرار دی،

الطلاق مرتان فامساک بمعروف

طلاق (جس کے بعد رجوع بھی ہو سکتا ہے تو وہ) دو ہی

او تسریح باحسان

طلاقیں ہیں جو) دو دفعہ کرکے دی جائیں) پھر (دو
طلاقوں کے بعد یا تو) دستور کے مطابق (زوجیت میں)
رکھتا ہے) یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کردینا،

لیکن جب تیسری بار طلاق دیدی تو وہ عورت اسپر بالکل حرام ہوگئی اور اس کے بعد میاں بی بی میں سے ہر ایک کو اپنا شریکِ زندگی تلاش کرنا چاہیئے،

فان طلقها فلا تحل له من بعد
حتی تنکح زوجا غیره

اب اگر عورت کو (تیسری بار) طلاق دیدی تو اُس کے
بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے
اس کے لیے حلال نہیں (ہو سکتی)

لیکن جب بی بی دوسرے شوہر کا تجربہ کر چکے تو اس کے بعد پہلا شوہر دوسری بار اس سے نکاح کرسکتا ہے،

فان طلقها فلا جناح علیهما ان
یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود الله
وتلک حدود الله یبینها لقوم یعلمون

ہاں اگر دوسرا شوہر ہم بستر ہوکر) اسکو طلاق دیدے
تو دونوں (میاں بی بی) پر کچھ گناہ نہیں کہ (پھر)
ایک دوسری کی طرف رجوع کرلیں بشرطیکہ دونوں کو
توقع ہو کہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں پر قائم رہ سکیں گے
اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں جن کو ان لوگوں
کے لیے بیان فرماتا ہے جو مصالحِ خانہ داری کو) سمجھتے ہیں)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھیں" اور یہ (واللہ اعلم) اس بنا پر تھا کہ اگر شوہر کو یہ اجازت دیدی جاسے کہ وہ ایک ہی بار میں اپنی بی بی کو اپنے اوپر بالکل محرم

طور پر حرام کرے تو اُس سے وہ فوائد و خصوصیات بالکل معدوم ہو جائینگی جو قرآن مجید کی
اُن آیتون سے نکلتی ہین جن مین دو بار کی طلاق مین رجعت کی اجازت ہے اور تیسری
بار کی طلاق مین عورت بالکل حرام کر دی گئی ہے،

(۱۰) قرآن مجید نے علحدگی کی اور چند صورتون کا جو زمانۂ جاہلیت مین طلاق سمجھی
جاتی تھین ذکر کیا ہے اور ان کا ایک نظام قائم کر دیا ہے،

(۱) ان مین پہلی صورت ایلا کی ہے جس کے معنی یہ ہین کہ شوہر یہ قسم کھالے کہ
وہ اپنی بی بی سے مقاربت نہ کریگا، چنانچہ اُس کے متعلق خداوند تعالی نے فرمایا،

للذين يؤلون من نسائهم تربص	جو لوگ اپنی بی بیون کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھین
اربعة اشهر فان فآءو فان الله	ان کو چار مہینے کی مہلت ہے پھر اس مدت مین
غفور رحيم وان عزموا الطلاق	اگر رجوع کر لین تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق
فان الله سميع عليم (بقره ۲۸)	کی ٹھان لین تو بھی اللہ سنتا اور جانتا ہے،

اس آیت کی ترتیب و نظام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارع ؑ نے شوہر کے لیے ایک ایسی
انتہائی مدت مقرر فرما دی ہے، جس کے گذرنے سے پہلے وہ اپنی قسم کی حفاظت کر سکتا ہے
لیکن اگر اس مدت مین رجوع کرے تو خدا اس کو قسم کے مواخذہ سے جیسا کہ اس سے
پہلے کی آیت سے ثابت ہوتا ہے بری کر دیگا،

ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم	اور خدا کو یعنی اُس کے نام کو لوگون کے ساتھ سلوک
ان تبروا وتتقوا وتصلحوا	کرنے اور پرہیزگاری رکھنے اور لوگون مین ملاپ
بين الناس والله سميع عليم	کرانے کا مانع (و مزاحم) نہ ٹھہراؤ اور اللہ سنتا اور
لا يؤاخذكم الله باللغو	جانتا ہے تمھاری قسمون مین جو لغو (یعنی) قسمین ہین ان پر خدا تم سے

ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم والله غفور حليم

کچھ مواخذہ کرتا نہین لیکن ان قسمون پر تم سے مواخذہ کریگا جو تمھارے دلی ارادہ سے ہون اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے

(۲) دوسری صورت ظہار کی ہے یعنی اہل عرب کے نزدیک عورت کے حرام کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ شوہر اپنی بی بی کو یہ کہکر اپنے اوپر حرام کرلیتا تھا کہ "تو میرے مان کی پیٹھ کے مثل ہے" چنانچہ خداوند تعالی نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی

قد سمع الله قول التي تجادلك في زوجها وتشتكي الى الله والله يسمع تحاوركما ان الله سميع بصير الذين يظاهرون منكم من نسائهم ما هن امهاتهم ان امهاتهم الا الّائي ولدنهم وانهم ليقولون منكرا من القول وزورا وان الله لعفو غفور والذين يظاهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالوا فتحرير رقبة من قبل ان يتماسا ذلكم توعظون به والله بما تعملون خبير فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين

(اے پیغمبر) اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سُن لی جو اپنے شوہر (اوس بن صامت) کے بارے مین تم سے جھگڑتی اور خدا سے فریاد کرتی تھی اور اللہ تم دونون کی گفتگو سن رہا تھا بیشک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (مسلمانو!) جو لوگ تم مین سے اپنی بی بیون کے ساتھ ظہار کر بیٹھین وہ دیکھو ان کی مائین (تو ہین) نھین ان کی مائین تو وہی ہین جنھون نے اُن کو جنا ہو دیگر، ہان (بی بی کو مان کہہ بیٹھنے سے) اُنھون نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات کہی اور بیشک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بی بیون سے ظہار کرتے ہین پھر لوٹکر وہی (کام) کرنا چاہتے ہین جسکو کہہ چکے ہین کہ نہین کرینگے تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد کو) ایک غلام

من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ

(مجادلہ ع ۱)

آزاد کرنا (چاہیئے مسلمانو!) تم کو یہ نصیحت کی جاتی ہے (تاکہ اس پر کاربند رہو) اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے پھر جسکو غلام میسّر نہو تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد) لگاتار دو مہینے کے روزے (رکھے) اور جس سے یہ نہو سکے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے یہ (حکم) اس لیے (دیا جاتا ہے) کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر (پورا پورا) ایمان لے آؤ،

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ شریعت نے طلاق کا جو نظام قائم کیا ہے وہ ایک ایسا بہترین نظام ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو اس مین بھلائی ہی بھلائی ہے کیونکہ میان بی بی کے اختلاف کی بنا پر اگر سخت ناگواری کی صورت پیدا ہوجائے تو اس نظام کے رُو سے شوہر کیلیے بی بی کے ساتھ رہنا لازمی نہین ہے لیکن اسی کے ساتھ علیحدگی کا معاملہ بھی ایسا آسان نہین کہ بغیر ضمانت وکفالت کے طے ہوجائے،

اگر عورت کا شوہر مرجائے تو شارع نے اس پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ اس کا سوگ کرے چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے،

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن

اور تم مین جو لوگ مرجائین اور بی بیان چھوڑ مرین تو (عورتون کو چاہیے کہ) چار مہینے اور دس دن اپنے تئین روکے رکھین پھر جب اپنی (عدت کی) مدت پوری کرلین تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق مین کرین اس کا

فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر، (وارثان میت) پر کچھ الزام نہین اور تم لوگ جو کچھ (بھی) کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے،

اور اس کا یہ حق قرار دیا کہ وہ اگر چاہے تو سسرال مین ایک سال تک قیام کرسکتی ہے اور اس حالت مین اُس کے مصارف شوہر کے ترکہ سے ادا کیے جاینگے،

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم، اور جو لوگ تم مین سے مرجائین اور بی بیان چھوڑ مرینا تو اپنی بی بیون کے حق مین ایک برس تک کے سلوک (یعنی نان ونفقے) اور (گھر سے) نہ نکالنے کی وصیت کرمرین، پھر اگر عورتین (از خود گھر سے) نکل کھڑی ہون تو جائز باتون مین سے جو کچھ اپنے حق مین کرین اس کا تم پر کچھ گناہ نہین اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے،

تھوڑے سے غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونون آیتون مین کوئی تضاد نہین ہے، کیونکہ پہلی آیت مین عورت کے فرض کا ذکر ہے، اور دوسری آیت مین اس کے حق کا تذکرہ ہے،

اور ایسی عورتون کے ساتھ کھلم کھلا نکاح کی بات چیت کرنے کی ممانعت کی، البتہ کنایۃً و تعریضاً اس کی اجازت دی،

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا اور اگر تم کسی بات کی آڑ مین (ان) عورتون کو نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل مین چھپائے رکھو تو اُس مین (بھی) تم پر کچھ گناہ نہین، اللہ کو معلوم ہے کہ تم کو

تواعدوهن سرا الا ان تقولوا
قولا معروفا ولا تعزموا عقدة
النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله
واعلموا ان الله يعلم ما فى انفسكم
فاحذروه واعلموا ان الله غفور
حليم،

(ان عورتوں سے نکاح کر لینے) کا خیال آئیگا،
(سو مضائقہ کی بات نہیں) مگر ان سے (نکاح کا
ٹھراؤ تو چپکے سے بھی نہ کرنا ہان جائز طور پر بات
کہہ گزرو (تو کچھ حرج کی بات نہیں) اور جب تک
میعاد مقرر (یعنی عدت) اختتام کو نہ پہونچ لے
عقد نکاح کی بات پکی نہ کر بیٹھنا اور جانے رہو کہ
جو کچھ تمھارے جی مین ہی اللہ (اسکو) جانتا ہے تو

[illegible]

قرآن مجید نے مطلقہ مان سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلائے

والوالدات يرضعن اولادهن
حولين كاملين لمن اراد ان يتم
الرضاعة وعلى المولود له رزقهن
وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس
الا وسعها لا تضار والدة بولدها
ولا مولود له بولده وعلى الوارث
مثل ذلك فان ارادا فصالا عن
تراض منهما وتشاور فلا جناح
عليهما وان اردتم ان تسترضعوا
اولادكم فلا جناح عليكم اذا سلمتم
ما آتيتم بالمعروف واتقوا الله

اور جو شخص (بی بی کو طلاق دیے پیچھے اپنی اولاد کو)
پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہئے تو اس کی خاطر
مائین اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائین اور
جس کا وہ بچہ ہے (یعنی باپ) اسپر دستور کے
مطابق ماؤن کا کھانا کپڑا دینا لازم ہے (نان و نفقہ
کے ٹھرا دین) کسی کو تکلیف نہ دی جائیگی مگر وہین تک
کہ اس کی گنجایش ہو (مان کو اُس کے بچہ کی وجہ سے
نقصان نہ پہونچایا جائے اور نہ اس کو جس کا بچہ ہے
(یعنی باپ کو) اسکے بچہ کی وجہ سے (کسی طرح کا
نقصان پہونچایا جائے) اور دودھ پلانے کا
نان و نفقہ جیسا اصل باپ پر ویسا (اُس کے) وارثہ

واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر،

پھر اگر (وقت سے پہلے ماں باپ) دونوں اپنی مرضی وصلاح سے (دودھ) چھڑانا چاہیں، تو اُن پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو (کسی دایہ سے) دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی (تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ جو تم نے دستور کے مطابق (اُن کو) دینا کیا تھا (اُن کے) حوالے کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے،

نظام منزلی کے سلسلے میں قرآن مجید میں اور چند چیزیں مذکور ہیں،

(۱) ایک تو یتیموں کی سرپرستی و اصلاح کے احکام، چنانچہ خدا وند تعالی نے فرمایا

ویسئلونک عن الیتامی قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم فاخوانکم

اور (اے پیغمبر لوگ) تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (تو اُن کو سمجھا دو کہ جس میں اُن (یتیموں) کی بہتری (ہو وہی) بہتر ہے اور اگر اُن سے رل مل کر رہو تو (وہ) تمھارے بھائی ہیں (کوئی غیر نہیں)

اور فرمایا،

وآتوا الیتامی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا

اور یتیموں کے مال اُن کے حوالے کرو اور مال طیب کے بدلے مال حرام نہ لو اور اُن کے مال اپنے مالوں میں ملا کر خورد برد نہ کرو، کیونکہ یہ (بہت ہی) بڑا گناہ ہے،

اور فرمایا،

وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح

اور یتیموں کو (دنیا کے) کاروبار میں لگائے رہو یہاں تک

فان آنستم منهم رشدا فادفعوا
اليهم اموالهم ولا تاكلوها اسرافا
وبدارا ان يكبروا ومن كان غنيا
فليستعفف ومن كان فقيرا فلياكل
بالمعروف فاذا دفعتم اليهم
اموالهم فاشهدوا عليهم
وكفى بالله حسيبا ،

کہ نکاح (کی عمر) کو پہونچین اسوقت اگر اُن مین صلاحیت
دیکھو تو اُن کے مال اُن کے حوالے کرو اور ایسا نہ کرنا
کہ ان کے بڑے ہونے کے اندیشے سے فضول خرچی
کرکے جلدی جلدی اُن کا مال کھا (پی) ڈالو اور جو
(ولی سرپرست) با مقدور ہو اُسے (مال یتیم کے
اپنے اوپر خرچ کرنے سے) بچا رہنا چاہیئے اور جو حاجتمند
ہو وہ دستور کے مطابق (بقدر ضرورت) کھالے (تو
مضائقہ نہین) پھر جب اُن کے مال ان کے حوالے
کرنے لگو تو (لوگون کو) اُن (کے مال کے لینے) کا
گواہ کر لو ورنہ حساب لینے کو (تو حقیقت مین) اللہ بس ہے؛

اسکے بعد فرمایا،

وليخش الذين لو تركوا من خلفهم
ذرية ضعافا خافوا عليهم فليتقوا الله
وليقولوا قولا سديدا ان الذين
ياكلون اموال اليتامى ظلما
انما ياكلون فى بطونهم نارا
وسيصلون سعيرا

اور وارثان حقدار کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر (خود) اپنے
(مرے پیچھے) اولاد ضعیف چھوڑ جاین تو اُن (کے
حال) پر اُن کو (کیسا کچھ) ترس (نہ) آتا تو چاہیئے
کہ (غربا کے ساتھ سختی کرنے مین) اللہ سے ڈرین
اور (اُن سے) سیدھی طرح بات کرین جو لوگ ناحق
(نا روا) یتیمون کے مال خورد برد کرتے ہین وہ اپنے
پیٹ مین بس انگارے بھرتے ہین اور عنقریب
(مرے پیچھے) دوزخ مین پڑین گے

اور یتیمون کے متعلق جو احکام دیے اُن کے سلسلے مین فرمایا،

وان تقوموا للیتامی بالقسط

اور (خاصکر) یہ کہ یتیمون کے حق مین انصاف کو ملحوظ رکھو،

(۲) دوسرے وصیّت، چنانچہ ارشاد ہوا،

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقا على المتقين فمن بدله من بعد ما سمعه فانما اثمه على الذين يبدلونه ان الله سميع عليم فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بينهم فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم،

(مسلمانو!) تم کو حکم دیا جاتا ہی کہ جب تم مین سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور) وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ دارون کے لیے واجبی طور پر وصیت (کر مرے)، جو (خدا سے) ڈرتے ہین اُن پر (اُن کے اپنون کا یہ ایک) حق ہی پھر جو وصیت کے سُنے پیچھے اُسے کچھ کا کچھ کردے تو اس کا گناہ انہی لوگون پر ہے جو وصیت کو بدلین بیشک اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہی اور جسکو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی خاص شخص کی) طرفداری یا (کسی کی) حق تلفی کا اندیشہ ہوا ہو اور وہ وارثون مین میل کرادے (تو ایسی صورت مین وصیت کے بدلنے کا) اسپر کچھ گناہ نہین، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہی،

اور حدیث مین بھی اسی مفہوم کی تائید کی گئی، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا،

ما حق امرئ مسلم له شيء يريد ان يوصي فيه يبيت ليلتين الا ووصيته

ایک مسلمان کا جسکے پاس کچھ مال ہو اور وہ اُس کی وصیت کرنی چاہتا ہو صرف یہ فرض ہی کہ وہ رات

مکتوبۃ عندہ

بسر کرے تو اس کی وصیت اُس کے پاس لکھی ہوئی
موجود رہنی چاہیے،

(۳) تیسرے آداب استیذان یعنی کسی کے گھر آنے جانے کے طریقے، چنانچہ
خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

یا ایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر
بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا
علی اهلها ذلکم خیر لکم لعلکم
تذکرون فان لم تجدوا
فیها احدا فلا تدخلوها
حتی یوذن لکم وان قیل لکم
ارجعوا فارجعوا هو ازکی لکم
والله بما تعملون علیم لیس علیکم
جناحٌ ان تدخلوا بیوتا غیر
مسکونة فیها متاعٌ لکم والله یعلم
ما تبدون وما تکتمون،

مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا (دوسرے) گھروں مین
گھر والون سے پوچھے اور اُن سے سلام علیک کیے بدون
نہ جایا کرو یہ تمھارے حق مین بہتر ہی (یہ حکم تم کو اس غرض
سے دیا گیا ہی) کہ (جب ایسا موقع ہو تو تم) اس کا خیال
رکھو، پھر اگر تم کو معلوم ہو کہ گھر مین کوئی آدمی موجود نہین
تو جب تک تمھین (خاص) اجازت نہ ہو ان مین
نہ جاؤ اور (اگر گھر مین کوئی ہو اور) تم سے کہا جائے
کہ (اس وقت موقع نہین) لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ،
یہ (لوٹ آنا) تمھارے لیے زیادہ صفائی کی بات
ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس کو جانتا ہے
غیر آباد مکانون مین جنہین تمھارا اسباب ہو اُن مین
(بے اجازت) چلے جانے سے تم پر (کچھ) گناہ
نہین اور جو کچھ تم علانیہ کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپایا کرتے
ہو اللہ (سب) جانتا ہی،

اور فرمایا،

يا ايها الذين آمنوا ليستاذنكم
الذين ملكت ايمانكم والذين لم
يبلغوا الحلم منكم ثلث مرات من
قبل صلوة الفجر وحين تضعون
ثيابكم من الظهيرة ومن بعد
صلوة العشاء ثلث عورات لكم
ليس عليكم ولا عليهم جناح
بعدهن، طوافون عليكم بعضكم
على بعض كذلك يبين الله لكم
آيات والله عليم حكيم،

مسلمانو! تمھارے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلام)
اور تم مین سے جو (حد) بلوغ کو نہین پہونچے، تین
وقتون مین (تمھارے پاس آنے کی) تم سے اجازت
لے لیا کرین (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے)
جب تم دوپہر کو (سونے کے لیے معمول کے مطابق)
کپڑے اُتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشا کے بعد
(یہ) تین وقت تمھارے پردے کے وقت ہین،
ان (اوقات) کے سوا نہ (تو بے اذن آنے دینے
مین) تم پر کچھ گناہ اور نہ (بے اذن چلے آنے مین)
ان پر (کچھ گناہ کیونکہ وہ) اکثر تمھارے پاس آتے
جاتے رہتے ہین (اور) تم مین سے بعض کو (یعنی لونڈی
غلامون کو) بعض (یعنی تمھارے) پاس آنے جانے
کی ضرورت لگی ہی رہتی ہی (تو بار بار اذن مانگنے مین
تم کو بڑی تکلیف ہوگی) یون اللہ (اپنے) احکام تم سے
کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے،

اور فرمایا،

فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على
انفسكم تحية من عند الله مباركة
طيبة

توجب گھرون مین جانے لگو تو اپنے (لوگون) کو سلام
کر لیا کرو (سلام ایک) دعائے خیر ہی جو تم مسلمانون کو
خدا کی طرف سے (تعلیم کی گئی ہی) برکت والی عمدہ،

اور رسول اللہ صلعم کے کاشانہائے مبارکہ کی نسبت خصوصیت کے ساتھ فرمایا،

یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر ناظرین اناہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم واللہ لا یستحیی من الحق،

مسلمانو پیغمبروں کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لیے (آنے کی) اجازت دی جائے تو (اس صورت میں) ایسا وقت تاک کر جاؤ کہ تم کو کھانے کے تیار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑے مگر جب تم کو بلایا جائے تو (عین وقت پر) جاؤ اور جب کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی تھی اور وہ تمھارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ تو حق (بات کے کہنے) میں (کسی کا کچھ) لحاظ کرتا نہیں،

(۴) چوتھے آداب حجاب یعنی پردہ کے طریقے، پردے کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو عورت کے لباس، اسباب آرائش، اور مرد کی طرف اس کے دیکھنے اور اسکی طرف مرد کے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، دوسرے وہ جو عورت کے گھر سے نکلنے اور کاروبار میں مرد کے ساتھ شریک ہونے سے متعلق ہے، ان دونوں قسموں میں سے پہلی صورت کے متعلق خداوند تعالی نے فرمایا،

وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن

اور (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے (چارو ناچار) کھلا رہتا ہے (تو اس کا ظاہر ہونے دینا مضائقے کی بات نہیں)

الا لبعولتهن او آبائهن او آباء
بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن
او اخوانهن او بنی اخوانهن
او بنی اخواتهن او نسائهن او ما
ملکت ایمانهن او التابعین غیر
اولی الاربة من الرجال
او الطفل الذین لم یظهروا
علی عورات النساء ولا یضربن
بارجلهن لیعلم ما یخفین من
زینتهن وتوبوا الی الله جمیعا
ایها المومنون لعلکم تفلحون،

اور اپنے سینون پر دوپٹون کے بکل مارے رہین
اور اپنی زینت (کے مقامات) کو (کسی پر) ظاہر ہونے
دین مگر اپنے شوہرون پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند
کے باپ پر یا اپنے بیٹون پر یا اپنے شوہر کے بیٹون پر
یا اپنے بھائیون پر یا اپنے بھتیجون پر یا اپنے بھانجون پر
یا اپنی (دینی میل جول کی) عورتون پر یا اپنے ہاتھ کے
مال (یعنی لونڈی غلامون) پر یا (گھر کے لگے ہوے
ایسے خدمتیون پر کہ مرد (تو ہین مگر عورتون سے کچھ)
غرض (ومطلب) نہین رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڈھے
پھوس) یا لڑکون پر جو عورتون کے پردے (کی بات)
سے آگاہ نہین اور (چلنے مین) اپنے پانون ایسے
زور سے نہ رکھین کہ (لوگون کو) اُن کے اندرونی زیور
کی خبر ہو اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب مین
توبہ کرو تاکہ تم (آخر کار) فلاح پاؤ،

اور فرمایا،

یا ایها النبی قل لازواجك
وبناتك ونساء المومنین یدنین
علیهن من جلابیبهن ذلك ادنی ان
یعرفن فلا یوذین وکان الله غفورا رحیما

اے پیغمبر اپنی بیبیون اور اپنی بیٹیون اور مسلمانون کی عورتون سے
کہدو کہ اپنی چادرون کے گھونگھٹ نکال لیا کرین اس سے
غالبًا یہ (الگ) پہچان پڑینگی (کہ نیک بخت ہین)
اور کوئی چھیڑیگا نہین اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

اور فرمایا،

والقواعد من النساء اللاتی لایرجون نکاحا فلیس علیهن جناح ان یضعن ثیابهن غیر متبرجات بزینة وان یستعففن خیر لهن والله سمیع علیم،

اور بوڑھی عورتین جن کو نکاح کی امید (باقی) نہین (رہی) اگر اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اتار رکھین تو اس مین اُن پر کچھ گناہ نہین بشرطیکہ ان کو اپنا بناؤ دکھانا منظور نہو اور (اگر اس کی بھی) احتیاط رکھین تو ان کے حق مین بہتر ہے اور اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے،

دوسری صورت کے متعلق ازواج مطہرات رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا،

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ،

اور اپنے گھرون مین ٹھہری رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کا بناؤ سنگار نہ دکھاؤ،

اور اُن کے بارے مین ارشاد ہوا،

واذا سالتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذلکم اطهر لقلوبکم وقلوبهن وما کان لکم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا ان ذلکم کان عند الله عظیما،

اور جب پیغمبر کی بی بیون سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے آڑ سے مانگو اس سے تمھارے دل (اُن کی طرف سے) خوب پاک (صاف) رہین گے اور (اسی طرح اُنکے) دل بھی، اور تم کو شایان نہین کہ رسول خدا کو ایذا دو، اور نہ یہ (بات شایان ہے) کہ ان کے بعد کبھی اُنکی بی بیون سے نکاح کرو خدا کے نزدیک یہ بڑی (بیجا) بات ہے،

نظامِ وراثت

اصول قرابت کے موافق اہل عرب کے یہان وراثت کا عام رواج تھا،
اور اس اصول کے مطابق میت کا وارث اس کا سب سے قریبی قرابت دار یعنی بیٹا ہوتا
تھا جو اس کی مدد کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وراثت صرف مردون یعنی بیٹون تک محدود
تھی، کیونکہ یہی لوگ تلوار اُٹھاتے تھے اور خاندانی شرف کی حفاظت کرتے تھے لڑکون
کے ہوتے ہوئے اُن کے علاوہ اور کسی کو ترکہ سے کوئی حصہ نہین ملتا تھا، لڑکے کا قائم مقام
صرف میت کا باپ ہوسکتا تھا جو اس کے بعد میت کا سب سے قریبی قرابت دار تھا،
پھر باپ کے بعد بھائی، اور بھائی کے بعد چچا وھلم جرا،

اسلام آیا تو اس نے بھی اسی اصول کو قائم رکھا، لیکن چونکہ وہ ایک ایسی امت
اسلامیہ پیدا کرنا چاہتا تھا جسکے افراد ایک مضبوط رشتے مین مربوط ہوجائین اس لیے
اس نے اس اصول کی بنیاد اسلام اور ہجرت پر قائم کی چنانچہ خداوند تعالیٰ نے
ارشاد فرمایا،

ان الذین آمنوا وھاجروا	جو لوگ ایمان لائے اور انھون نے ہجرت کین اور
وجاھدوا باموالھم	اللہ کے رستے مین اپنے جان ومال سے جہاد کئے اور
وانفسھم فی سبیل اللہ والذین	جن لوگون نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (اُن کی)
اووا ونصروا اولئک بعض	مدد کی یہی لوگ ہین ایک کے وارث ایک اور جو لوگ
اولیاء بعض والذین	ایمان تو لے آئے اور ہجرت نہین کی تو تم مسلمانون کو
آمنوا ولم یھاجروا مالکم	اُن کی وراثت سے کچھ تعلق نہین یہان تک کہ ہجرت

من ولايتهم من شيء حتى يهاجروا
وان استنصروكم في الدين فعليكم
النصر الا على قوم بينكم وبينهم
ميثاق والله بما تعملون بصير
والذين كفروا بعضهم اولياء
بعض الا تفعلوه تكن فتنة في الارض
وفساد كبير والذين آمنوا
وهاجروا وجاهدوا في
سبيل الله والذين آووا ونصروا
اولئك هم المؤمنون حقا
لهم مغفرة ورزق كريم
والذين آمنوا من بعد وهاجروا
وجاهدوا معكم فاولئك منكم

کر کے تم میں (نہ) آئیں ہاں اگر دین کے بارے میں
تم سے طالب مدد ہوں تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم
ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں
(صلح کا) عہد (و پیمان) ہو اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ
اُسکو دیکھ رہا ہے اور کافر ایک کے وارث ایک ہیں (ان کو
ایک دوسرے کی میراث لینے دو) اگر ایسا نہ کرو گے
تو ملک میں شورش پھیل جائے گی اور بڑا فساد ہوگا
اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور
اللہ کے رستے میں جہاد بھی کیے اور جن لوگوں نے
(مہاجرین کو) جگہ دی اور (اُن کی) مدد کی یہی
سچے مسلمان ہیں اُن کے لیے (گناہوں کی) معافی
ہے اور عزت (و آبرو) کی روزی اور جو لوگ بعد کو
ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی اور تم مسلمانوں کے
ساتھ ہو کر جہاد بھی کیے تو وہ بھی تمہیں میں داخل ہیں،

اور اس قانون کے رو سے مہاجر اور ان لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں لائے
یا ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی وراثت کا تعلق منقطع ہوگیا،
اس کے بعد یہ وراثت اقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق مقرر کی،

چنانچہ ارشاد ہوا،

واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض

اور رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے

فی کتٰب اللہ ان اللہ کان بکل شیٔ علیم	(کی میراث) کے زیادہ حقدار ہین بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے،
واولوالارحام بعضھم اولی ببعض فی کتٰب اللہ من المؤمنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیائکم معروفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا	اور رشتہ دار کتاب اللہ کے رو سے (تمام مسلمانون اور مہاجرون سے بڑھ کر ایک کے حقدار ایک ہین) مگر یہ کہ تم اپنے دوستون کے ساتھ سلوک کرنا چاہو، (تو وہ بات دوسری ہے یہی حکم کتاب مین لکھا ہوا ہے)،

اور فرمایا،

ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم ان اللہ کان علی کل شیٔ شھیدا،	مرد اور جو (ترکہ) مان باپ اور رشتہ دار چھوڑ مرین تو ہم نے ہر ایک (مرنے والے کی میراث) کے حقدار ٹھہرا دیے ہین اور جن لوگون کے ساتھ تمھارا عہد و پیمان ہو تو (بطور خود) ان کا حصّہ اُن کو بھی دیدو ہر چیز خدا کے سامنے ہے،

اس آیت کی رو سے میّت کا ترکہ اس کی اولاد کے بعد اس کے سب سے قریبی رشتہ دارون یعنی باپ، مان، اقربا اور اُن لوگون کو ملتا تھا جن سے رشتہ داری کا عقد و پیمان کیا گیا تھا، اور اس عقد و پیمان کی صورت یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت مین ایک شخص کسی دوسرے آدمی سے رشتہ داری کا معاہدہ اس شرط پر کرتا تھا کہ دونون باہم ایک دوسرے کی مدد کرینگے اور باہم ایک دوسرے کے وارث ہونگے اسلام نے بھی اسکو قائم رکھا اور اصطلاح مین اسی کو ولاء الموالات کہتے ہین،

اس کے بعد جاہلیت کا وہ اصول توڑ دیا جس کے رو سے ترکے صرف مرد کو

ملتے تھے، چنانچہ فرمایا،

للرجال نصیب مما ترک الوالدان	مان باپ اور رشتہ دارون کے ترکہ مین تھوڑا ہو
والاقربون وللنساء نصیب مما	یا بہت مردون کا حصہ ہی اور (ایسا ہی) مان باپ
ترک الوالدان والاقربون	اور رشتہ دارون کے ترکہ مین عورتون کا بھی حصہ ہے
مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا	(اور یہ حصہ (ہمارا) ٹھہرایا ہوا ہی)

اور یہ تمام عام اصول ہین خداوند تعالی نے ہر وارث کے حصہ کی تفصیل نہین کی ہے جسکی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہین یہ ہے کہ احکام فقہی مین قرآن مجید نے تدریج و آہستگی کو ملحوظ رکھا ہے،

خداوند تعالی نے پہلے صاحب مال کو یہ حکم دیا کہ اپنے مال مین سے جو کچھ وہ اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ دارون کو دینا چاہتا ہی خود بیان کردے، اسی بنا پر آیت وصیت جسکو ہم پہلے لکھ آئے ہین نازل کی، اس کے بعد خود اس حصے کی تفصیل کی جو اولاد اور اُن کے علاوہ دوسرے ورثہ مین ہر ایک کو ملنا چاہیئے، اور جس صورت مین میت کے ساتھ تمام ورثہ کی رشتہ داریان یکسان حیثیت کی ہون اس حالت مین اناث پر ذکور کی فضیلت کے اصول کو ملحوظ رکھا، البتہ اخیافی بھائی اور بہنون کے متعلق اگرچہ کوئی صریح حکم موجود نہین ہے تاہم ظاہر قرآن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سب کے سب وراثت مین برابر کے حقدار ہین، خداوند تعالی نے اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا،

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر	(مسلمانو) تمھاری اولاد (کے حصون) کے بارے مین
مثل حظ الانثیین فان کن نساء	اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیون کے برابر حصہ
فوق اثنتین فلھن ثلثا ما	(دیا کرو) پھر اگر لڑکیان (دو یا) دو سے زیادہ ہون تو

ترک وان کانت واحدة فلها النصف	ترکے مین اُن کا حصّہ، دو تہائی، اور اگر اکیلی ہو
	تو اس کو آدھا،

اور مان باپ کی وراثت کے متعلق فرمایا،

ولابویه لکل واحد منهما السدس	اور میت کے مان باپ کو (یعنی) دونون مین ہر ایک کے
مما ترک ان کان له ولد	ترکے کا چھٹا حصّہ اس صورت مین کہ میت کی اولاد
فان لم یکن له ولد وورثه	ہو اور اگر اُس کے اولاد نہو اور اس کے وارث (صرف)
ابواه فلامه الثلث فان کان	مان باپ ہون تو اس کی مان کا حصہ ایک تہائی،
له اخوة فلامه السدس	(باقی باپ کا) پھر اگر (مان باپ کے علاوہ) میت کے
	(ایک سے زیادہ) بھائی (یا بہنین) ہون تو مان کا چھٹا حصّہ،

اور میان بی بی کی وراثت کے متعلق فرمایا،

ولکم نصف ما ترک ازواجکم	اور جو (ترکہ) تمھاری بی بیان چھوڑ مرین اگر ان کے
ان لم یکن لهن ولد فان کان لهن	اولاد نہین تو اُس کے ترکے مین تمھارا آدھا اور اگر ان کے اولاد ہو تو
ولد فلکم الربع مما ترکن .... ولهن	ترکہ مین تمھارا چوتھائی اور تم کچھ (ترکہ) چھوڑ مرو اور
الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد	تمھاری کوئی اولاد نہو تو بیبیون کا (حصّہ) چوتھائی
فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما	اور اگر تمھارے اولاد ہو تو تمھارے ترکہ مین سے بیبیون کا
ترکتم،	آٹھوان (حصّہ)

اور مان کی اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا،

وان کان رجل یورث کلالة او	اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کے
امرأة وله اخ او اخت فلکل واحد	باپ بیٹا (یعنی اصل و فرع) نہ ہو اور (دوسری مان سے)

منہما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث — اُسکے بھائی یا بہن ہو تو اُن مین سے ہر ایک کا چھٹا (حصہ) اور اگر ایک سے زیادہ ہون تو ایک تہائی مین (برابر کے) سب شریک

اور عصباتی بھائی بہنون کے متعلق فرمایا،

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین (نساء ع ۲۴)

(اے پیغمبر لوگ) تم سے کلالہ کے بارے مین فتویٰ طلب کرتے ہین تو (اُن لوگون سے) کہدو کہ اللہ کلالہ کے بارہ مین تم کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مرجائے جسکے اولاد نہو (اور نہ باپ دادا کہ اسی کو کلالہ کہتے ہین) اور اس کے (صرف ایک) بہن ہو تو بہن کو اُسکے ترکہ کا آدھا اور (بہن مرجاے اور اس) کے اولاد نہو تو اس (کے سارے مال) کا وارث (بھائی) پھر اگر بہنین دو ہون (یا زیادہ) تو اُن کو اس کے ترکہ مین سے دو تہائی اور اگر بھائی بہن (ملے جلے) ہون (کچھ) مرد اور (کچھ) عورتین تو دو عورتون کے حصہ کے برابر ایک مرد کا حصہ،

لیکن ان وراثتون کو وصیت اور قرض کے ادا کرنے کے بعد تقسیم کرنے کا حکم دیا،

اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا،

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر — ذوی الفرض کا حق پہلے ان کو دو اس کے بعد جو بچ رہے وہ قریبی مرد رشتہ دار کو دو،

اس حدیث سے اُن لوگون کا حقِ وراثت بھی معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے

نہین کیا یعنی چچا اور بھتیجے،

معاملات

معاملات سے مراد وہ تمام معاہدے ہین جن کے ذریعہ سے لوگ باہم لین دین کرتے ہین اور قرآن مجید نے اجمالی اور کلی طور پر اُن کا ذکر کیا ہے اور اُن کی تفصیل اُمتِ محمدیہ کے لیے چھوڑ دی ہے، چنانچہ ان قواعد کلیہ کی تفصیل یہ ہے،

(۱) خداوند تعالیٰ نے وفائے عہد کا عام حکم دیا،

یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود — مسلمانو! قول و قرار کو پورا کرو،

اور یہ ایک ایسا عام لفظ ہے جو اُن تمام ضروری اور لازمی باتون کو شامل ہے جن کو ایک آدمی دوسرے آدمی کے لیے اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے،

(۲) ناجائز طور پر لوگون کے مال کے خورد برد کرنے اور اس کو حکام تک رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے سے منع کیا،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون،

اور آپسمین ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کرو، اور نہ مال کو، حاکمون کے پاس رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ گردانو تاکہ لوگون کے مال مین سے (تھوڑا بہت جو) کچھ ہاتھ لگے اُسکو جان بوجھ کر ناجائز طور پر ہضم کر جاؤ،

اور تجارتی منافع کو جائز قرار دیا،

یا ایہا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ

مسلمانو! ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کیا کرو، ہان آپس کی رضامندی سے

عن تراض منکم

خرید و فروخت ہو اور اُس مین کچھ ہاتھ لگ جاے تو وہ نا روا نہین)

چونکہ اس موقع پر یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ انسان کو دوسرے شخص کے ہر قسم کے مال سے گو وہ اس کا رشتہ دار ہی کیون نہو کسی قسم کا فائدہ اُٹھانا نہین چاہیے اس لیے خداوند تعالی نے فرمایا،

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت آبائکم او بیوت امہاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عماتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خالاتکم او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا،

نہ (تو) اندھے (آدمی) کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے (آدمی) کیلیے کچھ مضائقہ ہے، اور نہ بیمار کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ (عموماً) مسلمانون کیلیے (اس مین کچھ مضائقہ ہی) کہ اپنے گھرون سے (کھانا) کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی مان کے گھر سے یا اپنے بھائیون کے گھرون سے یا اپنے چچاؤن کے گھرون سے یا اپنی پھوپھیون کے گھرون سے یا اپنے امُون کے گھرون سے یا اپنی خالاؤن کے گھرون سے یا اُن گھرون سے جن کی کنجیان تمھارے اختیار مین ہین یا اپنے دوستون کے گھرون سے (پھر اس مین بھی) تم پر کچھ گناہ نہین کہ سب ملکر کھاؤ یا الگ الگ،

(۳) قرآن مجید نے بیع کا جو باہمی مبادلات مین نہایت اہمیت رکھتی ہے خاص حیثیت سے ذکر کیا ہے اور اس کی حلت اور سود کی حرمت بیان کی ہے چنانچہ فرمایا،

الذین یاکلون الربوا لا یقومون

(جو لوگ سود کھاتے ہین (قبرون سے) کھڑے نہین

الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل الله البیع وحرم الربوا

ہو سکین گے مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسکو شیطان نے آسیب سے مخبوط الحواس کر دیا ہو، یہ اس لیے کہ اُنھون نے کہا کہ جیسا معاملہ بیع کا ہی ویسا ہی معاملہ سود کا ہی، حالانکہ بیع کو اللہ نے حلال کیا ہی اور سود کو حرام

اس کے بعد فرمایا،

یمحق الله الربوا ویربی الصدقات والله لا یحب کل کفار اثیم،

اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہی اور جتنے ناشکر ہین اور گنہا نہین مانتے خدا اُن کو دوست نہین رکھتا،

پھر فرمایا،

یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله وان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون

مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود (لوگون کے ذمے) باقی ہے (اسکو) چھوڑ دو، اور اگر (ایسا) نہین کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے ہوشیار رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تم کو (لینی پہونچتی ہی) نہ تم (کسی کا) نقصان کرو اور نہ کوئی تمھارا نقصان کرے اور اگر (کوئی) تنگدست (تمھارا مقروض) ہو تو فراخی تک کی مہلت (دو) اور اگر سمجھو تو تمھارے حق مین یہ زیادہ بہتر ہے کہ اُس کو (اصل قرضہ بھی) بخش دو،

اور فرمایا،

یا ایها الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا

مسلمانو! سود (در سود) نہ کھاؤ (کہ اصل مین) بل بل کر

ضعفا فامضاعفة ، دوگنا چوگنا (ہوتا چلا جائے)

قرآن مجید نے بیع اور ربو کی حقیقت نہین بیان کی ہے اور اس معاملہ مین مخاطبین کے رسم و رواج پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ وہ لوگ خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک مدت معینہ کے لیے قرض دیتے تھے، چنانچہ جب ادائے قرض کا زمانہ آتا تھا تو قرضخواہ مقروض سے قرض یا سود کا مطالبہ کرتا تھا، اب اگر وہ قرض ادا نہین کر سکتا تھا تو اس پر قرض کو دوگنا کر دیتا تھا، مثلاً اگر ایک سال کی اونٹنی ہوتی تھی تو اس کو دو سال کی اور اگر ایک پیالہ کھانا ہوتا تھا تو اُس کو دو پیالہ کر دیتا تھا،

قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے کہ سود اس فیاضانہ اصول کے منافی ہے، جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد قائم کی گئی ہے،

وما آتیتم من ربا لیربو فی	اور یہ) جو تم لوگ سود دیتے ہو تا کہ لوگون کے مال
اموال الناس فلا یربو عند الله	مین اضافہ ہو تو وہ (سود) خدا کے یہان نہین بڑھتا اور
وما آتیتم من زکوٰة تریدون	(وہ) جو تم محض خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوٰة
وجه الله فاولئك هم المضعفون	دیتے ہو تو جو لوگ ایسا کرتے ہین تو وہی (اپنے دیے کو
	خدا کے ہان) بڑھا رہے ہین،

اور عرب کے معمول و عادت اور بعض احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ادائے قرض کی استطاعت نہین رکھتے اُن کے لیے قرض کی جو مدت مقرر کی جاتی ہے سود اسی کا معاوضہ ہے،

قرآن مجید نے جو اہم اصول پیش کیے ہین ان مین قرض مؤجل کی تحریر کا نظام بھی داخل ہے، اس کے متعلق قرآن مجید مین سب سے بڑی آیت سورۂ بقرہ مین آئی ہے اور نزول کے رو سے قرآن مجید کی سب سے آخری آیت یہی ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

يا ايها الذين آمنوا اذا تداينتم
بدين الى اجل مسمى فاكتبوه
وليكتب بينكم كاتب بالعدل
ولا ياب كاتب ان يكتب كما
علمه الله فليكتب وليملل الذى
عليه الحق وليتق الله ربه ولا
يبخس منه شيئا فان كان الذى
عليه الحق سفيها او ضعيفا او لا
يستطيع ان يمل هو فليملل وليه
بالعدل واستشهدوا شهيدين
من رجالكم فان لم يكونا
رجلين فرجل وامراتان
ممن ترضون من الشهداء ا
ن تضل احدهما فتذكر احدهما الاخرى
ولا ياب الشهداء اذا ما
دعوا ولا تسئموا ان تكتبوه صغيرا
او كبيرا الى اجله ذلكم اقسط عند الله
واقوم للشهادة وادنى الا ترتابوا
الا ان تكون تجارة حاضرة

مسلمانو جب تم ایک میعاد مقرر تک اُدھار کا لین دین
کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور (اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو) تمھارے
درمیان مین (تمھارے باہمی قرارداد کو) کوئی لکھنے والا
انصاف کے ساتھ لکھدے اور جس سے لکھواؤ تو اس (لکھنے
والے) کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جسطرح خدا نے
اسکو (لکھنا پڑھنا) سکھایا ہے (اسی طرح) اسکو بھی چاہیے
کہ (بے عذر) لکھدے اور جس کے ذمے قرض عائد ہوگا
(وہی) دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اللہ سے کہ وہی
اس کا پروردگار ہے ڈرے اور دیتے وقت قرض (دہندہ
کے حق مین سے کسی طرح کی کمی نہ کرے پھر جسکے ذمے
قرض عائد ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور ہو یا خود (دستاویز
کا) مطلب نہ کرسکتا ہو تو (جو) اس کا ولی (ہو وہ) انصاف کے
ساتھ (دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اپنے لوگون
مین سے دو مردون کو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہون
تو ایک مرد اور دو عورتین کہ ان مین سے کوئی ایک
بھول جائے گی تو ایک دوسرے کو یاد دلا دے گی اور
جب گواہ (ادائے شہادت کے لیے) بلائے جائین تو
(حاضر ہونے سے) انکار نہ کرین اور معاملہ میعادی چھوٹا
ہو یا بڑا اس کی دستاویز کے لکھنے مین کاہلی نہ کرو خدا کے

تدیرونہا بینکم فلیس علیکم
جناح الا تکتبوھا واشھدوا
اذا تبایعتم ولا یضار کاتب ولا
شھید وان تفعلوا فانہ فسوق
بکم واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ واللہ
بکل شئی علیم وان کنتم علی سفر
ولم تجدوا کاتبا فرھٰن مقبوضۃ
فان امن بعضکم بعضا
فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ
ولیتق اللہ ربہ ولا تکتموا الشھادۃ
ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ
واللہ بما تعملون علیم،

(بقرہ ۳۹)

نزدیک بہت ہی منصفانہ کارروائی ہی اور گواہی کیلیے
بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک ہی اور زیادہ تر اس کے
قریب ہے کہ تم (آیندہ کسی طرح کا) شک (و شبہہ) نکرو
مگر سودا دم نقد ہو جسکو تم (ہاتھوں ہاتھ) آپس میں لیا دیا کرتے
ہو تو اس کی (دستاویز) کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ گناہ
نہیں اور (ہان) جب (اس طرح کی) خرید و فروخت
کرو تو (احتیاطًا) گواہ کر لیا کرو، اور کاتب (دستاویز)
کو (کسی طرح کا) نقصان نہ پہونچایا جائے اور نہ گواہ کو،
اور ایسا کروگے تو یہ تمھاری نافرمانی ہی اور اللہ سے ڈرو
اور اللہ تم کو تعلیم دیتا ہی اور اللہ سب کچھ جانتا ہی اور اگر
تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے (اور قرض لینا ہو)
تو رہن یا قبضہ (رکھ لو) پس اگر تم میں سے ایک کا ایک
اعتبار کرے (اور بے رہن رکھے قرض دیدے) تو جسپر
اعتبار کیا گیا ہے (یعنی قرض لینے والا) اس کو چاہیے
کہ قرض دینے والی کی امانت (یعنی قرض) کو ادا کردے
اور خدا سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے اور گواہی
کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائیگا تو وہ دل کا کھوٹا ہے
اور جو کچھ (بھی) تم لوگ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہی،

اس کے بعد رسول اللہ صلعم کے فیصلوں میں بہت سے معاملات احادیث میں مذکور ہیں

اور وہ سب کے سب یا تو قرآن مجید کے عام احکام کے مطابق ہین، یا اس کے مجمل احکام کی تفصیل ہین، یا اس کے مطلق کو مقید کیا گیا ہی، چنانچہ جہان استنباطِ احکام کے متعلق ہم مسلمانون کے اجتہاد کا ذکر کرین گے ان کا ایک حصہ نقل کرینگے،

تعزیرات

قرآن مجید نے مجرمون کو جن سزاؤن کی دھمکی دی ہی اُن مین اکثر اخروی سزائین ہین، اور جو جرائم اس نے بیان کیے ہین اُن ہی کے ساتھ اکثر ان کا بھی ذکر کیا ہے، البتہ دنیوی سزاؤن مین صرف پانچ سزائین خدا نے اپنی کتاب مین مقرر کی ہین،

(۱) قصاص،

عادت و تقلید نے عرب مین قصاص کا یہ نظام قائم کر دیا تھا کہ پورا قبیلہ کا قبیلہ اپنے ایک فرد کے جرم کا ذمہ دار ہوتا تھا، البتہ جب عام مجالس مین کوئی قبیلہ کسی شخص کی آوارگی اور اوباشی کا اعلان کر دیتا تھا تو وہ اس کے جرائم کی ذمہ داریون سے بری ہو جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ مقتول کا ولی صرف قاتل سے بہت کم قصاص لیتا تھا، بالخصوص جب مقتول شریف یا اپنی قوم کا سردار ہوتا تھا، اُس وقت قصاص کا مطالبہ اس قدر وسعت اختیار کر لیتا تھا کہ دو قبیلون مین جنگ چھڑ جاتی تھی اور چونکہ اکثر قاتل کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا تھا اس لیے اُس سے ایسے فسادات و محاربات قائم ہو جاتے تھے جن کا سلسلہ بہت طویل زمانے تک قائم رہتا تھا، اس بنا پر قرآن مجید نے قصاص کی ذمہ داری کی تحدید کر دی اور اس کو صرف قاتل تک محدود رکھا، چنانچہ فرمایا،

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص — مسلمانو! جو لوگ (تم مین) مارے جائین اُن (کے بارے)

فی القتلی الحر بالحر والعبد — میں تم کو (جان کے بدلے جان) کا حکم دیا جاتا ہے، آزاد

بالعبد والانثی بالانثی — کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت

اس آیت میں خداوند تعالی نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف قاتل سے اس کے جرم کا مواخذہ کرنا چاہیے، اس کے بعد نہایت مختصر اور دقیق الفاظ میں اس زندگی میں نظام قصاص کی ضرورت بتائی، اور فرمایا،

ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب — اور عقلمندو!! قصاص (کے قاعدے) میں تمہاری زندگی ہے،

لعلکم تتقون — (اور اس غرض سے جاری کیا گیا ہے) تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو،

اور اجمالی طور پر یہی مفہوم کی سورۂ اسرار کی اس آیت کا بھی ہے،

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا — اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے والی،

لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل — (وارث) کو قاتل سے قصاص لینے کا اختیار دیا ہے تو

انه کان منصورا — اس کو چاہیے کہ خون (کا بدلہ لینے) میں زیادتی نہ کرے (وہ بھی بدلہ لینے میں بھی) اس کی جیت ہے،

اہل عرب کے یہاں نظام دیت پر عام طور پر عمل درآمد جاری تھا، قرآن مجید نے بھی اس کو قائم رکھا اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا،

ومن قتل مومنا خطأً فتحریر — اور جو مسلمان کو غلطی سے بھی، مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام

رقبة مومنة ودیة مسلمة الی — آزاد کرے اور وارثان مقتول کو خون بہا دے (سوا اس کے

اهله الا ان یصدقوا فان کان — کہ وہ وارثان مقتول خون بہا معاف کر دیں) پھر اگر

من قوم عدو لکم وهو مؤمن — مقتول ان لوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں،

فتحرير رقبة مؤمنة وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة الى اهله وتحرير رقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين توبة من الله وكان الله عليما حكيما،

اور وہ خود مسلمان ہو تو بس، ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور اگر (مقتول) ان لوگون مین کا ہو جن مین اور تم مین (صلح) کا عہد (و پیمان) ہی تو (قاتل کو چاہیئے کہ) وارثان مقتول کو خون بہا پہونچائے اور (اس کے علاوہ) ایک مسلمان غلام (بھی) آزاد کرے اور جسکو (مسلمان غلام آزاد کرنے کا) مقدور نہ ہو تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے کہ توبہ کا یہ طریقہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہی اور اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے (اور اس کا انتظام (بڑا) پکا انتظام ہی،

اور احادیث نے نظام دیت کی وضاحت کردی ہی اور بعض دیتون کا ذمہ دار عاقلہ (یعنی اہل قبیلہ یا اہل خاندان یا اہل محلہ) کو بھی ٹھہرایا ہے اور یہ اہل عرب کا وہی وسیع مواخذہ ہے جو اس صورت مین قائم رہ گیا ہے،

اور اعضا کے قصاص مین قرآن مجید نے توراۃ کا یہ نظام بتایا ہی،

وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له،

اور ہم نے توراۃ مین یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخمون کا بدلہ (ویسے ہی) زخم، پھر جو (مظلوم) بدلہ معاف کردے تو وہ اس (کے گناہون) کا کفارہ ہوگا،

(۲) حد زانی،

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید مین بلا تفصیل زانی کی سزا سو دُرّے مقرر کی ہے چنانچہ سورۂ نور مین فرماتا ہے،

الزانیة والزانی فاجلدوا	عورت اور مرد زنا کرین تو ان دونون مین سے ہر ایک
كل واحد منهما مائة جلدة	کو سو دُرّے مارو اور اگر اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے
ولا تأخذكم بهما رأفة في	ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل مین تم کو اُن (کے حال) پر
دين الله ان كنتم تؤمنون بالله	کسی طرح کا ترس دامنگیر نہو اور نیز اُن کے سزا دینے
واليوم الآخر وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين	وقت مسلمانون کی ایک جماعت (عبرت کے لیے) موجود ہونا چاہیے

لیکن زانیہ لونڈی کی سزا اس کی آدھی مقرر کی چنانچہ سورۂ نسا مین فرمایا،

فاذا احصن فان اتین بفاحشة	پھر اگر قید (نکاح) مین آئے پیچھے کوئی بےحیائی کا کام
فعليهن نصف ما على المحصنت من العذاب	کرین تو جو سزا بی بی کی اُسکی آدھی لونڈی کی،

لیکن حدیث مین ایک نکاح شدہ زانی کی سزا رجم (یعنی سنگسار) کرنا ہے اور صحیح مسلم مین ہے کہ ابو اسحاق شیبانی نے عبد اللہ بن ابی اوفی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلعم نے رجم کیا ہے، وہ اُنھون نے جواب دیا "ہان" اُنھون نے پوچھا کہ "سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد یا اُس سے پہلے" بولے "مین نہین جانتا"

(۳) حد قاذف،

جو شخص کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے، خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید مین اُس کی سزا اسی دُرّے مقرر کی چنانچہ سورۂ نور مین فرمایا،

والذين يرمون المحصنات	اور جو لوگ پاکدامن عورتون پر زنا کی تہمت لگائین
ثم لم يأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم	اور چار گواہ نہ لا سکین تو اُن کو اسی دُرّے مارو، اور

ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لهم شهادۃ	(آیندہ) کبھی ان کی گواہی نہ قبول کرو اور یہ لوگ
ابدا واولئك هم الفاسقون الا الذین	خود بدکار ہین مگر جنھون نے ایسا کیے پیچھے توبہ کی اور
تابوا من بعد ذلك واصلحوا فان الله غفور رحیم	اپنی عادت درست کرلی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اگر خود شوہر اپنی بی بی پر زنا کی تہمت لگائے، تو اس کے لیے ایک خاص نظام مقرر فرمایا، چنانچہ اسی سورہ مین فرمایا،

والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم	اور جو لوگ اپنی بی بیون پر زنا کی تہمت لگائین اور
شهداء الا انفسهم فشهادۃ احدهم	بجز اپنے ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے مدعیون مین سے
اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین	ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ وہ بار بار خدا کی قسم کھا کر بیان
والخامسة ان لعنت الله علیه	کرے کہ بلاشک وشبہہ (اپنے دعوے مین) سچا ہے اور
ان کان من الکاذبین،	پانچوین (دفعہ) یون (کہے) کہ اگر وہ جھوٹ بولتا ہو تو
	اس پر اللہ کی لعنت،

اور چونکہ شوہر کی یہ چار قسمین چار گواہون کی قائم مقام ہین، اس لیے قرآن مجید نے عورت کی برائت کا بھی ایک خاص طریقہ مقرر کیا،

اور اس کے بعد فرمایا،

ویدرؤ عنها العذاب ان تشهد	اور (مرد کے قسم کھائے پیچھے) عورت (کے سر پر) سے
اربع شهادات بالله انه لمن الکاذبین	اس طرح پر سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار خدا کی قسم کھا کر
والخامسة ان غضب الله علیها ان	بیان کردے کہ یہ شخص سرتاسر جھوٹا ہے، اور پانچوین (بار)
کان من الصادقین،	یون (کہے) کہ اگر یہ شخص اپنے دعوے مین سچا ہو
	تو مجھ پر خدا ہی کا غضب پڑے،

ان دونون آیتون پر تھوڑے سے غور و فکر کرنے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا ہو کہ ان کا موضوع یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے زنا کا الزام ثابت کیا جائے اور بی بی اُس سے اپنی برأت کرے، اُس کو نکاح اور اولاد سے کوئی تعلق نہین ہو،

(۴) حدِ سارق،

خداوند تعالیٰ نے چور کی سزا یہ مقرر کی کہ اُس کے ہاتھ کاٹے جائین چنانچہ سورۂ مائدہ مین فرمایا،

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالا من الله والله عزیز حکیم فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله یتوب علیه ان الله غفور رحیم،	اور (مسلمانو!) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو اُن کے دونون (دہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو یہ (سزا) اُن کے کرتوت کے بدلے مین عبرت کے لیے خدا کی طرف سے مقرر ہو، اور اللہ زبردست اور حکیم ہے تو جو اپنے قصور کے پیچھے توبہ کرلے اور (اپنی حالت) سنوارے تو اللہ اسکی توبہ قبول کر لیتا ہو (بیشک اللہ بندون کے)

(۵) حدِ قطاع الطریق،

خداوند تعالیٰ نے سورۂ مائدہ مین ڈاکوؤن کی یہ سزا مقرر کی ہے،

انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا	اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے، اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک مین دوڑے دوڑے پھرتے ہین اُن کی سزا تو بس یہی ہو کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کردیے جائین یا ان کو سولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ اور پانو اُلٹے سیدھے کاٹ دیے جائین یا (ا،

ولهم فی الآخرة عذاب عظیم
الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا
علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم

جائے یہ تو دنیا مین اُن کی رسوائی ہوئی اور اسکے علاوہ
آخرت مین اُن کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے، مگر
(مسلمانو!) جو لوگ اس سے پہلے کہ تم اُن پر قابو پاؤ توبہ
کرلین (تو اُن کے حال سے تعرض نہ کرو اور) جان رکھو
کہ اللہ (لوگون کے قصور) معاف کرنے والا مہربان ہے،

ان سزاؤن کے علاوہ قرآن مجید مین اور کوئی سزا مذکور نہین ہے البتہ حدیث مین ایک
چھٹی سزا بھی بیان کی گئی ہے یعنی رسول اللہ صلعم نے شراب نوش کو بھی سزا دی ہے،

قرآن مجید نے سزاؤن کا دار و مدار جن اصول پر رکھا ہے وہ حسب ذیل ہین،

(۱) قوم کی بھلائی، چنانچہ قصاص کے متعلق فرمایا،

ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب لعلکم تتقون،

عقلمندو تمھارے لیے قصاص مین زندگی ہے تاکہ تم لوگ (خونریزی سے) باز رہو،

(۲) مجرم کی تنبیہ تاکہ وہ دوبارہ جرم نہ کرسکے چنانچہ چور اور چورنی کی سزا کے متعلق فرمایا،

جزاء بما کسبا نکالا من الله،

یہ سزا اُن کے اعمال کے بدلے مین عبرت و سرزنش کیلیے خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہے،

اور ڈاکوؤن کی سزا کے متعلق ارشاد ہوا،

ذالك لهم خزی فی الدنیا

یہ اُن کے لیے دنیا مین رسوائی ہے،

(۳) جسمانی سزائین جن کا اثر نہایت سخت ہوتا ہے

اور حدیث مین اُن سزاؤن کے عمل مین لانے کے لیے احتیاط کا حکم دیا گیا ہے
ان سزاؤن مین سختی کرنا چاہو اسکو تنبیہ ہو جائے اور وہ احتیاط کے ساتھ

اثباتِ جرم مین رعایت کرے، چنانچہ ترمذی مین ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ حدیث مذکور ہے،

ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبۃ،

مسلمانون کو سزاؤن سے جہان تک تم سے ہوسکے بچاؤ، اور اگر کوئی گنجایش ہو تو اس کو چھوڑ دو کہ رہائی مین امام کا غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا مین غلطی کرے،

یہ وہ احکام ہین جو خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم پر بذریعۂ وحی نازل فرمائے تھے، اور آپ کو حکم دیا تھا کہ لوگون تک اُن کو پہونچا دین اور اُن کے لیے اُن کی توضیح و تشریح کر دین، چنانچہ اس حکم کے مطابق آپ نے اُن کی تبلیغ کر دی اور لوگون کے لیے جو احکام نازل ہوئے تھے عملی اور قولی حدیثون سے اُن کی تشریح فرما دی،

دُوسرا دَور
فقہ بہ عہدِ کبارِ صحابہ
سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۴۰ ہجری تک
اجمالی طور پر سیاسی صورتِ حال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے، سوءِ اتفاق سے اُن کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اکثر اہل عرب مرتد ہوگئے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عزمِ صادق، اور مہاجرین اور انصار کی قوتِ ایمانیہ نے اس حالت مین نہایت کامیاب طریقہ پر ستونِ اسلام کو قائم رکھا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے متعدد فوجین روانہ کین اور اُن کے ذریعہ سے اہل عرب کی کج رفتاری کو سیدھے راستہ پر لگایا، اور دوبارہ اتحادِ عربی کو قائم کیا، اس مہم کے سر ہونے کے بعد انھون نے ایرانی اور رومی سلطنتون مین اشاعتِ اسلام کیلیے عراق وشام مین فوجین بھیجین لیکن ابھی تک اس مہم کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ انھون نے وفات پائی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا، اور اُن کے ذریعہ سے یہ فتح مکمل ہوگئی، اور مشرقی جانب سے مسلمان اکثر ایرانی شہرون پر غلبہ حاصل کرتے ہوئے نہر جیحون (آمو دریا) تک پہونچ گئے، شمالی جانب سے اُنھون نے شام

اور بلادِ آرمینیا پر قبضہ کرلیا، اور مغربی جانب سے مصر پر مسلط ہوگئے انہی کے زمانے مین اسلام کے بڑے بڑے شہر مثلاً فسطاط، کوفہ اور بصرہ آباد ہوے اور وہان مسلمانونکی ایک بہت بڑی جماعت جن مین بہت سے صحابہؓ تھے آباد ہوئی، اور عرب کے علاوہ اور بہت سی دوسری قومین حلقۂ اسلام مین داخل ہوئین حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ مین بھی اسلامی فتوحات نے مشرق و مغرب مین نہایت وسعت حاصل کی لیکن ابھی تک یہ عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا یعنی اُن کے دشمنون کے اتفاقِ راے سے اُن کے خلاف ایک شورش برپا ہوئی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر، شام، اور عراق سے چند جماعتین مدینہ مین آئین اور اُن کو شہید کردیا جس سے مسلمانون مین اختلاف کی بنیاد پڑی اور اُنکے دو فرقے ہوگئے، ایک فرقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرفدار تھی، دوسرا فرقہ اُن کے قاتلون کا دشمن تھا اور اُسی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی تھی پہلا فرقہ عراق کے دارالسلطنت کوفہ مین اور دوسرا فرقہ شام کے پایۂ تخت دمشق مین رہتا تھا، ان دونون فرقون کے بغض و عداوت اور لعن وطعن کا یہ نتیجہ ہوا کہ صفین کے ریگستان مین دونون مین باہم عظیم الشان معرکہ ہوا اور عالم اسلامی کے چیدہ مسلمان فریقین کی جانب سے اس معرکہ مین باہم نبرد آزما ہوئے لیکن کسی فریق کے لیے اس معرکہ کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہین نکلا، کیونکہ اہلِ شام نے کتاب اللہ کو حکم بنایا اور اکثر اہلِ عراق نے بھی اسکو قبول کیا، لیکن یہ تحکیم ایک فریق یعنی حامیانِ معاویہ کی طاقت اور دوسرے فریق یعنی حامیانِ علی کے ضعف کا ذریعہ بن گئی کیونکہ اُنکی

فوج میں ایسے اشخاص پیدا ہو گئے، جنھوں نے تحکیم پر اعتراض کیا، اور جن لوگوں نے اس کو قبول کیا تھا اُن پر لعن وطعن کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے فریق کو جس نے تحکیم کے ذریعہ سے اپنی قوت میں اضافہ کر لیا تھا چھوڑ کر خود اپنی فوج کی مخالفت میں مصروف ہو گئے، اور آخر کار انہی خوارج میں سے ایک خارجی نے ان کو ناگہانی طور پر شہید کر دیا اور اب اُن کی شہادت سے مسلمانوں کی عام جماعت نے امیر معاویہ کی خلافت پر اتفاقِ عام کر لیا، الغرض یہ دور ختم ہوا تو مسلمان سیاسی حیثیت سے تین فرقوں میں منقسم ہو گئے،

(۱) **جمہور مسلمان**، جو امیر معاویہؓ اور ان کی خلافت کو پسند کرتے تھے،

(۲) **شیعہ**، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہلبیت کی محبت پر قائم تھے،

(۳) **خوارج**، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہ ... سے اُن ... تینوں سے بغض رکھتے تھے پر اسی لئے بعینہٖ کے عزم صادق اور ...

اور ان تینوں فرقوں نے جیسا کہ آئندہ دور سے معلوم ہوگا فقہ اسلامی پر خاص اثر ڈالا ہے،

قرآن و حدیث

(دوسرے دور میں)

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہوا، چنانچہ جب قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا نازل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم عام مسلمانوں تک اُس کو پہونچا دیتے تھے، اور اپنے کاتبانِ وحی کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے، عام لوگوں

مین بعض لوگ صرف اُس کے حفظ پر اکتفا کرتے تھے لیکن بعض لوگ اس کو لکھ لیتے تھے،
آیات وسور کی جو ترتیب ہوتی تھی رسول اللہ صلعم خود ان کو بتا دیتے تھے لیکن رسول اللہ صلعم
کی وفات کے زمانے تک قرآن مجید ایک مصحف مین جمع نہین ہوا تھا بلکہ حفاظ
قرآن کے سینون، کاتبان وحی اور دوسرے کاتبون کے صحیفون مین محفوظ تھا، رسول اللہ
کے عہد مبارک مین بہت سے لوگ حافظ قرآن تھے، جن مین بعض لوگون کو پورا قرآن
یاد تھا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے مین ایک ایسا
واقعہ پیش آیا جس نے ان کو ایک مصحف مین پورے قرآن کے جمع کرنے کی ضرورت کیطرف
متوجہ کیا، کیونکہ یمامہ کی فوج مین بہت سے حفاظ قرآن نے شہادت پائی جس سے
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ پیدا ہوا چنانچہ
صحیح بخاری مین حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل یمامہ کی
شہادت کے بعد مجھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلوایا، مین پہونچا تو حضرت
عمر رضی بن الخطاب بھی اُن کے پاس موجود تھے، تو مجھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے
فرمایا کہ "عمر رضی نے مجھ سے آکر بیان کیا کہ جنگ یمامہ مین بکثرت حفاظ قرآن شہید ہوئے
اگر اسی طرح اور لڑائیون مین بھی حفاظ نے شہادت پائی تو مجھے خوف ہو کہ قرآن کا
بہت سا حصہ ضائع ہوجائیگا اس لیے میری راے یہ ہو کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کا
حکم دین" مین نے حضرت عمر رض سے کہا کہ کیا ہم وہ کام کرین جسکو رسول اللہ صلعم نے نہین
کیا؟ بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے، غرض وہ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے یہانتک
کہ خدا نے اس کے لیے میرے دل کو کھول دیا اور مین نے بھی وہی راے قائم کرلی جو حضرت
عمر رض کی تھی" زید رض بیان کرتے ہین کہ حضرت ابوبکر رض نے فرمایا کہ تم جوان عاقل آدمی ہو

ہم تم مین کوئی قابل الزام عیب نہین پاتے، اور تم رسول اللہ صلعم کے کاتب وحی تھے اس لیے قرآن مجید کو ڈھونڈہو اور جمع کرو، توخدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کی تکلیف دیتے تو وہ مجھ کو اُن کے ارشاد یعنی جمع قرآن سے زیادہ گران نہ ہوتا، مین نے کہا آپ لوگ وہ کام کیونکر کرتے ہین جسکو رسول اللہ صلعم نے نہین کیا، بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے، الغرض حضرت ابوبکرؓ بھی مجھسے بار بار یہی کہتے رہے یہان تک کہ خدا نے میرے دل کو بھی اس چیز کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دلون کو کھول دیا تھا، تو مین نے قرآن کو تلاش کرکے کھجور کی شاخون، پتھر کے ٹکڑون اور لوگون کے سینون سے اکٹھا کرکے جمع کرنا شروع کیا، یہان تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابوخزیمہ انصاریؓ سے ملا اُن کے علاوہ مین نے اُن کو کسی دوسرے کے یہان نہین پایا (لقد جاءکم رسول) آخر سورۂ براۃ تک تو یہ صحیفے تادم وفات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اُس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی مین اُن کے پاس پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہے،

بروایت سیوطی حارث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن مین لکھا ہو کہ قرآن مجید کا لکھنا بدعت نہین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے، البتہ وہ مختلف ٹکڑون ہڈیون اور کھجور کی شاخون پر متفرق طریقے سے لکھا ہوا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صرف یہ کیا کہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ مجموعی صورت مین نقل کرنے کا حکم دیا، گویا اس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلعم کے کاشانۂ مبارک مین چند اوراق جن مین قرآن متفرق طور پر لکھا ہوا تھا پائے گئے

اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان کی شیرازہ بندی کردی تاکہ ان مین سے کوئی ورق ضائع نہونے پائے،

حضرت زید بن ثابت رضؓ اگرچہ خود حافظِ قرآن اور کاتبِ وحی تھے تاہم اُنھون نے صرف اپنی یاد، اور اپنے لکھے ہوے اجزاء پر قناعت نہین کی بلکہ اُنھون نے اور حفاظ کی یاد، دوسرے کاتبون کے صحیفے، اور ان اجزاء سے بھی مدد لی جو رسول اللہ صلعم کے گھر مین لکھے ہوے محفوظ تھے، اور مہاجرین وانصارؓ کے اتفاق سے اس مجموعہ کو مکمل کیا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرزِ عمل کے ذریعہ سے خداوند تعالی نے اپنی اس ضمانت کو پورا فرمایا،

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون — ہمین نے ذکر کو اُتارا اور ہمین اس کے نگہبان ہین،

یہ تمام صحیفے جیسا کہ اوپر گذرا بہ ترتیب یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہے،

حضرت عثمان رضؓ نے اپنے دورِ خلافت مین بڑے بڑے اسلامی شہرون مین اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس کی، اور اُن کو جس چیز نے اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا وہ یہ تھی کہ ان شہرون مین حفاظِ قرآن پھیل کر لوگون کو قرآن مجید کی تعلیم دینے لگے تھے لیکن ان کی زبان کے اختلاف کے لحاظ سے اُن کے درمیان قرآن مجید کے بعض حروف مین کسی قدر اختلافات پیدا ہوگئے تھے جسکا نتیجہ یہ تھا کہ بعض قاری اپنی قرأت کو دوسرے قاری کی قرأت پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان رضؓ کو اس کی خبر ہوئی تو اُنھون نے اس کو ایک سخت اور قابل

تدارک خطرے کا ذریعہ خیال کیا، امام بخاریؒ حضرت انسؓ سے روایت کی ہے
کہ جس زمانہ مین حضرت عثمانؓ اہلِ شام کی فوج کو اس غرض سے بھیج رہے
تھے کہ اہلِ عراق کے ساتھ شریک جنگ ہو کر ارمینیا اور آذربائجان کی فتح مین حصہ
لے، حضرت حذیفہ بن نعمانؓ ان کی خدمت مین آئے اور ان لوگون نے قرآن
کی قرارت مین جو کچھ اختلاف کیا تھا اُس کے متعلق اپنی پریشانی ظاہر کی اور حضرت
عثمانؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ امت محمدیہ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب مین
اختلاف کرے آپ اس کا تدارک فرمائیے، چنانچہ ان کے کہنے کے بموجب حضرت عثمانؓ
حضرت حفصہؓ کی خدمت مین پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو غیر مرتب صحیفے لکھوائے تھے
وہ ہمارے پاس بھیج دیجیے تاکہ ہم اُن کو مصاحف مین نقل کرا کے آپ کو واپس کر دین
حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے اُن کی خدمت مین بھیج دیے، اور انھون نے حضرت
زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمان
بن حارث بن ہشام رضوان اللہ علیہم کو اس کے نقل کرنے کا حکم دیا، اور اُن لوگون نے
ان کو مصاحف مین نقل کیا، حضرت عثمانؓ نے تینون قریشی اشخاص یعنی حضرت
عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حارثؓ سے
فرمایا کہ جب تم مین اور زید بن ثابتؓ کے درمیان قرآن مجید کی کسی چیز مین کوئی
اختلاف پیش آئے، تو اُس کو قریش کی زبان مین لکھو کیونکہ وہ قریش ہی کی زبان مین
نازل ہوا ہے، ان لوگون نے اُس پر عمل کیا، یہان تک کہ جب اُن غیر مرتب
صحیفون کو مصاحف مین نقل کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو حضرت حفصہؓ کی خدمت
مین واپس کر دیا اور ان نقل شدہ مصاحف مین سے ہر صوبے مین ایک ایک مصحف

بھیجدیا، اور حکم دیا کہ اس مصحف کے علاوہ قرآن مجید جس صحیفہ اور جس مصحف مین لکھا ہوا ہو وہ جلا دیا جائے، یہ کام ۲۵ھ مین انجام پایا اور جو مصاحف اس مصحف سے لکھے گئے، وہ کوفہ، بصرہ، دمشق، مکہ اور مدینہ مین روانہ کیے گئے، اور حضرت عثمانؓ نے خود اپنے لیے ایک مصحف رکھ چھوڑا جس کا نام "مصحفِ امام" تھا، یہ تمام مصاحف ان شہرونکی جامع مسجدون مین رکھے گئے جن کو دیکھ کر قرا پڑھتے تھے، اور حفاظ انکی طرف رجوع کرتے تھے، غرض حضرت عثمانؓ کے اس طرزِ عمل سے قرآن مجید کا حرف حرف اختلاف کے خطرے سے محفوظ ہوگیا،

لیکن قولی حدیثون کے جمع و ترتیب کی طرف اس قدر توجہ نہ تھی بلکہ اس کے برخلاف تقلیلِ روایت کی کوشش کی جاتی تھی، چنانچہ اس سلبی کوششون کے متعلق چند تصریحات حسب ذیل ہین

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین مراسیل ابن ابی ملیکہ سے یہ روایت کی ہی کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگون کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثین روایت کرتے ہو جن مین تم لوگون مین اختلاف ہوتا ہے، اور تمھارے بعد جو لوگ ہون گے ان مین اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا، تو رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث نہ روایت کرو، جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان خدا کی کتاب ہے، اس کے حلال کیے ہوے کو حلال اور اُس کے حرام کیے ہوے کو حرام سمجھو،

(۲) حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ شعبہ وغیرہ نے بیان سے، اور بیان نے شعبی سے، اور شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ہمکو عراق کی

طرف روانہ فرمایا تو ہمارے ساتھ خود بھی چلے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ مین کیون تمھاری مشایعت کرتا ہون؟ لوگون نے کہا ہان ہماری عزت افزائی کے لیے، بولے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم ایسی آبادی کے لوگون کے پاس جاتے ہو، جو شہد کی مکھیون کی طرح گنگنا گنگنا کر قرآنِ مجید پڑھتے ہین، تو احادیث کی روایت کر کے ان کی تلاوتِ قرآن مین رکاوٹ نہ پیدا کرنا صرف قرآن مجید پر بس کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو، اور اس مین مین بھی تمھارا شریک ہون چنانچہ جب قرظہ آئے تو لوگون نے روایتِ حدیث کی خواہش کی، انھون نے جواب دیا کہ ہم کو حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کی ہے"

(۳) دراوردی نے محمد بن عمرو سے، اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ سے، اور ابی سلمہ نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ مین نے اُن سے کہا کہ تم حضرت عمرؓ کے زمانے مین بھی اسی طرح روایت کرتے تھے؟ بولے جسطرح مین تم سے روایت کرتا ہون اگر اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانے مین بھی روایت کرتا تو وہ مجھے اپنے کوڑے سے مارتے"

(۴) معن بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ انھون نے کہا کہ ہم کو مالک نے عبداللہ بن ادریس کے ذریعہ سے، اور عبداللہ بن ادریس نے شعبہ کے ذریعہ سے، اور شعبہ نے سعید بن ابراہیم کے ذریعہ سے اور سعید بن ابراہیم نے اپنے باپ ہی کے ذریعہ سے خبر دی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین شخص یعنی ابن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ اور ابو مسعود انصاری کو قید کر دیا اور فرمایا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ روایتین کر دین"

(۵) ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھون نے کہا کہ ہمکو

یہ خبر پہونچی ہو کہ حضرت امیر معاویہؓ یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کرو جو حضرت عمرؓ کے زمانے مین جاری تھا، کیونکہ اُنھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتِ حدیث کرنے کے متعلق لوگون کو دھمکیان دی تھین،

(۶) سیوطی نے تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک مین ایک روایت مین جس کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیرؓ تک منتہی ہوتا ہے، یہ نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے احادیث کو لکھوانا چاہا اور اس بارے مین اصحابِ رسول اللہ سے مشورہ کیا تو عام صحابہؓ نے اس کا مشورہ دیا لیکن وہ ایک مہینہ تک خود مستقل طور پر اس معاملے مین استخارہ کرتے رہے، اس کے بعد ایک دن انھون نے یقینی راے قائم کر لی اور فرمایا کہ مین نے جیسا کہ تم لوگون کو معلوم ہے تم سے تحریر احادیث کا ذکر کیا تھا، پھر مین نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تم سے پہلے اہل کتاب مین سے بہت لوگون نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابین لکھین جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انھی کتابون مین مشغول ہوگئے، اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا، اس بنا پر خدا کی قسم مین کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کرون گا، اس لیے اُنھون نے تحریر احادیث کا کام چھوڑ دیا،

ابن سعد نے بھی طبقات مین اُسی کے قریب قریب روایت کی ہے،

(۷) امام بخاری نے اعمش سے اُنھون نے ابراہیم تیمی سے، انھون نے اپنے باپ سے، اور اُنھون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے اور ان احادیث کے جو اس صحیفے مین درج ہین پڑھنے کی اور کوئی کتاب نہین، اسکے بعد

اُنھون نے اس صحیفے کو کھولا تو اُس مین حسب ذیل حدیثین درج تھین،

(۱) اسنان الابل، — مختلف عمر کے اونٹون کے صدقات کا بیان،

(۲) المدینۃ حرم من عیر الی کذا فمن احدث فیھا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا، — مدینہ عیر سے یہان تک حرم ہی جو شخص اس مین کوئی جرم کرے گا اس پر خدا کی، فرشتون کی اور تمام لوگون کی لعنت پڑیگی، اور اس کی سفارش اور اس کا فدیہ خدا نہ قبول کریگا،

(۳) ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا ادناھم فمن اخفر مسلما فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا .. — مسلمانون کی امان یا مسلمانون کا قول و قرار ایک ہی اور ادنی سے ادنی مسلمان اس کا مالک ہی تو جو شخص کسی مسلمان کا قول توڑ دے اس پر خدا فرشتون اور تمام لوگون کی لعنت پڑیگی اور خدا اس کی سفارش اور اس کا فدیہ نہ قبول کریگا،

(۴) من والی قوما بغیر اذن موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا، — جس شخص نے کسی قوم سے بغیر اس کے موالی کی اجازت کے مولات کی تو اس پر خدا، فرشتون اور تمام لوگون کی لعنت پڑیگی اور خدا نہ اس کی سفارش قبول کریگا، نہ فدیہ،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تذکرے مین مذکور ہے کہ وہ حدیث کی بہت کم روایت کرتے تھے، اور الفاظ مین نہایت احتیاط ملحوظ رکھتے تھے (غالباً یہ حضرت عمرؓ کا فیض تھا) ابوعمرو الشیبانی روایت کرتے ہین کہ مین ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھتا تھا لیکن وہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" نہین کہتے تھے،

اور جب "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے تھے تو کانپ اُٹھتے تھے اور کہتے تھے "اس طرح" "یا اس کے مثل" "یا اس کے قریب" "یا یا"

ان ائمہ فتاوی اور پیشوایان اسلام سے جو روایتیں نقل کی گئیں اُن پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ احادیث سے بہت زیادہ استدلال نہین کرتے تھے اور اُن کو احکام قرآنیہ کا مکمل نہین سمجھتے تھے، لیکن احادیث سے استدلال کرنے کے متعلق جو روایتین اُن سے مروی ہین اگر ہم اُن پر نظر ڈالین تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ وہ کیون صحابہ سے یہ خواہش کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتین کم کرین، چنانچہ اس قسم کی چند روایتین یہ ہین،

(۱) ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین بہ سند روایت کی ہے کہ دادی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت مین اپنا حقِ وراثت مانگنے کے لیے آئی، لیکن اُنھون نے کہا کہ مین کتاب اللہ مین تمھارا کوئی حصہ نہین پاتا اور مجھے یہ بھی معلوم نہین کہ رسول اللہ صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمھارا کوئی حصہ مقرر فرمایا ہو، اس کے بعد انھون نے لوگون سے دریافت کیا تو مغیرہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مین نے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلعم اُس کو چھٹا حصہ دیتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمھارا کوئی موید ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہ رضی نے بھی یہی شہادت دی تو انھون نے اسکو بھی حصہ دلوایا،

(۲) حریری نے ابونضرہ سے اور انھون نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوموسی اشعری رض نے دروازے کے اوٹ سے حضرت عمر رض کو تین بار سلام کیا لیکن اُن کو اندر آنے کی اجازت نہین ملی، وہ واپس آئے تو حضرت عمر رض نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے، اور بلوا کر کہا تم کیون پلٹ گئے؟ اُنھون نے کہا کہ مین نے

صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم مین کوئی شخص تین بار سلام کرچکے اور اسکو اذن نہ ملے تو وہ واپس چلا آئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر میرے پاس ایک گواہ لاؤ ورنہ تم کو سزا دون گا، اب حضرت ابو موسیٰؓ ہمارے پاس حالتِ غم مین آئے اور ہم سب بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے پوچھا تمھارا کیا حال ہے؟ اُنھون نے ہم کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا کیا تم مین سے کسی نے اس حدیث کو سُنا ہے؟ ہم نے کہا ہم مین سے ہر ایک نے اس کو سُنا ہے، چنانچہ لوگون نے اُن کے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا جس نے آکر حضرت عمرؓ کو اس حدیث کی خبر دی،

(۳) ہشام نے اپنے باپ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے عورت کے ساقط کردہ حمل (یعنی جو کسی کے مارنے پیٹنے سے ساقط ہو جائے) کی دیت کے بارے مین مشورہ کیا تو مغیرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ایک لونڈی یا غلام دلوائی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک اور آدمی کو بھی لاؤ جو اس کو جانتا ہو تو محمد بن مسلمہؓ نے بھی یہی شہادت دی،

(۴) حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ سے چند حدیثین بیان کین تو اُنھون نے کہا کہ اس پر میرے سامنے کوئی گواہی لاؤ، وہ اس غرض سے نکلے تو ان کو چند انصاری ملے جن سے اُنھون نے یہ واقعہ بیان کیا، اُن لوگون نے کہا کہ ہمنے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اسپر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مین نے تم پر تہمت نہین لگائی، بلکہ مین نے یہ چاہا کہ اس معاملہ مین ثبوت طلب کرون،

(۵) عثمان بن مغیرہ ثقفی نے علی بن ربیعہ سے اور اُنھون نے اسماء ابن الحکم الفزاری

سے روایت کی ہے کہ اُنھون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کہتے ہوے سنا کہ مین جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تھا تو خدا کو اس کے ذریعہ سے مجھے جسقدر فائدہ پہونچانا ہوتا تھا پہونچا دیتا تھا لیکن جب آپ کے علاوہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو مین اس سے قسم لیتا تھا اور جب وہ قسم کھا چکتا تو مین اس کی تصدیق کرتا تھا،

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور کے ائمۂ مسلمین اور پیشوایانِ اسلام صرف اس خوف سے تقلیلِ روایت کا مشورہ دیتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے متعلق کذب و غلط بیانی کا رواج نہ ہونے پائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے جو روایتین کی جاتی تھین اس پر ثبوت طلب کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صرف اُنھین حدیثون کو قبول کرتے تھے، جن کی نسبت دو شخص شہادت دیتے تھے کہ اُنھون نے اس کو رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، اسی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو طلب کیا جو مغیرہ بن شعبہ کی روایت کی تائید کرے، اور حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہؓ حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابیؓ کے مؤیدین کی تلاش کی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی سے قسم لیتے تھے، حالانکہ رفعت وعظمت کے لحاظ سے ان مین باہم کس قدر اعتماد تھا لیکن جب قابل اطمینان طریقہ پر روایت کا ثبوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس پر عمل کرتے تھے اور اس کی مخالفت نہین کرتے تھے،

ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور مین حدیث کی روایت کم ہوئی، اور صرف انہی حدیثون پر اکتفا کیا گیا جن کی روایت دو گواہون کی شہادت سے ثابت ہو جائے اور وہ بھی اس وقت جب کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس کے لیے

حدیث کے بیان کرنے کی ضرورت ہو،

اس دور مین اجتہاد

اجتہاد کے معنی یہ ہین کہ شارعؑ کے معتبرہ دلائل یعنی قرآن وحدیث سے حکم شرعی کے استنباط مین پوری کوشش صرف کی جائے، اور اسکی دو قسمین ہین،

(۱) ایک تو یہ کہ قرآن وحدیث کے ظاہر الفاظ سے حکم کا استنباط کیا جائے، اور یہ اس صورت مین ہوتا ہے جب یہ الفاظ اس حکم کے محل وموقع کو بھی شامل ہوتے ہین،

(۲) دوسرے یہ کہ حکم قرآن وحدیث کے عقلی مفہوم سے اخذ کیا جائے، مثلاً نص قرآن یا نص حدیث کی کوئی علت ہو جو یا تو مصرح طور پر بیان کردی گئی ہو، یا استنباط کے ذریعہ سے نکالی گئی ہو اور وہ محلِ حکم مین بھی پائی جاتی ہو لیکن قرآن و حدیث کے الفاظ اُس کو شامل نہ ہون اور اصطلاح مین اسی کو قیاس کہتے ہین،

اس دور مین استنباط صرف ان فتوون تک محدود تھا جنکو وہ لوگ دیتے تھے جن سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا، اور یہ لوگ مسائل کے اثبات اور ان کے جواب مین بہت زیادہ پاؤن نہین پھیلاتے تھے، بلکہ اسکو مکروہ سمجھتے تھے، اور جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو جائے اُس کے متعلق اپنی رائے نہین ظاہر کرتے تھے، البتہ جب مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا تو اس کے لیے استنباطِ حکم مین اجتہاد کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کبار صحابہ سے جو فتوے منقول ہین اُن کی تعداد بہت کم ہے،

یہ لوگ اپنے فتاوی مین صرف دو چیزون پر اعتماد کرتے تھے،

(۱) ایک تو قرآن، کیونکہ وہی دین وملت کی بنیاد ہے اور چونکہ وہ اُن ہی کی

زبان مین نازل ہوا تھا اس لیے وہ اس کو نہایت واضح طور پر سمجھتے تھے، اس کے ساتھ ان کو خصوصیت کے ساتھ اسباب نزول کا علم تھا اور اس وقت عرب کے علاوہ اور کوئی شخص ان مین شامل نہین ہوا تھا،

(۲) دوسرے حدیث، چنانچہ جب کوئی حدیث مل جاتی تھی، تو وہ لوگ بالاتفاق اس کا اتباع کرتے تھے اور جو شخص اس کی روایت کی تصدیق کرتا تھا اسپر اعتماد کرتے تھے، اس بنا پر جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے، اور اگر اس مین اس کا حکم ملجاتا تو اسی پر فیصلہ کرتے لیکن اگر کتاب اللہ مین وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دوڑاتے، اور اگر اُن کے پاس کوئی قابل فیصلہ حدیث ہوتی تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے، لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگون سے دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ مین تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ اس حالت مین اکثر لوگ اُٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ مین یہ فیصلہ کیا ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن اگر ان کو وہ مسئلہ قرآن و حدیث مین نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فتوی دریافت فرماتے، اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی فیصلہ موجود ہوتا اور اُن کو اس کے خلاف کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے، اسی احتیاط فی القبول کے ساتھ جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا طرز عمل بھی یہی تھا،

صحابہؓ کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوتے تھے، جن کے متعلق قرآن و حدیث مین کوئی تصریح نہین ہوتی تھی، اس حالت مین اُن کو مجبوراً قیاس کرنا پڑتا تھا جسکو وہ لوگ رائے سے تعبیر کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید مین

کوئی تصریح نہ پاتے اور لوگون کے پاس حدیث بھی نہ ملتی تو لوگون کو جمع کرکے اُن سے مشورہ لیتے، اور جب کسی چیز پر ان کا اتفاقِ رائے ہوجاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا، چنانچہ جب شریحؒ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو اُن کو ہدایت کی کہ جو کچھ تمھین کتاب اللہ سے معلوم ہوسکے اسکو اسی مین دیکھو اور اُسکے متعلق کسی سے دریافت نہ کرو، اور جو چیز تمکو اس مین نہ معلوم ہوسکے اس کے متعلق حدیث نبوی کا تتبع کرو، اور جو چیز تم کو حدیث مین بھی نہ معلوم ہو اسمین اپنی رائے سے اجتہاد کرو، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ قضاءت فریضۂ محکمہ یا سنت متبعہ کا نام ہے، لیکن جو چیز تمکو قرآن و حدیث مین نہ ملے اور تمکو اسکی نسبت شبہہ ہو تو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو اس کے ہم صورت اور ہمشکل واقعات کو دریافت کرو، پھر اُن سے قیاس کرو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مفوضہ (وہ عورت جسکو طلاق لینے کا اختیار دیدیا جائے) کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ "مین اس کے بارے مین اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہون اگر وہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے، اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی طرف سے ہے، خدا اور خدا کا رسول اس سے بری ہے" حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کیا کہ کتاب اللہ مین بقیہ کا ثلث ہے؟ اُنھون نے کہا کہ مین اپنی رائے سے کہتا ہون اور تم اپنی رائے سے کہتے ہو، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک آدمی سے ملے تو فرمایا کہ تمھارے معاملہ مین کیا ہوا؟ اسنے کہا کہ علی اور زید نے یہ فیصلہ کیا، بولے اگر مین ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا، اسنے کہا کہ آپکو کس نے روکا ہے؟ خلیفہ تو خود آپ ہین، بولے اگر مین تم کو قرآن و حدیث کی طرف لوٹا سکتا تو انھی کی طرف لوٹاتا، لیکن مین تم کو اپنی رائے کی طرف لوٹاتا ہون اور رائے ایک مشترک چیز ہے، اس بنا پر اُنھون نے حضرت علی رض

اور حضرت زیدؓ کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا،

لیکن با این ہمہ وہ لوگ رائے پر اعتماد کرنا پسند نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ دین کے بارے میں بلا علم رائے زنی پر دلیر نہ ہو جائیں، اور اس میں ایسی چیزیں نہ شامل کر دیں جو اس میں شامل نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ نے رائے کی برائی بیان کی ہے، لیکن یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اُنھوں نے جس رائے کی بُرائی کی ہے وہ اُس رائے سے الگ ہے جس پر اُنھوں نے خود عمل کیا ہے، اس لیے قابلِ ذم رائے اگر ہے تو یہ ہے کہ فتوی میں خواہشِ نفس کی پیروی کی جائے اور اس کا استناد دین کی کسی اصل کی طرف نہ کیا جائے اور قابلِ ستایش رائے وہ ہے جسکو حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی کیلیے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے "ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو معلوم کرو، پھر اُن سے قیاس کرو،" کیونکہ اس صورت میں رائے پر عمل کرنا درحقیقت قرآن وحدیث کے عقلی مفہوم پر عمل کرنا ہے، بہرحال جن فتاوی میں ان لوگوں نے رائے استناد کیا ہے وہ بہت کم ہیں،

شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی حکم کے متعلق ایک جماعت سے مشورہ لیتے اور وہ اس کے متعلق اپنی رائے سے مشورہ دیدیتی تو لوگ اس پر عمل کرتے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتا، اظہارِ رائے کے اسی طریقہ کا نام اجماع تھا اور چونکہ اسوقت مجتہدین صحابہ کی تعداد محدود تھی اس لیے اُن سے مشورہ لینا اور اُن کی رائے کے نتیجہ سے واقف ہو جانا ممکن تھا، اور اس لیے اجماع ایک آسان چیز تھی، الغرض اس طریقہ پر اس زمانے میں احکام کے ماخذ چار تھے،

(۱) **قرآن** اور یہی قابلِ اعتماد ماخذ تھا،

(۲) حدیث،

(۳) **قیاس یا راے**، یہ قرآن و حدیث ہی کی فرع تھا،

(۴) **اجماع**، اور یہ بدیہی بات ہے کہ وہ اپنے اجماع مین قرآن، حدیث اور قیاس ہی سے استناد کرتے ہون گے،

شیخین کی سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ احکام مین بہت کم اختلاف ہونے پایا کیونکہ وہ یا تو مشورہ کے بعد صادر کیے جاتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ اس صورت مین اختلاف نہین ہوسکتا تھا یا وہ کتاب محکم اور سنت متبعہ معروفہ کے روسے صادر ہوتے تھے، ایسی حالت مین اختلاف کا سبب صرف وہ فتادی ہوسکتے تھے جو راے سے صادر کیے جاتے تھے لیکن ہم کو معلوم ہوچکا ہے کہ ان کو راے پر بہت کم اعتماد تھا، اس کے ساتھ لوگون پر حضرت عمرؓ کی عام ہیبت چھائی ہوئی تھی، اس لیے فتوی دینا اُن کے نزدیک کوئی آسان کام نہ تھا، بلکہ اس ذمہ داری کو لوگ ایک دوسرے کے سر پر ڈالنا چاہتے تھے،

یہ کھُلی ہوئی بات ہے کہ وہ اپنی رایون کو خود اپنی طرف منسوب کرتے تھے شریعت کی طرف منسوب نہین کرتے تھے، اس لیے عملی حیثیت سے اُس کو لازمی نہین قرار دیتے تھے، چنانچہ اسکی دلیل یہ ہو کہ حضرت ابوبکرؓ جب اپنی راے سے کوئی اجتہاد کرتے تھے تو کہتے تھے کہ "یہ میری راے ہے اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور مین خدا سے استغفار کرتا ہون" حضرت عمرؓ کے ایک محرر نے لکھا کہ "یہ خدا کی راے اور عمر کی راے ہے" تو انھون نے کہا کہ یہ نہایت بُری بات ہے "یہ عمر کی راے ہے، اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو عمر کی جانب سے" اور فرمایا سنت وہ ہے

جسکو خدا اور خدا کے رسول نے مقرر کیا ہو، رائے کی غلطی کو امت کیلیے سنت نہ بناؤ"

امام محمد بن حسن نے امام ابو حنیفہ سے اور اُنھون نے حماد سے اور انھون نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اُس کا مہر متعین نہین کیا' اور اس کے ساتھ مقاربت کرنے سے پہلے مرگیا، اب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ نے عورت کیلیے پورے مہر مثل کا فتوی دیا، چنانچہ جب وہ یہ فتوی دے چکے تو فرمایا کہ" اگر یہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب اور شیطان کی جانب سے ہے' خدا اور خدا کے رسول اُس کے ذمہ دار نہین" اسپر اُن کے ہم نشینون مین سے ایک آدمی (یعنی معقل بن سنان الاشجعی جو صحابی رسول اللہ صلعم تھے) نے کہا کہ" خدا کی قسم آپ نے وہی فیصلہ کیا جو خود رسول اللہ صلعم نے بروع بنت واشق الاشجعیہ کے معاملہ مین کیا تھا، چونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ کا یہ فتوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوی کے مطابق پڑگیا تھا' اس لیے وہ اس قدر خوش ہوے کہ اس سے پہلے کبھی اسقدر خوش نہین ہوئے تھے' لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس فتوی مین اُن کے مخالف ہین' وہ اس عورت کو وراثت دلواتے ہین' اُس کے لیے عدت لازمی قرار دیتے ہین' اور اس کو مہر نہین دلواتے اور کتاب اللہ کے مقابلے مین قبیلۂ اشجع کے ایک بدو کا قول تسلیم نہین کرتے الخ، جسکی وجہ یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق دیجاتی تو اس کو مہر نہ ملتا، چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ،	اگر تم عورتون کو ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدو تو تم پر کوئی گناہ نہین

اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ موت کو طلاق کے مثل قرار دیتے ہین اور چونکہ

وہ قبول روایت مین نہایت متشدد تھے اس لیے اس حدیث کو قبول نہین کرتے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ موت کو طلاق کے مثل نہین سمجھتے اور معقل کی روایت سے اپنی راے کی تائید کرتے ہین،

اس موقع پر اُن چند مسائل کا ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن مین اس دور کے بڑے بڑے فقیہون نے اختلاف کیا ہی، تاکہ اُن سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہوجائین،

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانے مین ایک مطلقہ عورت نے اپنی عدت کے زمانے مین نکاح کرلیا (اور قرآن مجید مین اس کی ممانعت آئی ہے) اس بنا پر حضرت عمرؓ نے شوہر کو چند کوڑے لگائے اور دونون مین علٰحدگی کرادی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت مین نکاح کرلے تو جس شخص نے اس سے نکاح کیا ہی، اگر اس کے ساتھ مقاربت نہین کی ہی تو ان دونون مین علیحدگی کرادیجائے گی اور اسکو اپنے پہلے شوہر کے طلاق کی بقیہ عدت گذارنی پڑے گی، اس کے بعد دوسرا شوہر اس کے ساتھ منگنی کرسکے گا لیکن اگر اس نے اُس سے مقاربت کرلی ہے تو دونون مین علٰحدگی کروادیجائیگی اُس کے بعد عورت کو شوہر کی طلاق کی عدت گذارنی ہوگی پھر وہ دوسرے شوہر کی علٰحدگی کی عدت گذاریگی اس کے بعد وہ اس سے کبھی نکاح نہ کرسکے گا، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک جب پہلے شوہر کی طلاق کی عدت گذرجلیگی تو دوسرا اگر چاہیگا تو اس کے ساتھ نکاح کرسکے گا، اس مسئلہ مین ان دونون بزرگون مین اختلاف یہ ہے کہ جب شوہر ثانی نے زوجہ معتدہ کے ساتھ مقاربت کرلی تو وہ اس کے لیے دائمی طور پر حرام ہوگئی یا نہین؟

قرآن مجید کی کوئی آیت دونون مین سے کسی کی بھی تائید نہین کرتی، لیکن حضرت عمرؓ نے

زجر و تادیب کے قاعدے پر عمل فرمایا ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اصول عامہ پر

(۲) حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ جو آزاد عورت غلام کی بی بی ہو جائے وہ صرف دو طلاقون سے دائمی طور پر حرام ہو جائے گی، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونون بزرگون کی مخالفت کی اور فرمایا کہ وہ تین طلاق سے کم مین دائمی طور پر حرام نہ ہو گی، البتہ جو لونڈی آزاد مرد کی بی بی ہو وہ صرف دو طلاقون سے دائمی طور پر حرام ہو جائے گی تو ان مفتیون نے اس پر تو اتفاق کر لیا ہو کہ غلام کے حقوق بہ نسبت آزاد آدمی کے آدھے ہین؛ البتہ ان مین یہ اختلاف ہو کہ طلاق کا اعتبار شوہر کے لحاظ سے کیا جائیگا یا بی بی کے لحاظ سے؟ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت زید رضؓ کے نزدیک چونکہ شوہر طلاق دینے والا ہے اس لیے طلاق کا اعتبار اسی کے لحاظ سے کیا جائیگا، لیکن حضرت علی رضؓ کے نزدیک چونکہ طلاق بی بی پر پڑتی ہے اس لیے اس کا اعتبار بی بی کے لحاظ سے کرتے ہین،

(۳) حضرت عبدالرحمان بن عوف رضؓ نے اپنی بی بی کو حالت مرض مین طلاق دی، حضرت عثمان رضؓ نے اس کی عدت گذرنے کے بعد اس کو اُن کے ترکہ سے وراثت دلوائی، لیکن ایک روایت ہے کہ شریح رحؒ نے ایک شخص کے بارے مین جس نے اپنی عورت کو حالت مرض مین تین طلاق دی تھی حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کو لکھا تو اُنھون نے ان کو لکھا کہ جب تک وہ اپنی عدت مین ہے اس کو وراثت دلوا دو؛ لیکن اگر عدت گذر جائے تو وراثت مین اس کا کوئی حق نہین، ان دونون بزرگون کا اسپر تو اتفاق ہے کہ مرض کی طلاق زوجیت کا رشتہ اس طرح نہین منقطع کر دیتی کہ وہ وراثت کا سبب نہ ہو سکے لیکن حضرت عمر رضؓ نے اس کی ایک حد مقرر کی ہے یعنی تا زمانۂ عدت اور حضرت عثمان رضؓ نے اُسکی

حد مقرر نہین فرمائی اور اس مسئلہ مین قرآن و حدیث کا کوئی صریح حکم جس کی طرف رجوع کیا جاسکے نہین ہے

(۴) جس حاملہ عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدت حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے وضع حمل مقرر کی ہے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن کی مدت مین جو زمانہ زیادہ طویل ہوگا وہی اسکی عدت کا زمانہ ہوگا، اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اگر کسی حاملہ عورت کو طلاق دی جائے تو زمانہ وضع حمل کو خداوند تعالی نے اُس کی عدت مقرر کیا ہے اور جس عورت کا شوہر قضا کر جائے اُس کی عدت کا زمانہ چار مہینے دس دن قرار دیا ہے اور اس مین حاملہ اور غیر حاملہ کی تفصیل نہین کی ہے، اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس عورت جس کا شوہر مر جائے کے معاملہ مین دونون آیتون پر عمل کیا ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت طلاق کو آیت وفات کا مخصص ٹھہرایا ہے، اس معاملہ مین ایک حدیث بھی ہے اور وہ یہ کہ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ کے شوہر نے انتقال کیا تو اُن کی وفات کے ۲۵ دن کے بعد اُن کے یہان ولادت ہوئی، ولادت کے بعد رسول اللہ صلعم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت کے گذر جانے کا فتوی دیا لیکن روایات کے قبول کرنے مین حضرت علی رضؓ کی جو متشددانہ راے ہے وہ ہم کو معلوم ہو چکی ہے

(۵) امام مسلم اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضؓ کے زمانہ مین اور حضرت عمر رضؓ کی خلافت کے دو سال تک اگر ایک ساتھ تین طلاقین دی جاتی تھین تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھین لیکن حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ جو کام مہل و تامل کا تھا اس مین لوگون نے جلد بازی کردی تو ہم بھی ان کی سزا کے لیے اسکو نافذ کردین، چنانچہ انھون نے اسکو نافذ کر دیا لیکن اور صحابہ نے

اس پر اتفاق نہین کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو موسی اشعریؓ سے اس کے خلاف روایت موجود ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو تعزیراً نافذ کیا ہے، اور جن لوگون نے اس کی مخالفت کی ہے اُنھون نے ظواہر نصوص کی پیروی کی ہے،

(۶) اگر شوہر ایلا کرے یعنی اپنی بی بی سے مقاربت کرنے کی قسم کھالے اور بغیر رجعت کیے ہوے اس پر چار مہینے گذر جائین تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتوی یہ ہے کہ بی بی پر طلاق بائن پڑ جائے گی، اور اب اگر شوہر اس سے نکاح کرنا چاہے تو اسکو نئے سرے سے منگنی (نکاح) کرنا ہوگی، لیکن اور صحابہؓ نے یہ فتوی دیا ہے کہ جب یہ مدت گذر جائے گی تو شوہر کو دو باتون مین سے ایک کا اختیار ہوگا یا تو رجعت کرلے یا طلاق دیدے، صرف چار مہینے کا گذر جانا طلاق نہ شمار کیا جائے گا، اور قرآن مجید کی آیت مین ان دونون فتوون کا احتمال ہے،

للذین یؤلون من نسائھم تربص	جو لوگ اپنی بیبیون سے ایلا کرتے ہین اُن کو چار مہینے
اربعة اشھر فان فاءُو فان اللہ	انتظار کرنا ہوگا، اس کے بعد اگر رجعت کرلین تو اللہ
غفور رحیم وان عزموا الطلاق	بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر طلاق کی ٹھان لین تو
فان اللہ سمیع علیم	اللہ سننے والا جاننے والا ہے،

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتوی ہے اور اس مین حضرت عمرؓ بھی ان کے موافق ہین کہ مطلقہ عورت جب تک تیسرے حیض کے بعد غسل کرکے پاک و صاف نہو جائے اپنی عدت سے نہین نکل سکتی لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ ہی وہ عدت سے نکل جائے گی اور اس اختلاف کا منشا یہ ہے

کہ لفظ "قرء" کے متعلق ان مین باہم اختلاف ہے حضرت زید بن ثابت رضؓ کے نزدیک اس کے معنی طہر یعنی پاکی کے ہین، (اس لیے تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ تین پاکیون کا زمانہ گذر گیا) لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس کے معنی حیض کے لیتے ہین (اس لیے جب تک وہ تیسرے حیض سے پاک نہو جاے تین حیض کا زمانہ گذر نہین سکتا)

(۸) اگر ایک عورت کو جسکو معمولاً حیض آتا ہے طلاق دی جاے اور طلاق دینے کے بعد اس کا حیض بند ہو جائے تو اس کی نسبت حضرت عمرؓ کا فتوی یہ ہے کہ وہ نو مہینے تک انتظار کرے گی، اس زمانۂ انتظار مین اگر یہ معلوم ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے تو بھی اس کی عدت کا زمانہ ہو گا ورنہ نو مہینے کے بعد اُسکو تین مہینے تک عدت مین رہنا ہو گا لیکن ان کے علاوہ اور لوگون نے یہ فتوی دیا ہے کہ اس کو اپنے آئسہ (یعنی بالکل حیض سے نا امید) ہونے کا انتظار کرنا ہو گا، اس کے بعد وہ مہینون کے حساب سے عدت گذارےگی، حضرت عمرؓ کے علاوہ جن لوگون نے فتوی دیا ہے اسمین عدت کے متعلق قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ اس عورت کو پہلے معمولاً حیض آتا تھا، اس لیے قرآن مجید کی آیت کے رو سے اُسکی عدت کا زمانہ تین حیض ہے اور اب تک وہ آئسہ نہ تھی کہ اُسکو مہینون کے حساب سے عدت بسر کرنا پڑے، لیکن حضرت عمرؓ کے فتوی مین عدت کے معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی اس بات کا ثبوت کہ عورت کو حمل نہین ہے اور حمل کی غالب مدت کے گذرنے کے بعد اس کا شبہہ باقی نہ رہ جائے گا، اس لیے وہ مہینون کے حساب سے عدت بسر کرے گی،

(۹) جس عورت کو تین طلاق دیجا چکے اس کی نسبت حضرت عمرؓ نے یہ فتوی دیا کہ

اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل ہی، لیکن جب اُن کو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث معلوم ہوئی کہ تیسری طلاق کے بعد رسول اللہ صلعم نے اُن کو حق نفقہ اور حق سکونت سے محروم کر دیا تو فرمایا کہ ہم اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنے پیغمبر کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر نہین چھوڑ سکتے، معلوم نہین اس نے یاد رکھا یا بھول گئی'' اور خدا کی کتاب سے یہ آیت مراد ہے،

لا تخرجوهن من بيوتهن ولا	(عدت مین) ان کو ان کے گھرون سے نہ نکالو اور
يخرجن الا ان يأتين بفاحشة	وہ (خود بھی) نہ نکلین مگر یہ کہ کُھلم کُھلا کوئی بے حیائی
مبينة	(کا کام) کر بیٹھین (تو ان کے نکال دینے مین کوئی مضائقہ نہین)

لیکن اور لوگون نے یہ فتوی دیا کہ اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل نہین ہے، اور ان لوگون نے اولاً تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہی، اور دوسرے اس آیت کے آخری ٹکڑے سے بھی دلیل لائے ہین،

لا تدري لعل الله يحدث بعد	(اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے) تو نہین جانتا
ذلك امرا	شاید اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے،

لیکن یہ عورت جسکو تین طلاق دیجا چکی اور وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی اس کے بارے مین خدا ملاپ کی کیا صورت پیدا کر سکتا ہے؟ اُن کے علاوہ اور لوگون کا فتوی یہ ہے کہ اس کو نفقہ کا تو نہین لیکن سکونت کا حق حاصل ہی، ان لوگون نے حق نفقہ کا انکار اس آیت کے مفہوم سے کیا ہے،

وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن حتی یضعن حملہن
اور اگر مطلقہ عورتین حاملہ ہون تو بچے جننے تک اُن کا خرچ اُٹھاتے رہو،

یہ لوگ کہتے ہین کہ غیر حاملہ عورت کو حقِ نفقہ حاصل نہین،

(۱۰) دادا کی موجودگی مین حضرت ابوبکرؓ بھائیون کو وراثت نہین دلواتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے دادا کی موجودگی مین بھی بھائیون کو وراثت دلوائی، حضرت ابوبکرؓ نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی مین بہ نصِ قرآن بھائیون کو وراثت نہین ملتی، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو باپ نہین تسلیم کیا، اور حضرت زید بن ثابت بھی اُن کے ساتھ متفق الرائے ہین،

(۱۱) امام مالک نے موطا مین روایت کی ہے کہ ایک جدہ (یعنی نانی) حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین اپنی میراث (یعنی نواسے کے ترکے سے) مانگنے آئی، انھون نے فرمایا کہ قرآن مجید مین تمھارا کوئی حصہ نہین، اور حدیث مین بھی ہم کو تمھارا حصہ معلوم نہین ہوتا، اس وقت واپس جاؤ تاکہ ہم لوگون سے دریافت کرلین انھون نے لوگون سے دریافت کیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میرے سامنے رسول اللہ صلعم نے نانی کو چھٹا حصہ دیا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کیا تمھارے علاوہ بھی کوئی اُسکی شہادت دیسکتا ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے بھی کھڑے ہوکر یہی بات کہی اور حضرت ابوبکرؓ نے اُسکو چھٹا حصہ دلوایا، اُس کے بعد دوسری جدہ (یعنی حقیقی دادی) حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت مین اسی غرض سے حاضر ہوئی تو اُنھون نے فرمایا قرآن مجید مین تمھارا کوئی حصہ نہین، اور رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ تمھارے لیے نہ تھا بلکہ نانی کے لیے تھا، مین بذاتِ خود فرائض مین کوئی اضافہ نہین کرسکتا، البتہ اسی چھٹے حصے مین اگر تم دونون

شریک ہو تو برابر تقسیم کرو، ورنہ جو تنہا ہو وہ اسی کا حق ہے، امام مالکؒ نے موطا مین روایت کی ہے کہ ضحاکؓ بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے) سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی اور اسکو حضرت محمد بن مسلمہؓ کی زمین مین سے لیجانا چاہا لیکن محمد بن مسلمہؓ نے اس سے انکار کیا، اسپر ضحاکؓ نے کہا تم مجھے کیون روکتے ہو؟ وہ تو تمھارے ہی فائدے کی چیز ہے، تم اس سے ہر طرح پر فائدہ اُٹھا سکتے ہو لیکن اب بھی اُنھون نے انکار کیا، اب اُنھون نے اس معاملے مین حضرت عمر بن الخطابؓ سے گفتگو کی، اُنھون نے محمد بن مسلمہؓ کو بلوایا اور حکم دیا کہ ان کو نہر لیجانے دو، لیکن اُنھون نے اب بھی انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے فائدے کی چیز مین کیون رکاوٹ پیدا کرتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے لیے بھی مفید ہے، تم اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتے ہو اور تم کو اس سے کوئی نقصان نہین پہونچ سکتا لیکن محمد بن مسلمہؓ نے کہا خدا کی قسم نہین، اب حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم وہ نہر تمھارے پیٹ پر سے ہو کر گذرے گی، چنانچہ ضحاکؓ کو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ محمد بن مسلمہؓ کی زمین مین سے نہر کو نکال لیجائین

(۱۳) امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین بھولے بھٹکے اونٹ بالکل آزادانہ چھوٹے ہوئے رہتے تھے بچے جنتے تھے، اور ان کو کوئی ہاتھ نہین لگا سکتا تھا، لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ کا زمانہ آیا تو اُنھون نے اُن کی تعریف (یعنی مالک کی تلاش کیلیے اعلان) کا حکم دیا، اس کے بعد وہ فروخت کر دیے جاتے تھے، اور جب اُن کا مالک آتا تھا تو اس کو ان کی قیمت دیدی جاتی تھی،

(۱۴) عراق اور شام کی فتح کے بعد صحابہؓ کے دور مین سب سے اہم مسئلہ جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ یہ زمین جو فوجی طاقت سے فتح ہوئی ہے اس کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کرین؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے اس کو مالِ غنیمت مین محسوب کر کے اس کا چار خمس مجاہدین پر تقسیم کر دینا چاہیئے، اور ایک خمس ان مصالح عامہ پر صرف کرنا چاہیئے جو قرآن مجید مین مذکور ہین چنانچہ جب ان لوگون نے یہ مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اگر یہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اس مین وراثت جاری ہو تو اس کے بعد کے آنے والے مسلمانون کا کیا حال ہوگا؟ میری یہ رائے نہین ہے" اسپر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا "تو کیا رائے ہے؟ زمین اور رعایا دونون کو خداوند تعالی نے مسلمانون کو بطور مال غنیمت کے دیا ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا "بات تو وہی ہے جو تم کہتے ہو لیکن میری رائے یہ نہین ہے خدا کی قسم میرے بعد جو ملک فتح ہوگا اسمین کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا، بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانون کے سر کا وبال ہو جائے اگر عراق کی زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دیجائے اور اسی طرح شام کی زمین مع ذمی رعایا کے بانٹ دیجائے تو سرحد کی حفاظت کیونکر ہوگی؟ شام، عراق اور دوسرے شہرون کے چھوٹے بچون اور بیوہ عورتون کو کیا ملے گا؟ لیکن لوگون نے حضرت عمرؓ سے بڑا مباحثہ کیا اور کہا کہ خدا نے ہماری تلوارون کے ذریعہ سے ہم کو جو مالِ غنیمت عطا فرمایا ہے، اسکو آپ ایسے لوگون پر وقف کرنا چاہتے ہین جو شریک جنگ نہین ہوئے آپ اسکو ایسے لوگون کے لڑکون اور پوتون کو دینا چاہتے ہین جو جنگ مین موجود نہ تھے"، لیکن باینہمہ حضرت عمرؓ اس سے زیادہ اور کچھ نہین کہتے تھے کہ "یہ رائے ہے" اب ان لوگون نے کہا کہ اس معاملہ مین مشورہ کیجیے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے مہاجرین اولین سے مشورہ طلب کیا،

ان لوگون نے بھی اختلاف کیا حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی راے یہ تھی کہ
اُن کے حقوق تقسیم کردیے جائین، اور حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضرت عمرؓ کے ہم راے تھے، اب حضرت عمرؓ نے دس انصار کو
طلب فرمایا جن مین پانچ آدمی شرفاے اوس کے اور پانچ آدمی شرفاے خزرج کے
تھے، یہ لوگ جمع ہوے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "مین نے آپ لوگون کو صرف اس لیے
تکلیف دی ہی کہ آپ لوگ میری ذمہ داریون مین شریک ہون کیونکہ مین بھی آپ
ہی لوگون کا ایک معمولی فرد ہون، اور آج آپ ہی لوگ حق کو قائم رکھ سکتے ہین، کسی نے
میری مخالفت کی اور کسی نے میری موافقت، مین یہ نہین چاہتا کہ آپ لوگ میری
اس خواہش نفسانی کی تقلید کرین، آپ کے ساتھ خدا کی حق گو کتاب ہے، اگر مین کوئی
ایسی بات کہون جسکو مین کرنا چاہتا ہون، تو اس سے میرا مقصد صرف حق ہوگا"
ان لوگون نے کہا "اے امیرالمومنین فرمایے ہم سنینگے" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "آپ لوگون نے
ان لوگون کی بات سُن لی جو خیال کرتے ہین کہ مین اُن کے حقوق کو ظلماً لینا چاہتا
ہون اور مین خدا سے پناہ مانگتا ہون کہ مین ظلم کا ارتکاب کرون، اگر مین اُن سے ظلماً
کوئی ایسی چیز لے لون جو اُن کی ہو اور اس کو دوسرون کو دیدون تو مین بدبخت ہون گا،
لیکن میری راے یہ ہے کہ ملک کسریٰ کی فتح کے بعد اگر تمام مال، جائداد، اور رعایا
کو مال غنیمت سمجھ کر تقسیم کردیا جائے، اور خمس کو مین اس کے مصارف مین صرف کردون تو
کوئی دوسرا ملک فتح نہ ہوسکے گا، میری راے یہ ہی کہ مین تمام اراضی کو مع رعایا کے
وقف قرار دون اور ان پر خراج اور جزیہ مقرر کرون تاکہ وہ شرکاے جنگ، خردسال
بچون اور اُن کے بعد کے مسلمانون کے لیے وقف عام ہو، کیا آپ لوگون کو یہ نہین

معلوم کہ ان سرحدون کی حفاظت کے لیے بہت سے اشخاص کی ضرورت ہے جو وہان جمع رہین ۔ کیا آپ لوگون کو یہ نہین معلوم کہ ان بڑے بڑے شہرون یعنی شام جزیرہ کوفہ بصرہ اور مصر کیلیے یہ ضروری ہے کہ فوجون کے ذریعہ سے ان کی حفاظت کی جائے اور ان کو وظائف دیے جائین ۔ لیکن اگر زمین اور رعایا تقسیم کردی گئی تو انکو کہان سے وظیفہ دیا جائیگا ۔ اب ان لوگون نے کہا کہ "آپ ہی کی رائے ٹھیک ہے" اور آپ نے یہ بہت صحیح فرمایا کہ اگر یہ سرحدین اور یہ شہر فوجون کے ذریعہ سے محفوظ نہ رکھے جائین اور ان کے وظائف نہ مقرر کیے جائین، تو تمام کفار اپنے اپنے شہرون مین واپس چلے جائینگے" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اب میرے لیے معاملہ صاف ہوگیا اور زمین کو خود اُس کے اصلی مالکون کے ہاتھ مین رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر کیا، ان کی یہ رائے صحیح تھی اور عام رائے کی پیروی مین مخالفین خاموش ہوگئے،

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگون مین برابر برابر مال تقسیم فرماتے تھے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہین دیتے تھے، لیکن اُن سے کہا گیا کہ آپ نے تقسیم مال مین تمام لوگون کو برابر کردیا، حالانکہ بہت سے لوگ فضیلت رکھتے ہین، ان کو قدامت حاصل ہے، اور ان کے اگلے کارنامے ہین، ان لوگون کو ترجیح دینی چاہیے" لیکن اُنھون نے کہا کہ "ان چیزونکا ثواب تو خدا کے یہان ملے گا معاش کے معاملہ مین مساوات ہی بہتر ہے،" لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے مین فتوحات کو وسعت ہوئی تو اُنھون نے ترجیحی حقوق قائم کیے، اور فرمایا کہ جن لوگون نے رسول اللہ صلعم سے جنگ کی ہے مین اُن کو ان لوگون کے برابر نہین کرسکتا جو آپ کے ساتھ شریکِ جہاد ہوے ہین اور اسی اصول پر اُنھون نے فوجی دفتر مرتب کیا،

ہمارا مقصد یہ نہین کہ اُس دور کے تمام مفتیون کے فتاوی کا استقصاء کرین اور اُن کے تمام اختلافی مسائل کو بیان کرین، ہم نے صرف چند مثالین اس غرض سے درج کی ہین کہ اُن کے استنباط کا طریقہ معلوم ہوجائے، اور باوجود قربِ عہدِ رسالت کے اُن کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہوجائین، چنانچہ ان مسائل سے اختلاف کے یہ تین سبب معلوم ہوتے ہین،

(ایک) تو قرآن کے سمجھنے مین اختلاف ہوا اور اس کی وجہ سے فتوی مین بھی اختلاف ہوگیا، چنانچہ اس کی چند صورتین ہین،

(۱) قرآن مجید مین ایک ایسے لفظ کا آنا جسکے دو معنی ہوسکتے ہین، مثلاً اس آیت مین،

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء،	مطلقہ عورتین اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھین،

لفظ "قرء" کے معنی کے سمجھنے مین اختلاف ہوا، اور حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی حیض کے، اور حضرت زید بن ثابتؓ نے طہر یعنی پاکی کے سمجھے، اور ہر ایک نے دلائل سے اپنے اپنے مفہوم کی تائید کی، اسیطرح آیتِ ایلا، مین خداوند تعالی نے مُولی یعنی بی بی کے پاس جانے کی قسم کھانے والے کے لیے چار مہینے کی مدت مقرر کی جس مین اس کو انتظار کرنا چاہیے اُس کے بعد فرمایا

فان فاءو فان الله غفور رحیم	اگر قسم سے رجوع کرجائین تو اللہ بخشنے والا مہربان
وان عزموا الطلاق فان الله سمیعٌ علیم	ہے، اور اگر طلاق کی ٹھان لین تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے،

جس مین یہ بھی احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ مدتِ معینہ کے گذرنے کے بعد ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ رجعت صرف مدتِ معینہ مین ہو سکتی ہے اور جب وہ مدت گذر گئی تو رجعت نہین ہو سکتی، بلکہ اُس کے گذرنے کے ساتھ ہی طلاق پڑجائے گی،

(۲) دو الگ الگ چیزون کے متعلق دو مختلف حکمون کا آنا جس سے یہ گمان پیدا ہو کہ ان مین ایک حکم دوسری چیز کے بعض اجزاء کو بھی شامل ہے، اور اسطرح وہ دونون حکم اس جزء مین باہم متعارض ہو جائین مثلاً جس عورت کا شوہر مرگیا ہو اُسکی عدت کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے اس نے اُس پر چار مہینے دس دن کا انتظار واجب کیا ہے، اور اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے لیکن جس حاملہ عورت کو طلاق دیجائے اس کی مدت کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے اس نے اس کی عدت وضعِ حمل کو قرار دیا ہے، اس بنا پر جس حاملہ عورت کا شوہر مرگیا ہو، وہ دونون آیتون کے تحت مین داخل ہو سکتی ہے، پہلی آیت کے رُو سے اگر چار مہینے دس دن سے پہلے ہی وضعِ حمل ہو جائے تب بھی اس کو اس مدت مین عدت گذارنی چاہیے لیکن دوسری یعنی مطلقہ عورت کی مدت والی آیت کے رُو سے اگر اس مدت کے گذرنے سے پہلے لڑکا ہو جاے تو اس پر اس مدت کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ اس کی عدت زمانۂ وضعِ حمل کو قرار دیا جائیگا، چنانچہ بعض کبارِ صحابہؓ نے ان دونون راویون کے مطابق فتوی دیا ہے،

(۳) دوسرے، حدیث کی وجہ سے فتوون مین اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ بعض حدیثین عام طور پر معلوم نہین اور صحابہ کے ایک جمِ غفیر کے

سامنے یا تو اُن پر عمل کیا گیا تھا یا وہ رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئی تھین
مثلاً نماز، کیفیتِ نماز، تعدادِ رکعاتِ نماز، حج اور شعائرِ حج کے متعلق جو حدیثین تھین وہ
اسی قسم کی تھین، لیکن بعض حدیثون پر صرف ایک یا دو آدمیون کے سامنے عمل
کیا گیا تھا یا آپ کی زبانِ مبارک سے وہ انہی اشخاص کے سامنے ادا ہوئی تھین،
اس بنا پر ان کی روایت صرف اُنہی لوگون تک محدود تھی جو اس وقت موجود تھے
چنانچہ اکثر قولی حدیثین اسی قسم کی ہین، اور وہی منشار اختلاف ہین کیونکہ اس دور
مین روایتِ حدیث کا رواج نہ تھا، اور حدیثین کسی ایسی کتاب مین مدون نہین کیگئی تھین
جس کی طرف رجوع کیا جا سکے اس لیے جب مفتیون کے سامنے کوئی واقعہ آتا
تھا اور ان کو اس کے متعلق قرآن مجید مین کوئی آیت نہین ملتی تھی، تو وہ لوگ اپنے
رفقاء سے اُس کے متعلق رسول اللہ صلعم کا فتوی دریافت فرماتے تھے، اور اُس
حالت مین بعض لوگ ایسے نکل آتے تھے جو اُن کے لیے حدیث بیان کر دیتے تھے
اور وہ لوگ کافی احتیاط کے بعد اس کے مطابق فتوی دیدیتے تھے، چنانچہ حضرت
عمرؓ راوی سے ایک ایسے شخص کا مطالبہ کرتے تھے جو سماعِ حدیث مین اس کا
شریک ہو، اور حضرت علی بن ابی طالبؓ راوی سے قسم لیتے تھے لیکن جو حدیث
ایسی روایت کی جاتی تھی جسکی صداقت پر اُن کو کافی اطمینان نہین ہوتا تھا اُس پر
وہ عمل نہین کرتے تھے، مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہم اپنے خدا کی کتاب اور اپنے
پیغمبر کی سنت کو ایک عورت کے قول سے نہین چھوڑ سکتے ہم کو کیا معلوم کہ وہ صحیح
کہتی ہے یا غلط، اس نے یاد رکھا یا بھول گئی" غرض عدمِ روایت کے رواج، اور
روایت کردہ حدیثون کے قبول کرنے مین چھان بین کی بنا پر وہ لوگ کبھی اس مفہوم کے

روسے فتویٰ دیتے تھے جو آیاتِ قرآنیہ کے عموم سے سمجھا جاتا تھا حالانکہ اس موقع پر ایسی حدیث موجود ہوتی تھی جو اُس عموم کی تخصیص کرتی تھی لیکن جب کوئی نص موجود نہ ہوتی تو وہ لوگ رائے اور اجتہاد سے فتویٰ صادر کرتے تھے،

(تیسرے) رائے کی وجہ سے فتوے مین اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہین کہ جب واقعہ کے متعلق قرآن پاک یا حدیث کی کوئی نص نہین ہوتی تھی تو وہ لوگ رائے سے فتویٰ دیتے تھے لیکن رائے کے متعلق وہ یہ لحاظ نہین کرتے تھے کہ اس واقعہ کی کوئی معین اصل ہے یا نہین؟ بلکہ جو چیز عملاً موافقِ مصلحت اور فقہ اسلامی کی روح سے قریب تر ہوتی تھی اسی کا نام اُنھون نے رائے رکھا تھا، مثلاً حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ اُن کے پڑوسی کی نہران کی زمین مین سے نکالی جا سکتی ہے، کیونکہ اس مین فریقین کا فائدہ تھا، اور محمد بن مسلمہؓ کو کوئی نقصان نہین پہونچتا تھا، یا مثلاً انھون نے دفعۃً واحدۃً تین طلاق کے پڑجانے کا فتویٰ دیا کیونکہ جو معاملہ غور و فکر کا محتاج تھا اس مین لوگ جلد بازی سے کام لینے لگے تھے، یا مثلاً جس شخص نے زمانۂ عدت مین کسی عورت سے نکاح کر لیا، علٰحدگی کے بعد انھون نے دوبارہ تعزیری طور پر اُس کے نکاح کو اس کے لیے حرام قرار دیا، لیکن مصالح پر مختلف لوگ مختلف حیثیتون سے نگاہ ڈالتے ہین، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے مین بعض مفتیون نے ان کی رائے کی مخالفت کی، اور چند مسائل مین جیسا کہ ہم "بھائیون کے ساتھ دادا کی میراث" اور عطیہ مین باہمی ترجیح کے متعلق بیان کر چکے ہین حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کی اور اُن کے فیصلہ سے الگ فیصلہ کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی چند مسائل مین اس دور کے مفتیون کے خلاف فتویٰ دیا ہے

چنانچہ جو یتیم ان کی کفالت مین ہوتے تھے وہ اُن کے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے لیکن اُن کے علاوہ اور صحابہؓ کا فتوی یہ تھا کہ یتیم کے مال مین زکوٰۃ نہین ہے، لیکن ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ اس دور مین اختلاف بہت زیادہ نہ تھا، کیونکہ جتنے مسائل و واقعات پیدا ہوتے تھے، اسی قدر وہ فتوے دیتے تھے، اوران کے زمانے مین فتاوی مدون نہین کیے گئے تھے، غرض اس دور تک فقہ حسب ذیل چیزون کا نام تھا،

(۱) قرآن مجید کے احکام و آیات،

(۲) وہ حدیثین جو عام طور پر معلوم تھین اوران پر عموماً عمل کیا جاتا تھا، ان کے علاوہ وہ حدیثین جنکو دوسرے صحابہ نے روایت کیا تھا اور کبار صحابہ نے اُن کو قبول کرلیا تھا، یا وہ حدیثین جنکو کبار صحابہ نے خود سنا تھا،

(۳) چند فتاوے جو اجتہاد و بحث کے بعد اُن کی راے سے صادر ہوے

اس دور کے مشہور ترین مفتی خلفاء اربعہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوموسی اشعریؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ ہین، لیکن ان مین حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے زیادہ تر فتوی دیے ہین اور حضرت زید بن ثابتؓ خصوصیت کے ساتھ فرائض کے مفتی ہین،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات تو اس قدر واضح ہین کہ اس موقع پر اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی البتہ انکے علاوہ ہم دو بزرگون کے حالات درج کرتے ہین،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہذلی بنو زہرہ کے حلیف اور قدیم الاسلام ہین انکا بیان ہے کہ مین نے اپنے آپ کو چھ مسلمانون مین کا چھٹا مسلمان پایا اس وقت سطح زمین پر ہم لوگون کے سوا کوئی اور مسلمان نہ تھا مکہ مین سب سے پہلے انھین نے باعلان قرآن مجید پڑھا جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلعم نے اُن کو لے لیا، اور وہ آپ کی خدمت کرنے لگے، آپ نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہین تمھاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سن لو اور پردہ اُٹھا ہوا ہو، چنانچہ وہ آپ کے پاس اندر آتے جاتے آپ کو جوتا پہناتے آپ کے ساتھ اور آپکے آگے آگے چلتے جب آپ غسل فرماتے تو پردہ کرتے، اور جب آپ سوتے تو آپ کو بیدار کرتے، حبشہ اور مدینہ دونون جگہ ہجرت کی اور دونون قبلون کی طرف نماز پڑھی، رسول اللہ صلعم کے ساتھ بدر، احد، خندق، بیعۃ الرضوان اور تمام لڑائیون مین شریک ہوئے، اور آپ کے بعد معرکہ یرموک مین شرکت کی ان سے بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ ہم کو ایسا شخص بتائیے جو طور وطریقے مین رسول اللہ صلعم سے سب سے زیادہ قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے حدیث سنین اور اخذ کرین، بولے طرز وروش مین رسول اللہ صلعم سے سب سے زیادہ قریب ابن مسعودؓ ہین اصحاب محمدؐ مین جو لوگ محفوظ ہین وہ جانتے ہین کہ ابن ام عبد عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ مقرب بارگاہ الٰہی ہین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اگر مین کسی کو بغیر مشورہ خلیفہ بناتا تو ابن ام عبدؓ کو بناتا،

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اُن کو کوفہ بھیجا اور باشندگان کوفہ کو لکھا کہ میں نے عمار بن یاسرؓ کو امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے یہ دونوں رسول اللہ صلعم کے شریف ترین بدری صحابی ہیں، ان کی پیروی اور اطاعت کرو، اور ان کا کہنا مانو، میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ اپنے آپ پر تمکو ترجیح دی ہے، اور اُنھوں نے اہلِ کوفہ کے معلم اور قاضی کی حیثیت سے وہاں قیام کیا اور وہاں کے باشندے اُن سے حدیث اخذ کرتے رہے، اور اُنھوں نے جیسا کہ اُن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے قرآن کو پڑھا اور اس کے حلال کو حلال اور اسکے حرام کو حرام سمجھا، مذہب کے فقیہ اور حدیث کے عالم تھے،

اُن کی زندگی کے اخیر حصہ میں حضرت عثمانؓ سے اُن کے تعلقات خراب ہو گئے اور اُنھوں نے ان کو مدینہ میں بلا لیا چنانچہ وہ مدینہ میں آئے اور تادمِ وفات وہیں مقیم رہے، ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اُن کے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات سے پہلے جو ۳۲ھ میں واقع ہوئی، ہر ایک نے دوسرے کیلیے طلب مغفرت کی،

حضرت زید بن ثابتؓ

ان کے باپ کا نام ضحاک تھا اور انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے رسول اللہ صلعم جب مدینہ میں آئے تو اُن کی عمر ۱۱ سال کی تھی، سب سے پہلے اُنھوں نے غزوہ خندق میں شرکت کی، تبوک کی جنگ میں بنو مالک بن النجار کا جھنڈا حضرت عمارہ بن حزمؓ کے ہاتھ میں تھا، لیکن رسول اللہ صلعم نے ان سے لیکر حضرت زید بن ثابت

کے حوالے کردیا، عمارہ نے کہا "یا رسول اللہ کیا میرے متعلق آپ کو کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟" فرمایا "نہین لیکن قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن پڑھا ہے"

حضرت زید بن ثابتؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے، آپکے پاس سُریانی زبان مین بہت سے خطوط آتے تھے، اس لیے حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ کے ارشاد سے سُریانی زبان سیکھی، آپ کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بھی کاتب رہے، اور حضرت عمرؓ نے اُن کو تین بار مدینہ ہی مین اپنا جانشین بنایا اور حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جاتے تھے تو اُن کو اپنا جانشین بناتے تھے، وہ صحابہؓ مین سب سے زیادہ فرائض کے عالم تھے، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ زید تم مین سب سے زیادہ علم فرائض کو جانتے ہین، وہ صحابہ مین بہت بڑے عالم اور راسخین فی العلم مین تھے، جب وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ تنہا ہوتے تھے تو نہایت خوش طبع تھے، لیکن قوم کے مجمع مین نہایت باوقار رہتے تھے، وہ عثمانی تھے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت مین کسی جنگ مین شریک نہین ہوئے، لیکن ان کے فضل اور ان کی تعظیم کا اظہار کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے اُن سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے مین قرآن مجید کو اُنہی نے جمع کیا، اور حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ مین اس کام کیلیے چند لوگون کو مقرر کیا تھا اُن کے ساتھ بھی وہ شریک رہے،

تیسرا دور

صغار صحابہ رضؓ اور اُن کے تلامذۂ تابعین کے عہد میں فقہ

یہ دور حکومت معاویہ رضؓ یعنی ۴۱ھ سے شروع ہوا اور اس وقت تک قائم رہا جب عربی سلطنت میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے یعنی دوسری صدی ہجری کے آغاز تک۔

سیاسی صورت حال

یہ دور اس زمانہ سے شروع ہوا جب عام اسلامی جماعت نے حضرت امیر معاویہ رضؓ کی حکومت پر اتفاق عام کرلیا، یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے اکتالیسویں سال کو عام الجماعۃ یعنی جماعت کا سال کہا جاتا ہے، لیکن باینہمہ ابھی تک سیاسی اختلافات کی بیخکنی نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ لوگ ایسے باقی رہ گئے تھے جو حضرت امیر معاویہ رضؓ اور انکے خاندان کے ساتھ دلمیں بغض واختلاف رکھتے تھے، یہ لوگ دو گروہ میں منقسم تھے جن میں پہلا فرقہ خارجیوں کا تھا جو اپنے سیاسی اصول کے موافق استبدادی سلطنت اور مستبد بادشاہ کا دشمن تھا، اور اُس کے نزدیک خلافت اسلامیہ کسی خاص خاندان اور کسی خاص شخص کی ذات میں محدود نہ تھی، بلکہ اس کا دار و مدار جمہور کے ارادہ پر تھا، اور وہ اپنی سیاست اور حکومت کیلیے خود موزون شخص کا انتخاب کرسکتے تھے، یہ لوگ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ سے بالکل اپنی علیحدگی

ظاہر کرتے تھے، کیونکہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کی سیاست سے اختلاف کیا، اور اپنے خاندان والون کی رعایت اور عزت افزائی کی اور قومی حقوق مین اُن کو ترجیح دی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اور اپنے مخالفین کے درمیان تحکیم پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کرلیا، دوسرا فرقہ شیعون کا تھا جو خلافت کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا تھا، اس لیے جس شخص نے اُن کے اس حق کو غصب کرلیا وہ اُن کے نزدیک ظالم ہے اور اس کی حکومت جائز نہین،

حضرت امیر معاویہؓ کے سیاسی طرز عمل نے شیعون کے شورش انگیز خیالات کو پرسکون بنادیا تھا اور خارجیون کی سختیان کم کردی تھین یہی وجہ ہے کہ اُن کی وفات کے بعد ہی اتحاد اسلامی کے خلاف شورشین برپا ہونے لگین چنانچہ اہل مدینہ نے یزید کی فسخ بیعت کیلیے شورش کی، اور حضرت امام حسینؓ نے اس خیال سے عراق کا رُخ کیا کہ وہان اُن کے باپ کے حامیون مین سے ایسے شخص مل جائینگے جو اُن کے مغصوب حق کی واپسی مین اُن کی مدد کرینگے اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے مکہ مین پناہ گزین ہوکر مخالفت کی، ان لوگون کی شورش نے اہل مدینہ کو بہت مضطرب الحال بنادیا، اور اُن پر سخت آفتین نازل ہوئین، چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام حدود عراق مین داخل ہونے سے پہلے ہی شہید کردیے گئے اور اُن کے اہلبیت مین بہت سے لوگون نے خود اہل عراق کے درمیان شہادت پائی، اور اگر یزید مرگیا نہ ہوتا تو حضرت ابن زبیرؓ کا بھی یہی حشر ہوتا،

یزید کی موت کے بعد فتنۂ وفساد کی یہ آگ اور بھی بھڑکی اور جب تک عبد الملک بن مروان نے

مکہ مین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا کام تمام نہ کرلیا، اور وہ تمام ممالک واپس نہ لیلیے
جو شورش کا مرکز تھے، یہ آگ اسی شدت کے ساتھ بھڑکتی رہی، لیکن حضرت عبداللہ
بن زبیرؓ کی شہادت اور ان ممالک کی واپسی کے بعد اب دوبارہ مسلمانون مین اتفاق
عام پیدا ہوا اور شیعون کی دعوت اور خوارج کی شدت زائل ہوگئی لیکن حضرت
امیر معاویہؓ کی ذات پر مسلمانون کا جو اتفاق ہوا تھا اُس سے یہ اتفاق مختلف تھا، کیونکہ
امیر معاویہؓ نے اسکو رفق و ملاطفت اور حسن مجاملت کے ذریعہ سے محفوظ رکھا تھا اور عبدالملک
نے اس کی بنیاد بالکل قوت پر قائم کی تھی، کیونکہ اس نے مرکزِ فساد مین حجاج بن یوسف
پر اعتماد کیا تھا، جو اُن مستبدین کا امام تھا جو جبر و اقتدار کے ساتھ اتحاد و اتفاق قائم
کرنا چاہتے ہین، لیکن یہ ایک ایسا طریقہ ہے جسکا اثر دیرپا نہین ہوسکتا، اس لیئے
عبدالرحمان بن محمد بن الاشعث الکندی کے زیر اثر اس کے خلاف ایک دوسری
عظیم الشان شورش پیدا ہوئی، اور اگر شام کی پے در پے کمک جس نے سخت جدوجہد
کے بعد اس شورش کا خاتمہ کردیا نہ پہونچتی رہتی تو اس شورش نے تقریباً بنو امیہ کے اقتدار
ہی کا خاتمہ کردیا ہوتا، اسی طرح حجاج کو خوارج سے بھی سخت مقابلہ کرنا پڑا، اور اگر مہلب بن
ابی صفرہ کی ہمت شامل حال نہ ہوتی، اور خارجیون مین فرقہ بندی نہ ہوگئی ہوتی تو انکا
معاملہ بھی نہایت سخت ہوجاتا، ان تمام مصائب کے خاتمہ کے بعد ولید بن عبدالملک
کا دور آیا جو حکومتِ بنو امیہ کا سب سے زیادہ روشن اور خوشگوار دور تھا، اس دور مین فتنہ و فساد
کا خاتمہ ہوگیا اور مشرق و مغرب مین عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ قائم ہوا لیکن جسطرح
آندھیون کے سخت جھکڑون کے بعد سکون پیدا ہوجاتا ہے، اسیطرح یہ سکون بھی عارضی
اور وقتی تھا، ولید کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کا دور آیا اور اس نے

سپہ سالاران سلطنت یعنی قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم بن محمد اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ جنھون نے مشرق و مغرب مین اس سلطنت کے اقتدار کو پھیلایا تھا بدسلوکی کی کیونکہ قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم حجاج بن یوسف سے تعلق رکھتے تھے، اور سلیمان اس سے بغض رکھتا تھا، اسی طرح بعض ذلیل خواہشون کی بنا پر موسیٰ بن نصیر سے بھی اس کے تعلقات خوشگوار نہ تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اُن کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اُن کے دل سلیمان بن عبد الملک سے صاف نہ رہ سکے، سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز کو خلیفہ بنایا جنھون نے لوگون مین عدل و مساوات پھیلایا اور ان کے اسلاف کے قبضہ مین جو چیزین تھین ان کو مظالم کے نام سے واپس لیکر بیت المال مین داخل کر دیا، خلافت کے متعلق اُن کی رائے خوارج کی رائے سے بہت کچھ مشابہت رکھتی تھی کیونکہ اُنھون نے اسکو اپنی قوم سے نکالنا چاہا، اور اس کا اہل اس شخص کو قرار دیا جو علم اور دین کے لحاظ سے اس کے لیے موزون تر ہو، لیکن اُن کی عاجلانہ موت کی وجہ سے یہ معاملہ غیر مکمل رہ گیا، ان کی نرمی اور چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے عہد مین دوسری صدی کے آغاز مین بنو عباس کی مخفی دعوت کا سلسلہ قائم ہوا، یزید بن عبد الملک ان کا جانشین ہوا اور اس کے بعد اُس کا بھائی ہشام بن عبد الملک خلیفہ ہوا جسکے زمانے مین زید بن علی بن الحسین نے خلافت کا مطالبہ کیا اور اس طرح اُن کی ذات سے فتنۂ علویہ اُٹھ کھڑا ہوا، لیکن وہ اس ناکامیاب مقصد کے لیے مقتول ہوئے اور اُن کے بعد ہی اُن کے فرزند یحییٰ بن زید بھی قتل کیے گئے، ہشام بن عبد الملک کے دور مین عباسیہ کی مخفی دعوت نے جس نے اخیر مین سلطنت بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا نشوونما پائی، غرض اس دور مین عالم اسلامی کا جو حال تھا اس کا اجمالی خلاصہ یہ ہے

اُس دَور کے امتیازی خصوصیات

یہ ہین کہ،

(۱) مسلمانون مین سیاسی حیثیت سے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہین فرقہ بندیان قائم ہوگئین، اس لیے خارجی اور شیعی دونون فرقون کے رجحانات و میلانات بالکل الگ الگ تھے، شیعون کا میلان حضرت علیؓ، اہلِ بیت، اور اُن کی جماعت کی طرف تھا، اور یہ لوگ اُن کے دشمنون پر لعنت و ملامت کرتے تھے، اور بسا اوقات اس سے بڑھ کر ان کو کافر کہتے تھے اور اُن سے برات کرتے تھے، اور اُن حالات مین یہ بدیہی بات ہے کہ ان لوگون کی نگاہ مین ان لوگون کے اقوال و آثار کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی لیکن خوارج کا میلان حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور اُن کے رفقا کی طرف تھا اور یہ لوگ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے دوستون سے برأت کا اظہار کرتے تھے، اور اس وجہ سے ان لوگون مین کسی کی رائے کو حجت و دلیل نہین سمجھتے تھے، طرفدارانِ معاویہ یا عام مسلمان ان دونون فرقون سے نفرت رکھتے تھے، اور اُن کی کوئی قدر و قیمت نہین سمجھتے تھے، اس لیے ان اختلافات نے استنباطِ احکام پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا،

(۲) علماے اسلام عام طور پر اسلامی شہرون مین پھیل گئے، چنانچہ مدینہ منورہ سے نکل کر بعض صحابہؓ نے معلم اور بعض نے قاری کی حیثیت سے دوسرے اسلامی شہرون مین سکونت اختیار کر لی، یہان تک کہ یہ نئے شہر اُن کے وطن تسلیم کر لیے گئے،

اوران کی تعلیم و ارشاد کے ذریعہ سے کبار تابعین کی ایک جماعت پیدا ہوگئی جو فتوی مین اُن کی شریک ہوئی، اور خود صحابہؓ نے بھی اس منصب مین ان کے حق شرکت کو تسلیم کرلیا اور انھون نے اپنی علمی مشغولیت اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے جو درجہ حاصل کیا تھا اُسکو بلند کردیا، اگر مکہ اور مدینہ کا وجود نہ ہوتا، اگر مسلمانون کے دلون مین ان دونون کی عام وقعت نہ ہوتی، اگر مکہ حج کا مقام نہ ہوتا اور مختلف العقیدہ اور مختلف المیلان مسلمان وہان آمدورفت نہ رکھتے تو دور دراز شہرون کے علماء مین علمی تعلق قائم نہ ہوسکتا،

(۳) چونکہ روایت حدیث کی رکاوٹ کا سبب دور ہوگیا اس لیے روایت حدیث کا عام رواج ہوا، چنانچہ خلفائے راشدین رض کے بعد جو صحابہؓ رہ گئے تھے، اُن کے پاس دوسرے شہرون سے فتوی اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے، تمدن کی وسعت نے بہت سی نئی ضرورتین پیدا کردی تھین جن کے احکام کے متعلق اُن کو مجبوراً تحقیقات کرنی پڑتی تھی، اور اس حالت مین صحابہؓ اور اُن کے شرکائے فتوی یعنی کبار تابعینؒ کے سوا ان کا کوئی دوسرا ٹھکانا نہ تھا، اس لیے اُن حدیثون کے ذریعہ سے جو اُن کو یاد تھین ان کو فتوی دینا پڑتا تھا، لیکن ان مین بعض حدیثون کو تو اُنھون نے براہ راست رسول اللہ صلعم سے سنا تھا، اور بعض حدیثین کبار صحابہ سے سُنی تھین، اس دور کے اصحاب فتوے سے حدیثون کی ایک بہت بڑی تعداد روایت کی جاتی ہی، چنانچہ ان مین بعض مفتیون کی حدیثین ہزارون سے زیادہ ہین، مثلاً مسند احمد بن حنبل مین مسند ابی ہریرہ ۳۱۳ صفحون اور مسند عبداللہ ابن عمر ۱۵۶ صفحون مین لکھا ہوا ہی، اور اسی کے قریب اس دور کے

اور صغار صحابہؓ کا حال ہے، حالانکہ مسند ابی بکرؓ ۱۴ صفحون مین لکھا ہوا ہے، اور حضرت عمرؓ جو دور اول کے امام المفتیین تھے ان کا مسند ۱۴ صفحون مین درج ہے، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فتوی مین اُن کے ہم پایہ تھے، لیکن اُن کا مسند صرف ۸۵ صفحون مین آیا ہے، لیکن کسی ایک شہر بلکہ کسی ایک کتاب مین یہ تمام حدیثین مجموعی طور پر نہین پائی جاتی تھین، کیونکہ جو صحابہؓ فتوی دینے والے تھے، وہ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہین مختلف شہرون مین پھیلے ہوے تھے، اس لیے جو بزرگ جس شہر مین آئے اُس کے باشندون نے ان سے روایت کی اور اس لیے ایک شہر مین جن حدیثون کی روایت کی گئی وہ دوسرے شہر والون کو نہ مل سکی، مثلاً مدینہ مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ رہتے تھے، مکہ مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قیام تھا، فسطاط مین حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ رہتے تھے، بصرہ مین حضرت انس بن مالکؓ اور کوفہ مین حضرت ابوموسی اشعریؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ سکونت پذیر تھے اور ان مین ہر ایک کے پاس احادیث نبویہ کا جو ذخیرہ تھا وہ انہی کے مطابق لوگون کو فتوی دیتا تھا اور اس موقع پر مختلف شہرون کے علماء کے درمیان علمی تعلقات کے قائم رکھنے مین گذشتہ سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ خانہ کعبہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، غرضکہ ان تینون امتیازی خصوصیات نے فتوی مین بہت سے اختلافات پیدا کر دیے، اور ان مین ہر ایک خصوصیت اختلاف کے پیدا کرنے کا قوی سبب بن گئی، مثلاً ان خصوصیات نے شیعون کے لیے الگ، خوارج کیلئے الگ، اور تمام امت کیلئے الگ الگ فتاوے پیدا کر دیے جو باہم ایک دوسرے

مختلف ہین،

(۴) احادیث کی روایت مین جھوٹ کا رواج ہوا اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو اسی کا ڈر تھا، چنانچہ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ مین طاؤس سے بہ سند روایت کی ہے کہ بشیر بن کعب حضرت عبد اللہ بن عباس رض کی خدمت مین حاضر ہوا اور ان کے سامنے حدیث بیان کرنے لگا، حضرت عبد اللہ بن عباس رض نے فرمایا کہ "یہ یہ حدیثین دوبارہ بیان کرو" چنانچہ اس نے ان کو دوبارہ بیان کیا، اس کے بعد پھر اُن کے سامنے حدیث بیان کی، انھون نے فرمایا کہ "یہ یہ حدیثین دوبارہ بیان کرو" اس کے بعد بشیر بن کعب نے کہا کہ "مجھے معلوم نہ ہوا کہ آپ نے میری کل حدیثون کو تو تسلیم کر لیا اور صرف اس حدیث کو مردود قرار دیا یا میری کل حدیثون کو مردود خیال فرمایا اور صرف اس حدیث کو تسلیم کیا، حضرت ابن عباس رض نے جواب دیا کہ "جب رسول اللہ صلعم پر جھوٹ نہین بولا جاتا تھا تو ہم آپ سے حدیثون کی روایت کرتے تھے لیکن جب ہر سرکش اور رفرمانبردار اونٹ پر چڑھنے لگے (یعنی ہر قسم کی جھوٹی سچی حدیثین بیان کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے روایت حدیث کرنا چھوڑ دیا"

امام مسلم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت عبد اللہ بن عباس رض کی خدمت مین حاضر ہوا اور حدیث بیان کرنے لگا، اور "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہنے لگا لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رض نہ تو اس کی حدیث کو سنتے تھے اور نہ اس کی طرف دیکھتے تھے، اسپر اس نے کہا "اے ابن عباس یہ کیا بات ہے کہ آپ میری حدیث کو نہین سنتے ہین؟ آپ سے رسول اللہ کی حدیث بیان کرتا ہون اور آپ کان نہین دھرتے" بولے "ایک مدت تک ہمارا یہ حال

کہ جب کسی آدمی کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوے سنتے تھے تو اُسکی طرف فوراً ہماری نگاہیں اُٹھ جاتی تھین اور ہم اس کی طرف اپنے کانون کو جھکا دیتے تھے لیکن جب لوگ ہر سرکش اور فرمان بردار اونٹ پر چڑھنے لگے تو ہم لوگون سے صرف اُن حدیثون کو قبول کرتے ہین جنکو ہم خود جانتے ہین،

امام مسلمؒ نے ابن ابی ملیکہؒ سے روایت کی ہے کہ مین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خط لکھا جس مین یہ درخواست کی کہ وہ مجھے ایک کتاب لکھدین اور جن چیزون مین اختلاف ہو اُن کو چھوڑ دین بولے خیر خواہ لڑکا ہے مین اس کے لیے چند چیزون کا انتخاب کر دون گا اور اختلافی چیزون کو چھوڑ دونگا" چنانچہ اُنھون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے طلب کیے اور ان مین سے چند فیصلے لکھنے لگے لیکن بعض فیصلون پر گذرتے تھے تو کہتے تھے کہ خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ اسی وقت کیا ہوگا جب وہ گمراہ ہوگئے ہون گے، (یعنی چونکہ وہ گمراہ نہین ہوے اس لیے یہ فیصلہ بھی اُن کا نہین ہے)

امام مسلمؒ نے طاؤسؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک (لمبی) کتاب آئی جس مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے تھے اُنھون نے سب کو مٹا دیا اور صرف ایک ہاتھ کے برابر قائم رکھا،

امام مسلمؒ نے ابواسحاقؒ سے یہ روایت کی ہے کہ جب لوگون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ باتین پیدا کین تو اصحاب علیؓ مین سے ایک شخص نے کہا کہ "اُن پر خدا کی لعنت ہو، اُنھون نے کیسے علم کو برباد کر دیا"

امام مسلمؒ نے ابوبکر بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ مین نے

مغیرہ کو یہ کہتے ہوے سنا کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت حدیث کرتے تھے ان مین صرف حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت کی تصدیق کی جاتی تھی،

امام مسلمؒ نے ابن سیرینؒ سے روایت کی ہے کہ لوگ رواۃ حدیث سے پہلے سند کا مطالبہ نہین کرتے تھے لیکن جب فتنہ و فساد ہوا تو اُنھون نے کہا کہ ہم کو اپنے رواۃ کا نام بتاؤ تاکہ یہ دیکھا جاے کہ وہ اہلسنت ہین اور ان کی حدیث قبول کی جائے اور یہ دیکھا جاے کہ وہ اہل بدعت ہین اور اُن کی حدیث قبول نہ کی جائے

امام مسلمؒ نے ابوالزنادؒ اور عبداللہ بن ذکوانؒ سے روایت کی ہے کہ اُنھون نے کہا کہ مین نے مدینہ مین سو آدمی پاے جن مین سب کے سب مامون تھے لیکن ان کی حدیث نہین قبول کی جاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہین،

امام شعبی سے روایت ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا،

جریر سے روایت ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ مین جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن مین نے اُس کا اعتبار نہین کیا کیونکہ وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا،

زہیر سے روایت ہے کہ اُنھون نے کہا کہ مین نے جابر کو یہ کہتے ہوے سنا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثین ہین لیکن اُن مین سے مین نے ایک کو بھی بیان نہین کیا، اس کے بعد ایک روز ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ یہ اُنھین پچاس ہزار حدیثون مین سے ہے،

سفیان سے روایت ہے کہ اُنھون نے کہا کہ مین نے جابر کو سنا کہ وہ تقریبًا تیس ۳۰ ہزار حدیثون کی روایت کرتے ہین لیکن مین ان مین سے کسی کا ذکر جائز نہین

سمجھتا، اگرچہ میرے پاس یہ یہ حدیثین ہین،

امام مسلمؒ نے ہمامؒ سے روایت کی ہے کہ اُنھون نے کہا کہ ہمارے پاس ابوداؤد اعمی آئے اور کہنے لگے کہ ہم سے براءؓ نے حدیث بیان کی ہم سے زید بن ارقمؓ نے حدیث بیان کی، ہم نے قتادہؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا اس نے جھوٹ کہا اس نے ان لوگون سے نہین سنا، اس وقت وہ ایک سائل تھا، طاعون کے زمانہ مین لوگون سے بھیک مانگا کرتا تھا،

روایت ہے کہ ابوجعفر ہاشمی مدنی سچ باتون کے متعلق حدیثین بنایا کرتے تھے، باوجودیکہ وہ رسول اللہ صلعم کی حدیثین نہین ہوتی تھین لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اُن کی روایت کرتے تھے،

ان کے علاوہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی مثالین ہین، اور اُن سے ان اسباب کا پتہ چلتا ہے جنکے لیے ان لوگون نے رسول اللہ صلعم کی طرف جھوٹی روایتین منسوب کین، امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم مین قاضی عیاضؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "جھوٹ روایت کرنے والون کی دو قسمین ہین، ایک قسم ان لوگون کی ہے جو خود رسول اللہ صلعم کی طرف جھوٹی حدیثون کو منسوب کرتے تھے، اور ان کی بھی چند قسمین ہین،

(۱) بعض لوگ مثلاً زنادقہ اور اُن کے امثال جو دین کے وقار کو تسلیم نہین کرتے تھے، اپنے ترفع یا دین کی تحقیر کی غرض سے حدیثین وضع کرتے تھے،

(۲) جاہل مستعبدین یعنی جاہل عبادت گذار لوگون نے بزعم خود نیک اور دینی کام سمجھ کر فضائل اور مذہبی ترغیبات کے متعلق حدیثین وضع کین،

(۳) بدکار محدثین نے عجیب عجیب حدیثین بیان کرنے اور شہرت حاصل

کرنے کے لیے حدیثین بنائین،

(۴) بدعتیون کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب یا اپنے مذاہب پر دلیل قائم کرنے کے لیے حدیثین گڑھین،

(۵) بعض لوگون نے اہلِ دنیا کی خواہشون کی پیروی اور اُن کے افعال پر شرعی عذر قائم کرنے کے لیے جعلی حدیثین بنائین،

جو لوگ اہل فن ہین اور رواۃِ حدیث کا علم رکھتے ہین، ان کے نزدیک ان تمام طبقات مین ہر طبقہ کی ایک ایک جماعت بالتعیین موجود تھی، بعض لوگ ایسے بھی تھے جو خود متن حدیث کو تو وضع نہین کرتے تھے لیکن متن ضعیف کیلیے ایک مشہور اور صحیح سند گڑھ لیا کرتے تھے، اور بعض لوگ اسانید کو اُلٹ پلٹ دیتے تھے، یا ان مین اضافہ کر لیتے تھے، اور جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ دوسرون کو متحیر کردین یا اپنے اوپر جہالت کا الزام نہ آنے دین،

بعض لوگ ان حدیثون کے متعلق جنکو اُنھون نے نہین سنا تھا اور ان اشخاص کی نسبت جن سے اُنھون نے ملاقات نہین کی تھی جھوٹھ موٹھ یہ دعوی کرتے تھے کہ انھون نے ان حدیثون کو سُنا ہے، اور ان اشخاص سے ملاقات کی ہے اور اسطرح اُن کی سند سے اُن کی صحیح حدیثون کی روایت کرتے تھے،

بعض لوگ صحابہؓ وغیرہ کے کلام اور عرب اور حکماء کے حکمت آمیز مقولون کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے، غرض اس دور مین اس قسم کے لوگ بہ کثرت موجود تھے اور جب حضرت ابن عباسؓ ہی کے زمانہ مین جبکہ اسلام بالکل تر و تازہ تھا یہ حالت پہونچ گئی تھی جسکی نسبت انھون نے متذکرہ بالا

اقوال کہے تو جابر جعفی کی نسبت جو یہ کہتا تھا کہ اس کے پاس ۵۰ ہزار حدیثین اور بعض روایات کے روسے ستر ہزار حدیثین ہین جن کو وہ محمد باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا ہے تمھارے دل مین کیا خیال پیدا ہو سکتا ہے ؟

سیاسی اختلاف اور تعصب مذہبی کی بنا پر جو لوگ ان مذاہب مین غلو رکھتے تھے اُن مین بہت سے لوگون نے اپنے عقائد و اعمال کی تائید مین رسول اللہ صلعم سے جھوٹی حدیثون کی روایت کرنا اپنے لیے جائز کر لیا تھا، اُسوقت شیعہ خارجی، اور عام مسلمان سبھی موجود تھے، اور ہر فرقہ مین خبیث الباطن اشخاص پائے جاتے تھے، البتہ ان مین خوارج کم دروغگو ہوتے تھے، کیونکہ اُن کے اصول کے رُو سے گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے، اور رسول اللہ صلعم کی نسبت دروغگوئی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے' اس لیے ان مین اس قسم کی جرأت کرنے والے اشخاص مشکل نظر آسکتے ہین،

اسی دقت نے آیندہ دور مین اہل حدیث کے کام کو بہت زیادہ سخت کر دیا اور تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا، کہ اُنھون نے ان آمیزشون سے حدیث کو کیونکر پاک کیا ؟ اور ان کو اس معاملہ مین کس قدر کامیابی ہوئی ؟

(۵) تعلیم یافتہ غلامون کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہو گئی، چنانچہ بہت سے ایرانی، رومی اور مصری لوگ حلقۂ اسلام مین داخل ہوئے، جو "موالی" کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ جو شخص جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا وہ اس کا "مولی" ہوتا تھا، ان مین بعض لوگ تو ایسے تھے جو غلام بنائے گئے تھے، اور بعض لوگ غلام بنانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے، مسلمانون نے بہت سے لڑکون کو بھی گرفتار کیا، ان کو اپنے زیر تربیت رکھا اور اُن کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی، چنانچہ ان لوگون نے قرآن

وحدیث کو یاد کیا، ان کو سمجھا، اور اس معاملہ مین ان کو لکھنے پڑھنے کی جو استعداد
حاصل تھی اُس سے کام لیا، اس وقت عام عربی اسلامی جماعت مین اگرچہ سخت
قومی تعصب موجود تھا، باایں ہمہ انھون نے مجبوراً اُن کی عزت کی اور اُن کے فتوون
اور اُن کی روایتون کو تسلیم کیا، یہ لوگ تمام اسلامی شہرون مین موجود اور علم اور تعلیم مین
صحابہؓ اور عرب کے کبار تابعینؒ کے شریک تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے
ساتھ ان کے راوی اور مولی عکرمہ کا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ اُن کے
مولی نافعؒ کا اور حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ اُن کے مولی محمد بن سیرینؒ کا اور حضرت
ابو ہریرہؓ کے ساتھ اُن کے راوی عبدالرحمان بن ہرمز اعرج کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے اور صحاح
مین یہی چارون بزرگ ہین جن سے اکثر حدیثین اور اکثر فتوے منقول ہین اور ان کے
چار موالی کو اس حیثیت سے بہت بڑی عزت حاصل ہی، اگرچہ یہ خیال غلط ہے کہ
فقہ اور روایت حدیث مین عرب کا حصہ عجمیون سے کم ہے بلکہ اس معاملہ مین دونون
برابر کے شریک تھے، چنانچہ کوئی شہر ایسا نہ تھا جس مین دونون فریق کی وافر تعداد
موجود نہو، تاہم بعض شہر مثلاً بصرہ مین موالی کو امتیاز حاصل تھا اور حسن بن الحسن البصری
اُن کے سردار تھے اور بعض شہر مثلاً کوفہ مین فقہاے عرب نمایان حیثیت رکھتے تھے،

(۶) راے اور حدیث کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، اور ان دونون مین سے
ہر ایک اصول کے الگ الگ حامی پیدا ہو گئے، ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ دور اول مین
کبار صحابہؓ اپنے فتوون مین پہلے قرآن مجید پر، اُس کے بعد حدیث پر اعتماد کرتے
تھے، لیکن جب ان دونون مین کوئی حکم نہین ملتا تھا تو راے کے ساتھ جسکو وسیع
معنون مین قیاس کہا جا سکتا ہے، فتویٰ دیتے تھے، لیکن راے کی طرف اُن کا

میلان بہت زیادہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ اُن سے رائے کی بُرائی منقول ہے ہم نے
اوپر یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ قابل عمل رائے کیا ہے؟ اور مذموم رائے کسکو کہتے ہین؟
یہ دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان مین کچھ لوگ ایسے تھے جو فتوے کو صرف حدیث تک
محدود رکھتے تھے اور اس سے آگے نہین بڑھتے تھے، یہ لوگ ہر مسئلہ مین انہی حدیثون
کے رو سے فتوے دیتے تھے جو ان کو ملتی تھین خود ایسے روابط موجود نہ تھے جو باہم
مسائل کی شیرازہ بندی کر سکین، لیکن ان مین ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو شریعت
کو ایک عقلی اور اصولی چیز سمجھتا تھا، اگرچہ یہ لوگ بھی حتی المقدور عمل بالکتاب والسنۃ
مین پہلے لوگون کے مخالف نہ تھے، تاہم چونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ شریعت کے عقلی
وجوہ سمجھ مین آسکتے ہین اور وہ ایسے مضبوط اصول پر قائم ہے جو خود قرآن وحدیث سے
ماخوذ ہین، اس لیے جب اُن کو قرآن وحدیث مین کوئی النصریح نہین ملتی تھی تو
فریق اول کی طرح ان کو رائے سے فتوی دینے مین کوئی باک نہ تھا، اس کے علاوہ
یہ لوگ احکام شرعیہ کے علل واسباب اور اُن کے مقاصد واغراض کو سمجھنا چاہتے تھے
اور بسا اوقات اصول شریعت کے مخالف ہونے کی بنا پر بعض حدیثون کو بالخصوص
جب دوسری حدیثین اُن کے معارض ومخالف ہوتی تھین رد کر دیتے تھے،

اہل عراق مین اس اصول کا زیادہ رواج ہوا، چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے تابعین
فقہاء اہل مدینہ کے شیخ حضرت سعید بن مسیب رضہ سے عورت کی انگلیون کی دیت کے
متعلق سوال کیا کہ عورت کی ایک انگلی کی دیت کیا ہے؟ انھون نے کہا "دس اونٹ"
بولے "تو پھر دو انگلیون کی دیت کیا ہوگی؟ فرمایا "بیس اونٹ" بولے تو پھر تین انگلیونکی
دیت کیا ہے؟ جواب دیا "۳۰ اونٹ" بولے "تو پھر چار انگلیون کی دیت کسقدر دینا ہوگی؟

اُنھون نے کہا "۲۰ اونٹ" بولے "تو اس کے یہ معنی ہوے کہ جب اس کے زخم زیادہ ہوے تو اس کی دیت ہو گئی" اب حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا "کہ تم عراقی تو نہین ہو؟ سنت یہی ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن المسیب رض کے نزدیک ثلث دیت تک عورت کی دیت مرد کی دیت کے مساوی ہے لیکن جب وہ ثلث سے بڑھ گئی تو عورت کی دیت مرد کی دیت کی آدھی ہو گی، اگرچہ اس کا نتیجہ عقل کے مطابق نہین ہے تاہم چونکہ ان کے نزدیک فقہی احکام مین عقل کو کچھ دخل نہین ہی اس لیے اُنھون نے اس مسئلہ کو ظاہری صورت پر قائم رکھا ہی یعنی تین انگلیون کی دیت چونکہ ثلث دیت کے (سو اونٹ) سے کم ہے اس لیے عورت کی ۳ تین انگلیونکی دیت ۳۰ اونٹ ہین، لیکن چار انگلیون کی دیت ثلث دیت سے زیادہ ہی اس لیے وہ مرد کی دیت کی نصف یعنی ۲۰ اونٹ ہو گی، لیکن یہ ایک ایسا نتیجہ ہی جسکی وجہ ربیعہ نے نہین سمجھی اور حضرت سعید بن المسیب رض سے اس کے متعلق سوال کیا، لیکن حضرت سعید بن المسیب رض کو یہ سوال پسند نہ آیا اور اُنھون نے یہ سمجھا کہ ربیعہ ان لوگون مین ہین جو باوجود نص صریح کے فقہی احکام مین جیسا کہ اہل عراق کا عام طریقہ ہی رائے کو دخل دیتے ہین اسلیے اُنھون نے کہا کہ تم عراقی تو نہین ہو؟ اس مسئلہ مین اہل عراق کا فتوی یہ ہے کہ جسطرح جان سے مار ڈالنے مین عورت کی دیت مرد کی دیت کی آدھی ہی (یعنی پچاس اونٹ) اسی طرح ہاتھ پاؤن مین بھی اس کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے، وہ لوگ اس مسئلہ مین اس نتیجہ کو جو عقل کے مخالف ہے چھوڑ دیتے ہین اور کہتے ہین کہ حضرت سعید بن المسیب رض کے قول مین سنت سے مراد حضرت زید بن ثابت رض کی سنت ہی کیونکہ وہی یہ فتوی دیتے تھے، غرض اہلِ حدیث اور اہلِ رائے کا مسلک یہ تھا کہ اول گروہ صرف ظواہر

نصوص سے غرض رکھتا تھا اور اُن کے علل و اسباب سے بحث نہین کرتا تھا اور رائے سے بہت کم فتوی دیتا تھا، لیکن جو لوگ اہل الرائے تھے وہ احکام کے علل و اسباب کا سُراغ لگاتے تھے، اصول کے ذریعہ سے باہم مسائل کی شیرازہ بندی کرتے تھے، اور جب اُن کو کوئی حدیث نہین ملتی تھی تو رائے سے فتوی دینے مین اُن کو کوئی تامل نہ تھا، مُلکی تقسیم کے لحاظ سے اکثر اہلِ حجاز اہلِ حدیث اور اکثر اہل عراق اہل الرائے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ربیعہ نے حضرت سعید بن المسیب رض سے حکم کی علت دریافت کی تو اُنھون نے کہا کہ "تم عراقی تو نہین ہو؟"

فقہائے عراق مین جن لوگون نے رائے وقیاس مین شہرت حاصل کی ان مین ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی فقیہ عراق بہت شہرت رکھتے ہین، وہ عراق کے مشہور فقیہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اُستاد حماد بن ابی سلیمان کے اُستاد تھے اور اپنے ماموں علقمہ بن قیس النخعی الکوفی سے جو طبقۂ اولی کے قدماء فقہائے تابعین مین اور حضرت عبداللہ بن مسعودرض کے برگزیدہ اصحاب مین سے تھے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی، ابراہیم کوفہ کے محدث اور کوفہ کے عالم حضرت عامر بن شراحیل الشعبی کے معاصر تھے لیکن دونون کی حالتین بالکل الگ الگ تھین یعنی امام شعبی بالکل اہلِ حدیث تھے اور جس مسئلہ مین شارع کی کوئی نص صریح نہ پاتے تھے، اس کے متعلق فتوے دینے سے ہچکچاتے تھے، اور رائے کو مکروہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار اُنھون نے فرمایا کہ "اگر احنف بن قیس (جو عرب کا بہت بڑا حلیم اور عاقل شخص تھا) کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ قتل کردیا جائے تو آیا ان دونون کی دیت برابر ہوگی یا عقل وحلم کی بنا پر احنف کو ترجیح دیجائے گی؟" لوگون نے کہا "نہین دونون کی دیت مساوی ہوگی" بولے "تو پھر قیاس کوئی چیز نہین"

غرض ان دونون بزرگون مین فرق یہ ہے کہ امام شعبی اور اُن کے ہم مشرب اور اہل حدیث سے آگے قدم نہین بڑھاتے اور مسائل مین حدیث موجود ہو یا نہو لیکن راے سے فتوی نہین دیتے تھے اُن کے نزدیک عقل ان مسائل کا کوئی فیصلہ نہین کرسکتی اور شارع ؑ نے ان احکام مین معینہ مصالح کا لحاظ نہین کیا ہے جنکی طرف وہ فتوے دیتے وقت رجوع کرسکین، گویا اُن کے نزدیک اصولی حیثیت سے احکام شرعیہ مین کوئی تعلق نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاے اہل حدیث کے شیخ حضرت سعید بن المسیب رضؓ سے ربیعہ نے انگلیون کی دیت کے متعلق جب عقلی وجہ پوچھی تو ان کو رنج پہونچا اور چونکہ وہ شریعت کے علل واسباب کا سراغ لگاتے تھے اس لیے اہل مدینہ ربیعہ کو "ربیعۃ الراے" کہتے تھے، چنانچہ ایکبار قاضی عبداللہ بن سوار نے کہا کہ "مجھ کو ربیعہ سے زیادہ کوئی شخص راے کا عالم نظر نہین آتا"، تو اُن سے کہا گیا کہ "حسن اور ابن سیرین بھی نہین؟" بولے "حسن اور ابن سیرین بھی نہین" لیکن حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہم مشرب تمام فقہاے عراق اور بعض فقہاے مدینہ بھی اگرچہ فتاوی مین قرآن وحدیث پر اعتماد کرتے ہین تاہم ان کا خیال ہے کہ شریعت کے حکم ومصالح مین جنکے حاصل کرنے کے لیے وہ قائم کیگئی ہے اور اُن لوگون کیلیے ان مصالح کا لحاظ رکھنا جائز ہے اس بنا پر جن مسائل مین اُنھون نے قرآن وحدیث کا کوئی صریحی حکم نہین پایا اُن کے استنباط کیلیے اُنھون نے انھی مصالح کو سنگ بنیاد قرار دیا صحابہؓ کی بہترین مثال بھی اُن کے سامنے تھی، چنانچہ صحابہ کرامؓ کے سامنے بہت سے ایسے مسائل پیش ہوئے جنکے متعلق قرآن وحدیث کی کوئی تصریح موجود نہ تھی، تو اُنھون نے ان مین قیاس سے کام لیا اور ان کی یہ رائین انھی مصالح کے

لحاظ کرنے کا نتیجہ تھین،

اہل الراے پر اہلحدیث کا اعتراض یہ تھا کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض حدیثون کو چھوڑ دیتے ہین، لیکن یہ ان پر اتہام ہے، ہم کو اہل الراے مین کوئی شخص ایسا نہین نظر آتا جس نے اُس حدیث پر جو اس کے نزدیک ثابت ہوگئی ہو قیاس کو ترجیح دی ہو؛ البتہ بعض اہل الراے ایسے تھے جن سے یا تو مسئلہ مین کسی حدیث کی روایت ہی نہین کی گئی یا روایت تو کی گئی لیکن انھون نے اس کی سند پر اعتماد نہین کیا، اور اپنی راے سے فتوی دیدیا، اس لیے بسا اوقات یہ فتوی اس حدیث کے مخالف ہوتا تھا جو ان کو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی، لیکن انھون نے اسکی روایت پر اعتماد نہین کیا تھا، یا ایک حدیث جو ان کی نگاہ مین اس حدیث سے قوی تر تھی اس کے مخالف تھی، مثلاً حضرت سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی مکہ مین دار الحناطین مین ملے تو امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ "تم لوگ رکوع مین جانے اور رکوع سے کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین کیون نہین کرتے" امام ابوحنیفہ نے کہا، "اس لیے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث ثابت نہین ہے" انھون نے کہا "کیون نہین حالانکہ مجھ سے زہری نے، زہری سے سالم نے، اور سالم نے اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم جب نماز شروع فرماتے تھے جب رکوع مین جاتے تھے، اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تھے رفع یدین کرتے تھے" امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ "ہم سے حماد نے، حماد سے ابراہیم نے، ابراہیم سے علقمہ اور اسود نے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم صرف نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے، اس کے بعد رکوع وغیرہ مین ہاتھ نہین

اُٹھاتے تھے،" امام اوزاعی نے کہا کہ "مین زہری، سالمؒ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی سند سے روایت کرتا ہون اور آپ حمادؒ اور ابراہیمؒ کا نام لیتے ہین" امام ابوحنیفہ نے جوابدیا کہ "حماد زہری سے زیادہ اور ابراہیمؒ سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہین، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو اگرچہ صحبت یا فضلِ صحبت حاصل تھا تاہم علقمہؒ ان سے کم نہین، اسودؒ کو بھی بہت سی فضیلتین حاصل ہین، اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعودؓ ہی ہین"

یہ سن کر امام اوزاعی خاموش ہو گئے،

بغیر اس کے کہ ہم اس گفتگو پر کچھ ردّ و قدح کرین اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے مقابل مین کیا دلیل رکھتا تھا اور نیز یہ کہ دونون فریق جب قابلِ اعتماد روایت پا جاتے تھے تو حدیث کی حد سے آگے قدم نہین بڑھاتے تھے،

اسی بنا پر ضمانِ مصرّاۃ مین اہل الراے یہ فتوی دیتے تھے کہ مشتری کو چاہیے کہ اسکو مع اس دودھ کی قیمت کے جسکو اس نے دوہا ہے، واپس کر دے اور اہل حدیث ایک حدیث کی رو سے جسکو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے، یہ فتوے دیتے تھے کہ وہ اسکو ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے (مصراۃ اس مویشی کو کہتے ہین جس کے تھن کو باندھ کر اس مین اس غرض سے دودھ جمع کر لیا جاے کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ وہ بڑی دودھ دینے والی ہے (اور اس دھوکے مین آکر وہ اسکو زیادہ قیمت پر خرید لے اور بعد تجربہ کے اسکو واپس کرنا پڑے مترجم) تو اہل الراے یہ کہتے ہین کہ شریعت مین تلف کردہ چیزون کا قانونِ ضمانت یہ ہے کہ اگر تلف شدہ چیز ذوات الامثال مین سے ہو یعنی اس کا مثل مل سکتا ہو تو وہی واپس کیا جائے گا، لیکن اگر وہ ذوات القیمۃ سے ہو یعنی اس کا مثل نہ ملسکتا ہو تو اسکی قیمت ادا کرنا پڑے گی، لیکن اس حدیث کے رو سے

تلف شدہ چیز کا ایسا تاوان دینا پڑتا ہے جو نہ اس کا مثل ہے اور نہ اسکی قیمت ہو سکتا ہے
اس بنا پر اگر یہ حدیث اہل الرائے کو ملی ہے تو وہ اُس کی صحت مین شک کرتے ہین لیکن
بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان تک نہین پہونچی ہے، کیونکہ قوانینِ عامہ کے
مخالف ان کو اکثر حدیثین ملی ہین اور اُنھون نے ان پر عمل کیا ہے اور ان کا م نام
استحسان رکھا ہے،

الغرض اس دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین مفتیون کے دو فرقے
ہو گئے ہین یعنی اہلحدیث اور اہل الرائے البتہ اس دور مین مجتہدین کے پاس اجتہاد کے
واضح اور معینہ اصول نہ تھے کیونکہ اس وقت تک علمِ فقہ تدوین و ترتیب کے اس درجہ
تک نہین پہونچا تھا جو اُس کے لیے موزون تھا،

اس دور مین اجتہاد

قرآن و حدیث

خلفائے راشدین رضہ کے متذکرہٴ بالا کارنامون کے ذریعہ سے خداوند تعالی نے
حفاظتِ قرآن کا کام مکمل کر دیا تھا، اس بنا پر جسطرح وہ مصاحف عثمانی مین لکھا ہوا
تھا اسی طرح پڑھا جاتا تھا، اور ان مصاحف سے اور بھی بہت سے مصاحف نقل
کر لیے گئے تھے، اور بہت سے صحابہ رضہ و تابعین رح قرآن مجید کے حفظ و تعلیم مین مشہور ہو چکے تھے
اس لیے ان سے اس کثرت سے لوگون نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی جن کا شمار نہین
ہو سکتا، بعض قرا جنھون نے اس دور کے آخر مین شہرت حاصل کی وہ معلمین و حفاظِ قرآن کے

اسی بحر ذخار کا ایک قطرہ تھے،

اگرچہ اس دور مین حدیثون کی بھی بہ کثرت روایت کی جاتی تھی، اور تابعین کا ایک گروہ صرف اسی کام مین لگا ہوا تھا تاہم وہ اب تک کسی مجموعہ کی صورت مین مدون نہین ہوئی تھین لیکن چونکہ تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی وضاحت کرکے حدیثین فقہ کی تکمیل کرتی ہین، اور عام مسلمانون مین کوئی اس راے کا مخالف نہ تھا اس لیے عقلاً یہ حالت دیر تک قائم نہین رہ سکتی تھی، چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز مین حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنے عامل مدینہ حضرت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ "رسول اللہ صلعم کی جو حدیثین ملین اُن کو لکھو کیونکہ مجھ کو علم اور علما کے فنا ہو جانے کا خوف معلوم ہوتا ہے" امام مالک نے محمد بن الحسن کے ذریعہ سے موطا مین یہ روایت کی ہے لیکن ابو نعیم نے تاریخ اصبہان مین حضرت عمر بن عبد العزیز سے یہ روایت کی ہے کہ اُنھون نے تمام ملک کے لوگون کو لکھا کہ حدیث رسول اللہ صلعم کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو،

اس دور مین محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے جو اکابر حفاظ حدیث مین تھے حدیثون کے لکھنے اور لکھوانے مین اور لوگون سے زیادہ امتیاز حاصل کیا، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رض کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعیان علی کے پاس بھی ایک کتاب تھی جسمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فتاوے درج تھے لیکن حضرت عبد اللہ ابن عباس رض نے ان کی صحت پر اعتماد نہین کیا اور فرمایا کہ "واللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فیصلہ نہین کیا ہوگا" اور اُس کے بہت بڑے حصہ کو مٹا دیا اور صرف تھوڑے سے حصہ کو قائم رکھا،

اُس دَور کے مشہور مفتی

اس دور کے مشہور مفتیون کے نام و مقام حسب ذیل ہین،

مفتیان مدینہ،

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی اور رسول اللہ صلعم کی زوجہ مطہرہ ہین، آپ نے ہجرت سے دو سال پہلے ان سے نکاح کیا اور حسب روایت اس وقت اُن کی عمر سات سال کی تھی، اور نو سال کی عمر مین وہ مدینہ مین آپ کے گھر آئین، وہ تمام ازواج مطہرات مین آپ کی محبوب ترین بی بی تھین، عطا بن ابی رباح کا قول ہے کہ "حضرت عائشہ رضؓ تمام لوگون مین سب سے زیادہ فقیہ تھین اور عام مسائل مین اُن کی رائے سب سے زیادہ بہتر تھی" حضرت عروہؓ فرماتے ہین کہ "مین نے فقہ اور شعر کا عالم حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ کسی کو نہین دیکھا" انھون نے رسول اللہ صلعم سے بہت زیادہ حدیثین روایت کی ہین، چنانچہ مسند ابن حنبل مین اُن کا مسند صفحہ ۲۹ سے ۲۸۲ صفحے تک ہے یعنی ۲۵۳ صفحے مین آیا ہے، رسول اللہ صلعم جو کچھ اپنے گھر کے اندر کرتے تھے اُن کے متعلق حضرت عائشہ رضؓ ہی کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ فقہ کے ہر حصے کے متعلق ان کی روایتین موجود ہین، فقہاء صحابہؓ انھین کی طرف رجوع کرتے تھے، اور اُن سے بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے حدیث کی روایت کی ہے ان سب سے زیادہ روایتین ان کے اہل بیت حضرت عروہ بن زبیر نے جو اُن کے بھانجے تھے اور قاسم بن محمد نے جو اُن کے بھتیجے تھے کی ہین، حضرت عائشہ رضؓ نے ۵۷ھ مین وفات پائی،

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ العدوی القرشی کے بیٹے ہین، وہ بچپن ہی مین قبل از بلوغ اپنے باپ کے ساتھ اسلام لائے، چونکہ وہ غزوۂ بدر مین بچے تھے اسلیے اس مین شریک نہ ہو سکے، سب سے پہلے اُنھون نے غزوۂ خندق مین شرکت کی اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ غزوۂ موتہ مین بھی شریک ہوے اور یرموک فتح مصر اور فتح افریقیہ مین بھی شرکت کی وہ اسقدر متبعِ سنت تھے کہ رسول اللہ صلعم صلی اللہ علیہ وسلم جن منزلون مین اُترے تھے ان مین وہ بھی اُترتے تھے اور آپ نے جہان جہان نماز پڑھی تھی وہ بھی وہان نماز پڑھتے تھے، یہان تک کہ آپ نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا، تو وہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہونے پائے، وہ مسلمانون کے ائمہ اور مشہور مفتیون مین تھے، وہ فتوی اور اپنے نفس کے مرغوبات مین نہایت محتاط اور اپنے دین کے محافظ تھے، یہان تک کہ اہلِ شام باوجودیکہ اُن کی طرف بہت زیادہ مائل تھے اور ان سے سخت محبت رکھتے تھے لیکن اُنھون نے خلافت کے متعلق کوئی نزاع نہین کی اور فتنہ و فساد کے زمانے مین کسی جنگ مین حصہ نہین لیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب لڑائیون مین سخت دشواریان پیش آئین اسوقت بھی وہ اُن کے حامی بنکر کسی جنگ مین شریک نہین ہوے لیکن اُس کے بعد ان کو اس پر ندامت ہوئی، حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا قول تھا کہ عمرؓ اور اُن کے بیٹے عبد اللہ کے سوا ہم مین کوئی ایسا نہین ہے جسکو دنیا نے اپنا فریفتہ اور اُس نے دنیا کو اپنا فریفتہ نہ بنایا ہو، اُنھون نے رسول اللہ صلعم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثین روایت کین، اُنھون نے کبار صحابہؓ سے بھی روایت حدیث کی، اور اُن سے بہت سے تابعین نے حدیثین روایت کین ان سے سب سے

زیادہ اُن کے فرزند سالم اور ان کے مولیٰ نافع نے روایت حدیث کی امام شعبی کا
قول ہے کہ "ابن عمرؓ حدیث مین تو بہت اچھے تھے لیکن فقہ مین بہت اچھے نہ تھے"
وہ رسول اللہ صلعم کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اور زمانۂ حج وغیرہ مین لوگون کو
فتوے دیتے رہے، اُنھون نے ۷۳ھ مین وفات پائی،

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ

ابو ہریرہ نام ہے اور عبدالرحمان بن صخر کے بیٹے تھے، اور قبیلۂ دوس سے
تعلق رکھتے تھے، ۷ھ مین غزوۂ خیبر کے بعد رسول اللہ صلعم کی خدمت مین ہجرت
کر کے آئے اور تا دم مرگ آپ کی صحبت مین رہے، اور آپ سے بکثرت حدیثین روایت
کین اور کبار صحابہ سے بھی روایت کی، اُن سے بہت سے تابعین نے حدیثین روایت
کین، ان مین سب سے زیادہ اُن کے داماد حضرت سعید بن المسیبؓ اور ان کے
مولیٰ اعرج نے روایت کی، اور اُن دونون کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگون نے
ان سے روایتین کین، وہ بہت بڑے عالم اور کبار ائمۂ فتوے مین تھے، اس کے ساتھ
بڑے جلیل القدر، عبادت گزار اور متواضع و خاکسار تھے اور صحابہ مین سب سے زیادہ
حافظ الحدیث تھے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ "اے ابو ہریرہؓ
تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین حاضر رہتے تھے اور ہم سب سے
زیادہ آپ کی حدیثون کا علم رکھتے تھے، انھون نے ۵۸ھ مین وفات پائی، مدینہ کے صحابہ مین یہ
تینون بزرگ اس دور مین سب سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے اور فتوی دینے والے تھے، اہل مدینہ کے علم کا
دار و مدار انھی بزرگون کی ذات پر تھا اور مدینہ کے سب کبار تابعین نے انھی سے علم حاصل کیا ہے چنانچہ انہین مین سے ہم مدنی تابعین کے نام درج کرتے ہین

(۴) حضرت سعید بن المسیب المخزومیؓ

خلافت فاروقی کے دو سال بعد پیدا ہوئے اور کبار صحابہؓ سے حدیث سُنی، نہایت وسیع العلم، نہایت معزز، نہایت دیانت دار، نہایت حقگو اور نہایت دانشمند وفرزانہ تھے، حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ سعید بن المسیب مفتیون مین سے ایک مفتی ہین، "قتادہ فرماتے ہین کہ مین نے سعید بن المسیب سے کسی کو زیادہ عالم نہین دیکھا" علی بن المدینی کہتے ہین کہ مجھے تابعین مین کوئی ایسا شخص معلوم نہین جو سعید بن المسیب سے زیادہ وسیع العلم ہو، وہ میرے نزدیک بزرگ ترین تابعی ہین" وہ بادشاہون کے عطیے نہین قبول کرتے تھے، اور ان کی روایتین اکثر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہین، حضرت حسن بصریؒ کو جب کسی مسئلہ مین دشواری پیش آتی تھی تو اس کو بذریعہ تحریر کے حضرت سعید بن المسیب سے دریافت فرماتے تھے، ایک قول کے مطابق انھون نے سنہ ۹۴ھ مین وفات پائی،

(۵) حضرت عروہ بن الزبیر بن العوامؓ الاسدی،

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت مین پیدا ہوئے، اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثین روایت کین اور اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، وہ سیرت کے عالم اور قابلِ اعتماد حافظ الحدیث تھے، اُن سے ان کے فرزند ہشام اور ان کے دوسرے لڑکون نے روایتِ حدیث کی، اور زہری، ابوالزناد وغیرہ علماے مدینہ نے بھی اُن سے روایتین کین، امام زہری کہتے ہین کہ مین نے ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہین ہوتا، انھون نے سنہ ۹۴ھ مین وفات پائی،

(۶) ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام المخزومی،

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت مین پیدا ہوئے اور اپنے باپ اور دوسرے صحابہ سے

روایت حدیث کی اور اُن سے امام زہری اور اُن کے علاوہ صغار تابعین نے روایتین کین، وہ ثقہ، قابل استناد، فقیہ، امام، کثیر الروایہ، اور فیاض بزرگ تھے، وہ نیک، عبادت گذار اور باخدا شخص تھے، اور ان کو "راہب قریش" کہا جاتا تھا، ۹۴ھ مین مدینہ مین وفات پائی،

(۷) حضرت علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی

وہ شیعون کے امامون مین چوتھے امام ہین اور زین العابدین کے نام سے مشہور ہین، انھون نے اپنے باپ اپنے چچا حسنؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت کی ہے، امام زہری فرماتے ہین کہ "مین نے علی بن الحسین سے زیادہ کسی کو فقیہ نہین دیکھا" البتہ وہ قلیل الحدیث تھے، اور اُن کے بیٹے کہتے ہین کہ "مین نے کسی ہاشمی کو اُن سے افضل نہین دیکھا" حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ "مین نے ان سے زیادہ پرہیزگار نہین دیکھا" انھون نے ۹۴ھ مین وفات پائی،

(۸) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ

حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے علم حاصل کیا، اور باوجود امام فقہ ہونے کے عمدہ شاعر بھی تھے، اور وہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے اتالیق ہین، امام زہری کا قول ہے کہ "عبید اللہ علم کے دریاؤن مین سے ایک دریا تھے" انھون نے ۹۸ھ مین وفات پائی،

(۹) حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ

اپنے باپ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہ سے حدیث سُنی، اور اُن کے باپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے اور ان کے بارے مین کہتے تھے،

یلومو ننی فی سالم والومہم　　　وجلدۃ بین العین والانف سالم

لوگ مجھ کو سالم کے بارے مین ملامت کرتے ہین اور مین اُن کو ملامت کرتا ہون حالانکہ آنکھ

اور ناک کے درمیان کا چمڑا سالم ہے'

امام مالک فرماتے ہین کہ "اس زمانہ مین زہد و فضل مین سلف صالحین کا مثل اُن سے زیادہ کوئی نہ تھا" وہ اپنے باپ کی روش پر چلتے تھے' اور ان ہی کی طرح سادہ و متقشف تھے، سنہ ۱۰۶ھ مین وفات پائی'

(۱۰) حضرت سلیمان بن یسار مولی ام المومنین میمونہؓ

حضرت میمونہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ سے روایت کی حسن بن محمد بن الحنفیہ کا قول ہے کہ "وہ ہمارے نزدیک سعید بن المسیب سے زیادہ سمجھدار ہین" بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعید بن المسیبؓ کے پاس مستفتی آتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ "تمکو سلیمان بن یسار کے پاس جانا چاہیے" امام مالک فرماتے ہین کہ "وہ لوگون کے عالم تھے" سنہ ۱۰۷ھ مین وفات پائی'

(۱۱) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ

اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سُنی' اور اُن کی پھوپھی حضرت عائشہؓ نے اُن کی پرورش کی' یحیی بن سعید کا قول ہے کہ "ہم نے مدینہ مین کسی شخص کو ایسا نہین پایا جسکو قاسم پر ترجیح دین" ابو الزناد کہتے ہین کہ "مین نے کسی فقیہ کو اُن سے زیادہ عالم اور کسی کو اُن سے زیادہ حدیث کا ماہر نہین دیکھا" ابن عیینہ کا قول ہے کہ "قاسم اپنے زمانے کے لوگون مین سب سے زیادہ عالم تھے" ابن سعد کہتے ہین کہ "وہ امام' فقیہ، مستند، بلند رتبہ متقی، اور بہت سی حدیثون کے روایت کرنیوالے

تھے" حضرت عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ انھون نے فرمایا کہ" اگر مجھ کو خلیفہ بنانیکا اختیار ہوتا تو مین اعمش بنو تیم یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا،، انھون نے سنہ ۱۰۶ھ مین وفات پائی"

(۱۲) حضرت نافع مولی عبد اللہ بن عمرؓ

اپنے مولا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی، حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کو مصر بھیجا تھا کہ وہان کے لوگون کو حدیث کی تعلیم دین، وہ حضرت سالمؒ کی زندگی مین فتوی نہین دیتے تھے انھون نے ۳۰ سال تک حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت کی، وہ نسباً دیلمی تھے، اور سنہ ۱۱۷ھ مین وفات پائی،

(۱۳) محمد بن مسلم المعروف با بن شہاب الزہری،

سنہ ۵۰ ہجری مین پیدا ہوے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہ سے روایت حدیث کی، لیث بن سعد کا قول ہے کہ "مین نے زہری سے زیادہ جامع علم کبھی نہین دیکھا، وہ ترغیب کے متعلق حدیث بیان کرتے ہین تو ہم کہتے ہین کہ ان کے سوا کوئی اس خوبی سے ان حدیثون کو بیان نہین کرسکتا، اور اگر عرب اور انساب کے متعلق روایت کرتے ہین تو مین کہتا ہون کہ صرف وہی اس عمدگی کے ساتھ اس کام کو کرسکتے ہین، وہ قرآن و حدیث کے متعلق گفتگو کرتے ہین تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے" حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ" زہری سے زیادہ گذشتہ حدیثون کا عالم کوئی باقی نہین رہا" امام مالک کہتے ہین کہ ابن شہاب نے زندگی اس طرح بسر کی کہ دنیا مین ان کا کوئی مثل نہ تھا، حضرت لیث فرماتے ہین کہ "وہ لوگون مین سب سے زیادہ فیاض تھے،، وہ ہشام بن عبد الملک کے لڑکے کو تعلیم دیتے تھے اور اس کی ہمنشینی کرتے تھے، ہشام نے ان سے خواہش کی کہ اس کے بعض لڑکون کو چند حدیثین لکھوا دین

اُنھون نے اس کو چار سو حدیثین لکھوا دین، پھر وہ ایک مہینہ کے بعد اُس سے ملے تو اس نے کہا کہ وہ کتاب گم ہو گئی "انھون نے ایک کتاب منگوائی اور اسکو لکھوایا، پھر اس نے پہلی کتاب سے مقابلہ کیا تو اُنھون نے ایک حرف بھی نہین چھوڑا تھا، امام مالک کا بیان ہے کہ ابن شہاب مدینہ مین آئے تو ربیعہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونون دفتر مین گئے، لیکن جب عصر کے وقت اس سے نکلے تو ابن شہاب یہ کہتے ہوے روانہ ہوے کہ "میرے خیال مین ربیعہ کا مثل مدینہ مین کوئی نہین" اور ربیعہ یہ کہتے ہوے چلے کہ "میرے خیال مین ابن شہاب علم کے جس درجہ کو پہونچ گئے ہین اس درجہ کو کوئی نہین پہونچا" ابن شہاب کہتے ہین کہ "مجھ سے قاسم بن محمد نے کہا کہ "مین تم کو علم کا حریص پاتا ہون، تو کیا مین تم کو ایک ظرف علم کا پتہ بتادون؟" مین نے کہا "ہان" فرمایا "تم کو بنت عبدالرحمان کے پاس جانا چاہیئے کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کی پروردہ آغوش تھین" مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا، تو ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہین ہوتا" امام زہری نے ۱۲۴ھ مین وفات پائی،

(۱۴) ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقر،

وہ شیعون کے پانچوین امام ہین، اپنے باپ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، اور وہ اپنے زمانہ مین بنو ہاشم کے سردار تھے، انھون نے ۱۱۴ھ مین وفات پائی،

(۱۵) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان فقیہ مدینہ،

انھون نے حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیث سُنی، لیث بن سعد فرماتے ہین کہ "مین نے ان کے پیچھے پیچھے تین سو آدمی دیکھے جنمین بعض فقہ کے اور بعض شعر وغیرہ کے طالب العلم تھے" اس کے بعد وہ تنہا رہ گئے، اور یہ سب کے سب ربیعۃ الرا ے

کی طرف بڑھے" امام ابوحنیفہ کہتے ہین کہ "مین نے ربیعہ اور ابوالزناد دونون کو دیکھا لیکن ابوالزناد ان مین زیادہ فقیہ تھے" امام سفیان ابوالزناد کو "امیر المومنین فی الحدیث" کہتے تھے انھون نے ۱۳۱ھ مین وفات پائی،

(۱۶) یحییٰ بن سعید انصاری،

حضرت انس بن مالک اور بہت سے تابعین سے حدیث کی روایت کی یحییٰ قطان کا قول ہے کہ وہ زہری پر مقدم ہین زہری کے متعلق اختلاف ہے اور ان کے متعلق کوئی اختلاف نہین" امام احمد بن حنبل فرماتے ہین کہ "یحییٰ بن سعید تمام لوگون مین زیادہ محفوظ و محتاط ہین" وہیب کہتے ہین کہ "مین مدینہ مین آیا تو بجز یحییٰ بن سعید اور امام مالک کے کسی ایسے شخص کو نہین پایا جسکے متعلق بری بھلی دونون قسم کی رائین نہ ہون" یحییٰ بن سعید نے ۱۴۳ھ مین وفات پائی،

(۱۷) ربیعہ بن ابی عبدالرحمان فروخ،

حضرت انس بن مالک اور بہت سے صحابہ سے روایت کی وہ امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور راے کے بہت بڑے ماہر تھے، اسی بنا پر اُن کو "ربیعۃ الرائے" کہا جاتا تھا یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ "مین نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو ذہین نہین دیکھا" قاضی سوار بن عبداللہ فرماتے ہین کہ "مین نے کسی کو ربیعہ سے زیادہ راے کا عالم نہین دیکھا" مین نے کہا "حسن اور ابن سیرین بھی نہین" بولے "حسن اور ابن سیرین بھی نہین" وہ نہایت فیاض تھے اور امام مالک بن انس نے اُن ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی انھون نے ۱۳۶ھ مین وفات پائی،

مفسّیانِ مکہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب

ہجرت کے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے یہ دعا کی کہ "خدا اُن کو دین مین فقیہ بنائے، اور ان کو تاویل سکھائے" اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ "ابن عباسؓ قرآن کے کس قدر اچھے ترجمان ہین، اگر اُن کو ہمارا سن وسال ملتا تو ہم مین کوئی ان کا ہمسر نہوتا، معمر کا قول ہو کہ "ابن عباسؓ کا عام علم تین بزرگون سے ماخوذ ہے، عمرؓ، علیؓ اور ابی بن کعبؓ" حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "مین جب یہ سنتا تھا کہ ایک آدمی کے پاس حدیث ہے تو اس کے پاس آتا تھا اور بیٹھتا تھا، یہان تک کہ جب وہ نکلتا تھا تو مین اُس سے پوچھتا تھا، اور اگر مین یہ چاہتا کہ اُس سے نکلنے کی خواہش کرتا تو کرسکتا تھا، تفسیر اور فقہ مین اہل مکہ کے علم کا دارومدار حضرت ابن عباسؓ ہی پر ہے، اُنھون نے ۶۸ھ مین بمقام طائف وفات پائی،

(۲) حضرت مجاہد بن جبیر مولی بن مخزوم

حضرت سعدؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے حدیث سنی، اور حضرت ابن عباسؓ کی خدمت مین ایک مدت تک رہے، اور ان سے قرآن پڑھا، وہ علم کے ظروف مین سے ایک ظرف تھے، خود ان کا قول ہے کہ "مین نے ابن عباسؓ کو تین بار قرآن سنایا، اور اُن کے سامنے ہر آیت پر ٹھہرتا تھا اور پوچھتا تھا کہ وہ کس بارے مین نازل ہوئی ؟ اور اس کا کیا واقعہ ہے ؟" قتادہ کا قول ہے کہ "جو علما رہ گئے ہین ان مین تفسیر کے سب سے بڑے عالم مجاہد ہین" ان کا بیان ہے کہ "بعض اوقات ابن عمرؓ نے میری رکاب تھاما" اُنھون نے ۱۰۳ھ مین وفات پائی،

(۳) حضرت عکرمہؒ مولی ابن عباسؓ،

انھوں نے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ کی تعلیم پائی، حضرت سعید بن جبیرؓ سے کہا گیا کہ آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بھی زیادہ عالم ہو؟ فرمایا، ہاں عکرمہ، امام شعبی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کوئی نہیں رہا" ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ خارجیوں کے ہمراہ تھے یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ اور امام مسلمؒ نے ان سے روایت حدیث نہیں کی ہے، انھوں نے ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباح مولی قریش

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، اور حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے حدیث سنی، وہ گھونگھر دار بال والے سیاہ فصیح اور بہت زیادہ علم رکھنے والے تھے، اور فوج میں پیدا ہوئے تھے، امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ "میں نے عطاء سے زیادہ کسی کو افضل نہیں دیکھا" امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ "عطاء مرنے کے دن مرے تو اہل زمین میں لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھے" اسمٰعیل بن امیہ کہتے ہیں کہ "عطاء بہت دیر تک خاموش رہتے تھے، لیکن جب بولتے تھے تو ہم کو معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی جانب سے اُن کی تائید کی جاتی ہے" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "اے اہل مکہ تم لوگ میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تمھارے یہاں عطاء ہیں" انھوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس مولی حکیم بن حزام،

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ وغیرہ سے روایت حدیث کی، یعلی بن عطاء کا قول ہے کہ "ہم سے ابوالزبیر نے حدیث بیان کی اور وہ

لوگون مین بہ اعتبار عقل کے سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ حافظ تھے" عطا فرماتے ہین کہ "ہم حضرت جابرؓ کے پاس ہوتے تھے اور وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، پھر جب ہم وہان سے نکلتے تھے تو باہم مذاکرہ کرتے تھے، اور اس حالت مین ابو الزبیر ہم مین سب سے زیادہ حافظ الحدیث ہوتے تھے" انھون نے ۱۲۸ھ مین وفات پائی،

مفتیان کوفہ

(۱) حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہ عراق،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین پیدا ہوے اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حدیث سنی اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور وہ اُن کے برگزیدہ ترین اصحاب مین تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہی کہ "مین کوئی ایسی چیز نہین پڑھتا اور ایسی چیز نہین جانتا جسکو علقمہ نہ پڑھتے ہون یا نہ جانتے ہون،" قابوس بن ابی ظبیان کہتے ہین کہ "مین نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیون آتے ہین؟ انھون نے کہا کہ مین نے خود چند صحابہ کو دیکھا کہ وہ علقمہ سے پوچھتے ہین اور اُن سے فتوے لیتے ہین" امام ذہبی کہتے ہین کہ "وہ فقیہ امام، اور فائق تھے، قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے اور عبور روایت مین محتاط اور مستند اور نیک اور پرہیزگار تھے، طرز و روش وغیرہ مین حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مشابہ تھے،" انھون نے ۶۲ھ مین وفات پائی،

(۲) حضرت مسروق بن الاجدع الہمدانی الفقیہ،

وہ عمرو بن معدیکرب کے بھانجے ہین اور حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے، امام شعبی کا قول ہے کہ "مین کسی ایسے شخص کو

نہین جانتا جو مسروق سے زیادہ علم کا طلبگار رہو" وہ شریح سے زیادہ فتوی کے عالم تھے شریح اُن سے مشورہ کرتے تھے اور مسروق شریح کے محتاج نہ تھے انھون نے سنہ ۶۳ھ مین وفات پائی،

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادی،

فتح مکہ کے زمانہ مین یمن مین اسلام لائے اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم حاصل کیا، امام شعبی فرماتے ہین کہ "فقہا مین وہ شریح کے مقابل تھے" عجلی کا قول ہے کہ "عبیدہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اُن اصحاب مین ہین جو لوگون کو پڑھاتے تھے اور لوگون کو فتوے دیتے تھے" انھون نے سنہ ۹۲ھ مین وفات پائی،

(۴) حضرت اسود بن یزید النخعی،

وہ کوفہ کے عالم اور علقمہ بن قیس کے بھتیجے ہین، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے علم حاصل کیا، انھون نے سنہ ۹۵ھ مین وفات پائی،

(۵) حضرت شریح بن الحارث الکندی،

حضرت عمرؓ نے اُن کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا، اُس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اُن کے بعد اور خلفا نے ان کو قاضی بنایا اور وہ حجاج بن یوسف کے زمانے تک قاضی رہے اپنی موت سے ایک سال پہلے انھون نے اس عہدے سے استعفا دیدیا اور اُن کے علاوہ ہم کو کسی ایسے قاضی کا نام معلوم نہین جو ساٹھ سال تک قاضی رہ چکا ہو، اُنھون نے حضرت عمرؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی اور سنہ ۷۸ھ مین وفات پائی،

(۶) حضرت ابراہیم بن یزید النخعی فقیہ العراق،

علقمہ، مسروق اور اسود وغیرہ سے روایت کی اور وہ حماد بن ابی سلیمان فقیہ کے شیخ ہین، وہ مخلص علماء مین تھے، شہرت سے بچتے تھے اور ستون کے پاس نہین بیٹھتے تھے، عبدالملک بن ابی سلیمان کہتے ہین کہ "مین نے سعید بن جبیر کو یہ کہتے ہوے سنا کہ تم لوگ مجھ سے فتوی لیتے ہو حالانکہ تم مین ابراہیم نخعی موجود ہین" وہ علم کے متعلق صرف اُسی وقت گفتگو کرتے تھے جب اُن سے سوال کیا جاتا تھا، ۹۵ھ مین وفات پائی،

حضرت سعید بن جبیر مولی والبہ،

(۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنی، جب اہل کوفہ حج کو جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مسئلہ پوچھتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ "کیا تم مین سعید بن جبیر نہین ؟" وہ کسی کو اپنے پاس غیبت کی اجازت نہین دیتے تھے، میمون بن مہران کہتے ہین کہ "سعید بن جبیر مرے تو روے زمین پر کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو اُن کے علم کا محتاج نہو" ان کو ابن اشعث کی بغاوت مین حجاج نے ۹۵ھ مین قتل کیا،

(۸) حضرت عامر بن شراحیل الشعبی علامۃ التابعین،

وہ ۱۷ھ مین حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت مین پیدا ہوے، وہ امام، حافظ، فقیہ اور مختلف علوم کے عالم تھے، اور حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ امام ابوحنیفہ کے سب سے بڑے شیخ ہین، اور کوفہ کے قاضی رہ چکے ہین، مکحول کہتے ہین کہ "مین نے شعبی سے بڑھکر عالم نہین دیکھا" ابوحصین کا قول ہے کہ "مین نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہین دیکھا" ابن سیرین نے ابوبکر الہذلی سے کہا کہ "شعبی کی صحبت لازم پکڑلو، کیونکہ مین نے اُن کو

دیکھا کہ اُن سے فتوی لیا جاتا تھا، حالانکہ بہ کثرت صحابہ اُسوقت موجود تھے" ابن ابی لیلی کہتے ہین کہ "شعبی صاحب آثار (یعنی صاحب حدیث) اور ابراہیم صاحب قیاس تھے" حضرت ابن عمر رض شعبی کے پاس سے گذرے اور وہ مغازی کی روایت کر رہے تھے تو فرمایا "مین نے قوم کو دیکھا لیکن یہ مجھ سے زیادہ مغازی کے حافظ اور عالم ہین" امام شعبی سے روایت ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ "پہلے نیک لوگون نے حدیث کی کثرت روایت کو مکروہ سمجھا ہے، مجھ کو جو کچھ بعد کو معلوم ہوا اگر پہلے معلوم ہوتا تو صرف اُنھین حدیثون کو روایت کرتا جن پر اہلحدیث نے اتفاق عام کرلیا ہے" ابن عون کہتے ہین کہ "شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو وہ اس سے اجتناب کرتے لیکن ابراہیم اسکی تفصیل کرتے شعبی شگفتہ رو اور ابراہیم ترش رو تھے، لیکن جب فتوی آتا تو شعبی ترش رو اور ابراہیم شگفتہ رو ہو جاتے" شعبی سے روایت ہے کہ "ہم لوگ فقہا نہین، بلکہ جب حدیث سُن لیتے ہین تو اُس کی روایت کر دیتے ہین، فقیہ وہ ہے کہ جب اُسکو علم ہو تو وہ اسپر عمل کرے" شعبی قیاس کو مکروہ سمجھتے تھے، انھون نے سنہ ۱۰۴ھ مین وفات پائی،

مفتیان بصرہ

حضرت انس بن مالک رض انصاری خادم رسول اللہ صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم)

وہ مدتون رسول اللہ صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت مین رہے، اُن سے بہ کثرت حدیثین مروی ہین، وہ ابتداے ہجرت سے تا دم مرگ رسول صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین رہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر رض حضرت عمر رض حضرت عثمان رض اور حضرت ابی رض سے علم حاصل کیا، اور بہت دنون تک زندہ رہے، امام بخاری نے ان کی اسّی حدیث اور امام مسلم نے ستر حدیث کی روایت کی ہے اور دونون نے اُن کی ۱۲۸ احدیث روایت کی ہین، انھون نے سنہ ۹۳ھ مین وفات پائی،

(۲) حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی،

وہ قبیلہ تمیم کی ایک شاخ ریاح کی ایک عورت کے مولی تھے، حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث سُنی اور اُن سے روایت ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ "حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجھ کو اونچی جگہ بٹھاتے تھے، حالانکہ قریش اُن سے نیچے ہوتے تھے اور فرماتے تھے، "علم اسی طرح شریف کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہون کو تخت پر بٹھاتا ہے" انھون نے ۹۰ھ مین وفات پائی،

(۳) حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولی زید بن ثابتؓ،

مدینہ مین پیدا ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت مین قرآن حفظ کیا، پھر بڑے ہوئے تو متصل جہاد کرتے رہے اور برابر علم و عمل کی تحصیل مین مصروف رہے، وہ بہت بڑے مشہور بہادر تھے اور بہت سے صحابہ سے حدیث روایت کی، ابن سعد کا بیان ہے کہ "وہ عالم، بلند رتبہ، مستند، محفوظ، عبادت گذار، بڑے علم والے، فصیح، وجیہ اور خوبصورت تھے" وہ ان حق گو لوگون مین تھے جو خدا کے بارے مین لومۃ لائم کی پروا نہین کرتے تھے، انھون نے ۱۱۰ھ مین وفات پائی،

(۴) حضرت ابو الشعثاء جابر بن زید صاحب ابن عباسؓ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھون نے فرمایا کہ "اگر اہل بصرہ جابر بن زید کے قول کو تسلیم کرتے تو وہ ان چیزون کے متعلق جو کتاب اللہ مین ہین اُنکے علم کو وسیع کردیتے" اُن سے یہ بھی روایت ہے کہ انھون نے فرمایا کہ "تم مجھ سے ایک بات پوچھتے ہو حالانکہ تم مین جابر بن زید موجود ہین" عمرو بن دینار کہتے ہین کہ "مین نے فتوی کا عالم جابر بن زید سے زیادہ کسی کو نہین دیکھا" روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

اُن سے طواف میں ملے تو فرمایا کہ "اے جابر تم فقہاے بصرہ مین ہو اور تم سے فتوی طلب کیا جاتا ہی، تو صرف قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے روسے فتوی دو، اگر تم نے ایسا نہین کیا تو خود ہلاک ہوے اور لوگون کو ہلاک کیا" اُنھون نے ۹۳ھ مین وفات پائی؛

(۵) محمد بن سیرین مولی حضرت انس بن مالک رضؓ،

حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے ۲ سال باقی رہ گئے تھے کہ یہ پیدا ہوئے اپنے مولی حضرت انس بن مالک رضؓ، حضرت ابو ہریرہ رضؓ، حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت ابن عمر رضؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ فقیہ، امام، وسیع العلم، مستند، بہت بڑے معبر خواب اور نہایت پرہیزگار تھے، مورق العجلی کا قول ہے کہ "پرہیزگاری مین ابن سیرین سے زیادہ فقیہ، اور فقہ مین اُن سے زیادہ پرہیزگار نہین دیکھا" انھون نے سنہ ۱۱۰ھ مین امام حسن بصری کے سو دن بعد وفات پائی؛

(۶) قتادہ بن دعامۃ السدوسی؛

حضرت انس رضؓ اور حضرت سعید بن المسیب رحؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ اندھے اور قوی الحافظہ تھے، ابن سیرین کہتے ہین کہ "قتادہ لوگون مین سب سے زیادہ حافظ تھے" خود قتادہ کا قول ہے کہ "قرآن مین کوئی ایسی آیت نہین جسکے بارے مین مین نے کچھ نہ سنا ہو" امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ "قتادہ تفسیر اور اختلاف علما کے بہت بڑے عالم ہین" اور اُن کے حفظ اور فقہ کی تعریف کی، ان کا ذکر نہایت طوالت کے ساتھ کیا، اور کہا کہ "ایسے بہت کم لوگ ملین گے جو اُن پر ترجیح رکھتے ہون" قتادہ کہتے ہین کہ "مین نے ۲۰ سال سے رائے سے بالکل فتوی نہین دیا" اس حفظ کے ساتھ وہ عربیت، لغت، ایام العرب اور انساب کے بھی بہت بڑے عالم تھے، سنہ ۱۱۸ھ مین وفات پائی؛

مفتیانِ شام

(۱) حضرت عبدالرحمان بن غنم الاشعری رضؓ،

حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ وغیرہ سے روایت کی، اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان کو لوگون کے فقہ سکھانے کیلئے شام بھیجا، اور شام کے تابعین نے انھین سے فقہ کی تعلیم پائی، نہایت معزز سچے اور فاضل تھے، ۷۸ھ مین وفات پائی،

(۲) ابوادریس الخولانی عائذ اللہ بن عبداللہ،

یہ ان لوگون مین ہین جو علم و عمل دونون کے جامع تھے، حضرت معاذ بن جبلؓ اور بہت سے صحابہ سے علم حاصل کیا، وہ اہل دمشق کے واعظ اور قاضی تھے، امام زہری کہتے ہین کہ "ابوادریس فقہاے شام مین تھے" ۸۰ھ مین وفات پائی،

(۳) قبیصہ بن ذویب،

خلیفہ عبدالملک کے مہر بردار تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، امام زہری کہتے ہین کہ "قبیصہ اس امت کے علما مین سے تھے" مکحول کا قول ہے کہ "مین نے ان سے زیادہ عالم نہین دیکھا" امام شعبی سے مروی ہے کہ "قبیصہ لوگون مین حضرت زید بن ثابتؓ کے فیصلون کے سب سے بڑے عالم تھے" ۸۶ھ مین وفات پائی،

(۴) مکحول بن ابی مسلم،

قبیلۂ ہذیل کی ایک عورت کے مولی تھے، اور نسباً کابل سے تعلق رکھتے تھے، صغار صحابہ سے روایت کی، اور کبار صحابہ کے متعلق تدلیس کرتے تھے، یعنی ان سے روایت کرتے تھے، اور ان کے اور کبار صحابہ کے درمیان جو راوی ہوتا تھا اسکو چھوڑ دیتے تھے،

طلب علم مین نہایت کثرت سے سفر کیا اور بہت زیادہ علم حاصل کیا' امام زہری نے فرمایا کہ "عالم تین ہین" اور انھین مین مکحول کا بھی نام لیا' ابو حاتم کہتے ہین کہ "مین شام مین کسی عالم کو نہین جانتا جو مکحول سے زیادہ فقیہ ہو' انھون نے ۱۱۳ھ مین وفات پائی'

(۵) رجار بن حیوۃ الکندی'

وہ اہل شام کے شیخ اور عمائد سلطنت مین داخل تھے' امیر معاویہؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی مطروراق کہتے ہین کہ "مین نے کسی شامی کو نہین دیکھا جو اُن سے زیادہ فقیہ ہو" مکحول کہتے ہین کہ "رجار اہل شام کے سردار ہین" ابن سعد کا قول ہے کہ "رجار فاضل' مستند اور بہت زیادہ علم والے تھے' انھون نے ۱۱۲ھ مین وفات پائی'

(۶) عمر بن عبدالعزیز بن مروان'

وہ بنو اُمیّہ کے آٹھوین خلیفہ ہین' مدینہ مین پیدا ہوے اور مصر مین نشو و نما پائی اور حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی وہ امام' فقیہ' مجتہد' ماہر حدیث معزز' مستند' حجت' حافظ' مطیع خدا' اواہ اور منیب تھے' اور عدل و انصاف مین حضرت عمر بن الخطابؓ کے مثل اور زہد مین حضرت حسن بصری کے نظیر اور علم مین امام زہری کے ہمسر تسلیم کیے جاتے تھے' مجاہد کہتے ہین کہ "ہم اُن کی تعلیم دینے کیلیے آئے' لیکن تھوڑی ہی دنون کے بعد ہم نے خود اُن سے تعلیم حاصل کی' انھون نے ۱۰۱ھ مین وفات پائی'

مفتیان مصر

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد مبارک سے بڑے روزہ دار بڑے

نماز گذار، قاری قرآن اور بڑے جویان علم تھے، اُنھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنکر بہت سی حدیثین لکھین، اور حضرت ابو ہریرہؓ اُن کے کثرت علم کے معترف تھے، چنانچہ اُنھون نے فرمایا کہ "وہ حدیث کو لکھتے تھے اور مین نہین لکھتا تھا" وہ نیک اور اپنی دُھن کے پکے تھے، فتنہ وفساد مین حصہ لینے پر اپنے باپ کو ملامت کرتے تھے، لیکن نا فرمانی کی بنا پر خود اس مین حصہ نہ لینے کو گناہ خیال کرتے تھے، صفین مین شریک ہوے، لیکن تلوار نہین کھینچی، اُنھون نے اہل کتاب کی بہت سی کتابون کا بغور مطالعہ کیا تھا اور اُن مین اُن کو بہت سی عجیب چیزین نظر آئی تھین، مصریون نے ان سے بہت سا علم حاصل کیا، انھون نے ۶۵ھ مین مصر مین وفات پائی،

(۲) ابو الخیر مرشد بن عبد اللہ الیزنی مفتی اہل مصر

حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت ابو بصرہ غفاریؓ اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی سے روایت کی، اور اُن سے اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے علم فقہ حاصل کیا، ابن یونس کہتے ہین کہ "وہ اپنے زمانہ مین اہل مصر کے مفتی تھے" اُنھون نے ۹۰ھ مین وفات پائی،

(۳) یزید بن ابی حبیب مولی الازد،

اگرچہ بعض صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے، لیکن اُن کی اکثر روایتین تابعینؒ سے ہین، ابو سعید بن یونس کہتے ہین کہ "وہ اہل مصر کے مفتی تھے" وہ حلیم اور عاقل تھے، اور سب سے پہلے اُنھین نے مصر مین علم، مسائل اور حلال وحرام کو ظاہر کیا، ورنہ ان سے پہلے اہل مصر کی تمامتر روایتین ترغیب، جنگ، اور فتنہ وفساد کے متعلق ہوتی تھین، لیث بن سعد کہتے ہین کہ "یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہین" بیان کیا جاتا ہے کہ یزید اُن

اُن تین اشخاص مین ہین، جن سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مصر مین افتا کی خدمت متعلق کی تھی، وہ نسبًا بربری الاصل ہین، اُن کے باپ دنقلہ کے رہنے والے تھے، اور مصر مین پیدا ہوئے تھے، جب کسی خلیفہ کی بیعت کا وقت آتا تو سب سے پہلے عبید اللہ بن جعفر اور یزید بن حبیب بیعت کرتے تھے، ابن لہیعہ کا بیان ہے کہ یزید بیمار ہوے تو حوثرہ بن سہیل امیر مصر نے اُن کی عیادت کی اور کہا کہ "اے ابو رجا، جس کپڑے مین مچھرون کا خون لگا ہوا ہو اس کو پہنکر نماز پڑھنے کے متعلق تمھارا کیا قول ہے؟" انھون نے منھ پھیر لیا اور اُن سے گفتگو نہین کی، وہ اُٹھ کھڑے ہوے تو یزید نے اُن کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم روز ایک جماعت کو قتل کرتے ہو اور مجھ سے مچھرون کے خون کے متعلق سوال کرتے ہو"، سعید بن عضیر کہتے ہین کہ زبان بن عبدالعزیز نے یزید کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ تاکہ مین تم سے کچھ علمی استفسارات کرون، اُنھون نے کہلا بھیجا، تم خود ہی آؤ، کیونکہ میرے پاس تمھارا آنا تمھارے لیے زینت ہے، اور تمھارے پاس میرا آنا میرے لیے عیب ہے" انھون نے ۱۲۸ھ مین وفات پائی،

مفتیانِ یمن

(۱) طاؤس بن کیسان الجندی،

وہ جنگ کے گرفتار شدہ لوگون کے لڑکے تھے، حضرت زید بن ثابت رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ وغیرہ سے حدیث سُنی، علم و عمل مین منتخبِ روزگار تھے، عمرو بن دینار کہتے ہین کہ "مین نے کسی کو طاؤس کے مثل نہین دیکھا"، قیس بن سعد کا قول ہے کہ "طاؤس ہم مین ویسے ہی تھے، جیسے بصرہ والون مین ابن سیرین" ذہبی کہتے ہین کہ "طاؤس اہل یمن کے شیخ، اُن کے فقیہ اور اُن کے لیے ایک برکت تھے" وہ بڑے نے

جلیل القدر تھے" حج بہت کرتے تھے چنانچہ سنہ ۱۰۶ھ مین مکہ ہی مین وفات پائی،

(۲) وہب بن منبہ الصنعانی،

اہل یمن کے عالم ہین حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی، اُن کے پاس اہل کتاب کے علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، کیونکہ اُنھون نے اس طرف سخت توجہ کی تھی، عجلی کہتے ہین کہ "وہ مستند تابعی اور قاضی تھے" انھون نے سنہ ۱۱۴ ہجری مین وفات پائی،

(۳) یحییٰ ابن ابی کثیر مولی طے

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی، شعبہ کہتے ہین کہ "وہ حدیث مین زہری سے اچھے ہین" احمد کہتے ہین کہ "جب زہریؒ ان کی مخالفت کرین تو یحییٰ کا قول تسلیم کیا جائیگا" انھون نے سنہ ۱۲۹ھ مین وفات پائی،

جو لوگ اس دور مین فتوی دیتے تھے اور روایت حدیث کرتے تھے ان مین بزرگ ترین یہی لوگ تھے جن کا ہم نے نام لیا لیکن اس دور مین کوئی شخص کسی معین اور خاص فقیہ کی طرف اس طور پر منسوب نہ تھا کہ اس نے جو روایت یا جو راے اختیار کی ہو اسپر عمل کرنا اُس کے لیے لازمی ہو، بلکہ یہ تمام مفتی مختلف شہرون مین فقہ اور روایت حدیث مین شہرت رکھتے تھے اور جس شخص کو فتوی پوچھنا ہوتا تھا وہ جس شخص کے پاس چاہتا تھا جاکر فتوے پوچھ لیتا تھا اور وہ فتوی دیدیتا تھا، بعض اوقات وہ ایک مفتی سے فتوی لیکر دوسرے مفتی کے یہان بھی چلا جاتا تھا، جو لوگ مختلف شہرون کے قاضی تھے، اُن کے فیصلے کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ قرآن و حدیث سے ان کی سمجھ مین آتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر اُن کی کوئی ذاتی راے قائم ہوجاتی تو اس کے مطابق

بھی فیصلہ کر دیتے تھے، بعض اوقات اپنے شہر کے مشہور فقہا سے بھی فتوی لیکر فیصلہ صادر کرتے، اور بسا اوقات خلیفہ سے بھی بذریعہ خط و کتابت کے استفسار کر لیتے، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے دورِ خلافت مین اکثر ایسا ہوا،

اس دور مین ایک خاص فرقہ پیدا ہوا جس کو مورخین خوارج کے لقب سے یاد کرتے ہین، اس فرقہ کی اصل وہ گروہ ہے جس نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی مخالفت مین بغاوت کی، کیونکہ اس گروہ نے ان کی چند باتون کو ناپسند کیا، اور اس بنا پہلے ان کے خلاف بغاوت کی، پھر اُن کو شہید کر دیا، اس کے بعد جب ان لوگون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان مین اور امیر معاویہ مین نا چاقی بڑھانے کا بہت بڑا سبب بن گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے دو فرقون مین جو تمام عالم اسلامی کا خلاصہ تھے، بمقام صفین سخت جنگ ہوئی، جب امیر معاویہ اور ان کے رفقا نے قرآن مجید کو حکم بنانے کی دعوت دی تو یہ لوگ پہلے تو اس پر راضی ہو گئے، لیکن بعد کو اس کو قابلِ اعتراض قرار دیا اور کہا کہ "یہ کفر ہے"، کیونکہ "لاحکم الا اللہ" حکم صرف خدا کیلیے ہے" ان لوگون نے اس فقرہ کو اپنا شعار بنا لیا، یہان تک کہ جن لوگون نے خوارج کی راے اختیار کی اُن کو کہا جانے لگا کہ "حکم" یعنی انھون نے "لاحکم الا اللہ" کہا، ان لوگون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بھی سخت لڑائیان کین جن کی وجہ سے اُن کا مرکز اُن کے اُس فریق کے مقابل مین جو ایک فرمانبردار فوج رکھتا تھا ضعیف ہو گیا، اور بالآخر انھون نے انہی خارجیون مین سے ایک خارجی یعنی عبد الرحمان بن ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی، اور اسی وقت سے ایک مخصوص اور ممتاز شخصیت رکھنے والا فرقہ پیدا ہو گیا جو "شراۃ" کے لقب سے مشہور ہے، ان لوگون نے اس آیت سے اُس

تمام کو لیا ہے" ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" یعنی بعض لوگ خدا کی مرضی کی جستجو مین اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہین، ان کا عام اصول یہ ہے کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے محبت رکھتے ہین، اور چند ناپسندیدہ باتون کی وجہ سے حضرت عثمانؓ سے، اور رضامندی تحکیم کی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے، اور مسلمانون کی رضامندی کے بغیر، مسلمانون پر اقتدار و غلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے امیر معاویہؓ سے برات یعنی بے تعلقی اور علٰحدگی ظاہر کرتے ہین، اسی مسئلہ خلافت کے متعلق اُن کا یہ اصول قائم ہوا کہ "خلافت تمام قوم کے سپرد کر دیگئی ہے، وہ جس شخص کو جس خاندان سے چاہے خلیفہ بنا سکتی ہے، وہ خلافت کو قریش مین مخصوص کر دینے سے انکار کرتے ہین، اور اُن کے نزدیک خلیفہ کی اطاعت صرف اُن حدود کے دائرے مین فرض ہے، جن کو خداوند تعالٰی نے اپنی کتاب یا اپنے پیغمبر کی عملی حدیثون مین متعین کر دیا ہے، اگر کسی خلیفہ نے ان کی مخالفت کی تو وہ اس سے علٰحدہ ہو جاتے ہین، اور اُسکی نافرمانی واجب ہو جاتی ہے، یہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہین کرتے بلکہ جو شخص حدود اللہ سے آگے قدم رکھے وہ فاسق ہے، اور وہ فاسق ہی کو کافر کہتے ہین، قرآن مجید کی چند ظاہری آیتین بھی ان کی تائید کرتی ہین، اور اسی عقیدہ کی بنا پر جن لوگون نے امیر معاویہؓ کی حمایت کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمانؓ سے برات نہین کی ان کو وہ لوگ خارج از ملت سمجھتے ہین، اور اُن سے لڑنا بھڑنا جائز قرار دیتے ہین، حالانکہ جمہور اُمت یہی لوگ ہین،

ان خارجیون مین بڑے بڑے سردار پیدا ہوئے جنھون نے اُن سے خلفائے جمہور کے ساتھ لڑائیان کروائین، ان تمام باتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی امور مین ان کی رائین

نہایت سخت قائم ہوئین، یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے، اور حدیثون مین صرف انہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت ان لوگون نے کی تھی جنکو یہ لوگ دوست رکھتے تھے، چنانچہ ان کی قابل اعتماد حدیثین صرف وہ تھین جنکی روایت شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت مین کی گئی تھی، ان لوگون مین بڑے بڑے علمار، اور مفتی تھے جنکی طرف یہ لوگ رجوع کرتے تھے، لیکن چونکہ یہ لوگ عام مسلمانون پر تشدد کرتے تھے، اور اُن کے متعلق بُرا عقیدہ قائم کر لیا تھا، اس لیے عام طور پر مسلمان اُن لوگون سے اور نیز اس شخص سے جو ان لوگون کا ہمخیال ہوتا تھا، نفرت رکھتے تھے، یہان تک کہ اگر وہ محدث ہوتا تھا تو اس سے روایت نہین کرتے تھے، اور اگر وہ مفتی ہوتا تھا تو اُس سے فتوی نہین پوچھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی سے جو روایت کی تھی اس کو بعض ائمہ الحدیث نے ساقط الاعتبار قرار دیا، کیونکہ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ خارجیون کے ہمخیال ہین، اور اسی بنا پر بعض محدثین نے عمران بن حطان (جو خوارج کا فقیہ اور ان کا شاعر تھا) کی روایت کو بھی ضعیف ٹھہرایا، لیکن با این ہمہ وہ تمام فرقون مین جھوٹ سے سب سے زیادہ دور تھے، کیونکہ وہ اُس کو کفر خیال کرتے تھے، لیکن خوارج کا یہ اتحاد بہت دنون تک قائم نہ رہ سکا بلکہ عام مسلمانون کے معاملہ مین اُن کے درمیان جو اختلاف آرار پیدا ہوا اس نے ان مین تفریق پیدا کر دی، اور ان کی سختیان صرف بنو امیہ کے زمانہ اور آغاز سلطنت عباسیہ تک قائم رہ سکین،

شیعون کا فرقہ بھی اسی دور مین پیدا ہوا، یہ لوگ ہین، جو حضرت علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ اور اُن کے اہلبیت کی دوستی پر قائم رہے اور ان کا عام اصول مشترکہ یہ ہو کہ

خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے' اور وہ خود رسول اللہ صلعم کی وصیت سے
اس کے مستحق ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اُن کو وصی کہتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کے بعد وہ اُن کی اولاد کا حق ہے، اور اس حق کو اُن سے صرف وہی شخص چھین سکتا ہے
جو ظالم وغاصب ہو، چنانچہ اسی بنا پر ان میں بعض لوگوں نے شیخین یعنی حضرت ابو بکر
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر زبان درازیاں کی ہیں، کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کے حق کو غاصبانہ طور پر چھین لیا تھا، ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے بعد اُن کے فرزند حسن علیہ السلام کو پھر ان کے بعد اُن کے بھائی حسین علیہ السلام کو
امام قرار دیا ہے، اور اس معاملہ میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن امام
حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُن کے دو فرقے پیدا ہو گئے، بعض لوگوں نے
خلافت کو محمد بن الحنفیہ کا حق قرار دیا، کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے بعد حضرت علی رض کی
سب سے بڑی اولاد وہی تھے، اور یہی لوگ ہیں جنکو کیسانیہ کہتے ہیں، محمد بن حنفیہ کے
نام سے اس بغاوت میں فائدہ اُٹھایا گیا، جو مختار بن ابی عبید الثقفی نے بنوامیہ اور
حضرت عبداللہ بن زبیر رض کے خلاف کی تھی اور یہ لوگ اُن کو مہدی کہتے تھے لیکن
خوارج کی طرح مختار بن ابی عبید الثقفی میں مذہبی روح نہیں پائی جاتی تھی، بلکہ اُسکی
بغاوت کا منشاء دنیوی تھا، یہی وجہ ہے کہ اپنے اغراض کے حاصل کرنے کیلیے اُس نے
جھوٹ بولنا جائز کر لیا تھا،

لیکن بعض شیعوں نے خلافت کو صرف اولادِ فاطمہ رض کیلیے مخصوص کر دیا اور امام حسین
علیہ السلام کے بعد اُن کے فرزند علی زین العابدین کو جو اس دور کے فقہا میں تھے
امام بنایا، حضرت علی زین العابدین کی وفات کے وقت اُن کے دو فرزند تھے یعنی

محمد بن علی المعروف بالباقر اور زید بن علی، چنانچہ ان لوگون نے حضرت باقر کو امام بنایا، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے بھی دو فرقے ہوگئے، بعض نے زید بن علی کو امام بنایا، اور یہی لوگ زیدیہ کے نام سے مشہور ہین، اور بعض لوگ امام باقر کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے رہے، اس بنا پر انھون نے امامت کو ان کے فرزند جعفر صادق کی طرف منتقل کردیا،

امامت کے متعلق فرقۂ زیدیہ کی ایک خاص راے تھی یعنی یہ لوگ شیخین سے تبری نہین کرتے تھے، کیونکہ یہ دونون بزرگ خلیفہ ہوے تو عدل و انصاف سے کام لیا، ان لوگون کا قول یہ تھا کہ امامت اگرچہ صرف اولادِ فاطمہؓ کیلیے مخصوص ہے، لیکن امام کا تقرر اوصاف کے لحاظ سے ہوتا ہے، اور اس لیے جیسا کہ فرقۂ جعفریہ کا خیال ہے، یہ لوگ اسکے منکر تھے کہ وصیت مین نام کے ساتھ امام کا تقرر ہوا ہے، غرض ان لوگون کی راے یہ تھی کہ ہر وہ شخص جو اولادِ علیؓ سے ہونے کا مدعی ہو اور اُس کے ساتھ اس مین امامت کے تمام اوصاف بھی پائے جاتے ہون اس کی پیروی اور مدد واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے مین جب زید بن علی نے بغاوت کی تو ان لوگون نے ان کا ساتھ دیا، اور جب وہ شہید ہوگئے، تو اُن کے فرزند یحییٰ کی حمایت کی، اس کے بعد محمد المہدی المعروف بالنفس الزکیۃ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی نے دولت عباسیہ کے آغاز مین منصور عباسی کے خلاف بغاوت کی تو ان لوگون نے اُن کی اعانت کی،

الغرض اس دور مین شیعون کے تین فرقے یعنی کیسانیہ، امامیہ زیدیہ، اور امامیہ جعفریہ پیدا ہوگئے، اور اُن مین ہر فرقہ نے علم و دین کو اپنے اپنے ائمہ اور اُن کے رفقاء

واعوان سے حاصل کیا، یہ لوگ اُن ائمہ کے متعلق جو اعتقادات رکھتے ہین، وہ اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف ہین، ان مین بعض لوگون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور انکے اہلبیت کی تائید مین جو غلو کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگون نے بہت سی ایسی حدیثین روایت کین جن کی نسبت ائمہ جمہور یہ یقین رکھتے ہین کہ وہ بالکل جھوٹ ہین، یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ نے جسطرح غُلاۃ خوارج کی روایتون کے قبول کرنے مین تامل کیا ہے اسی طرح ہر غالی شیعہ، یا داعی تشیع کی رُوایتون کے قبول کرنے مین ان کو توقف ہے،

چوتھا دور

اِس دَور کی فقہ

دوسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کے نصف تک

یہ حدیث وفقہ کی تدوین اور ان ائمہ کبار کے پیدا ہونے کا دور ہے جن کو عام طور پر لوگون نے اپنا پیشوا تسلیم کیا،

سیاسی صورت حال

جو مخفی جماعت اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ بنو امیہ سے خلافت کو آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم مین رضا کی طرف منتقل کردے وہ اس دور کی ابتدا مین کامیاب ہوئی اور خلافت بنو العباس بن عبد المطلب کی طرف منتقل ہوگئی اور ابو العباس عبد اللہ الملقب بالسفاح بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس خلیفہ ہوا، اور عباسیون نے بنو امیہ کے معاملے مین ایسی سختیان کین کہ تاریخی آدمیون مین کسی کی نسبت اس قسم کی سختی کا علم نہین ہے اور ان لوگون نے اس قسم کے اشتدادی اور وحشیانہ کام کیے جن کے ذریعہ سے اپنے ایرانی اعوان وانصار کے دلون کو خوش کیا، اس وقت بنو امیہ مین سب سے زیادہ پختہ ارادہ کا ایک شخص بھاگ کر اندلس مین جا پہونچا اور وہان ایک

عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو بنو عباس کے اثر سے بالکل الگ تھی، اور یہ پہلی تقسیم تھی جو اسلامی سطح مین واقع ہوئی لیکن یہ انقلاب بنو عباس کے چچازاد بھائی یعنی اولاد علی بن ابی طالب کو جو اپنے آپ کو دوسرے خاندانوں سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے پسند نہ آیا اور انھون نے یہ پختہ عزم کر لیا کہ اس خلافت کو یا تو خود حاصل کر لین یا اپنے مخاصمین کے لیے اسکو غبار آلود بنادین چنانچہ سب سے پہلے علویین اس کے بعد بنو الحسن مین محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسن بن علی نے علم بغاوت بلند کیا اور اگرچند غلطیان اور سوء اتفاقیان جنھون نے اس کا مدینہ مین اور اس کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ کر دیا، نہ پیش آگئی ہوتین تو غالباً وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتا،

اس کے بعد منصور کے پوتے موسی الہادی بن محمد المہدی بن ابی جعفر المنصور کے ساتھ اطراف مکہ مین [illegible] باغی نے بغاوت کی اور مقتول ہوا، اور محمد النفس الزکیہ کا بھائی ادریس بن عبد اللہ اس معرکہ سے بھاگ نکلا اور مغرب اقصی مین جا کر بربرون کے درمیان خلافت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور عباسیہ سے الگ یہ دوسری خلافت قائم ہوئی جسکو خلافت ادریسیہ کہتے ہین، اسی طرح اس کا دوسرا بھائی یحیی بن عبد اللہ اطراف مشرق مین بھاگ کر بلاد دیلم مین پہونچا اور بہت سے لوگون نے اس کی پیروی کی لیکن رشید نے فضل بن یحیی بن خالد بن برمک کی مدد سے اسکو سیاسی چالون سے اسکے قلعہ سے اُتار لیا اور ایک امن نامہ لکھدیا جسکی شرط کے بموجب وہ قلعہ سے اترا لیکن رشید نے اس شرط کو پورا نہین کیا،

رشید نے محسوس کیا کہ اسکو ایک ایسی طاقتور امارت کی سخت ضرورت ہے جو

مغرب مین ادریسیون کی بڑھتی حوصلہ مندیون کے سامنے ایک دیوار کی طرح حائل ہوجائے، اس لیے اُس نے خود اپنے ہاتھ سے افریقہ مین اغالبہ کی سلطنت کی بنیاد رکھی اس کے بعد مامون نے خراسان مین امارت طاہریہ کو قائم کیا اور بلاد یمن مین امارت زیادیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ مختلف ممالک مین شیعون کی کامیابیون کو کم کرسکین، لیکن شیعہ امامیہ نے جعفر بن محمد المعروف بالصادق کی خلافت پر جو ائمہ شیعہ مین سے چھٹے امام تھے، اتفاق کیا تھا اور اُن کے پیرو بھی بہ کثرت تھے لیکن وہ خود اپنے لیے خلافت کے خواستگار نہ تھے، جب انھون نے وفات پائی تو اُن کے پیرو دو فرقون مین منقسم ہوگئے، ایک فرقہ یعنی فرقۂ موسویہ نے اُن کے فرزند موسی المعروف بالکاظم کو خلیفہ تسلیم کیا اور اُن کے بعد امامت کو اُن کے لڑکون اور پوتون مین بارھوین امام تک کھینچکر لائے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ امامیہ اثنا عشریہ کہے جاتے ہین، اس بارھوین امام کا نام ابو القاسم محمد العسکری بن الحسن العسکری بن علی الهادی بن محمد الجواد بن علی الرضا بن موسی الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابیطالب ہے اور شیعہ امامیہ کا خیال ہے کہ وہ ۲۶۰؁ھ مین اپنے باپ کی وفات کے بعد چھپ گئے، اور آخری زمانہ مین اُن کا ظہور ہوگا اور دنیا جسطرح ظلم سے بھر گئی ہے اسی طرح وہ اُس کو عدل سے بھر دین گے چنانچہ وہ اب تک ان کا انتظار کر رہے ہین، دوسرے فرقے نے جو اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہے، اسمعیل بن جعفر الصادق کو خلیفہ قرار دیا ہے اور ان لوگون نے خلافت کے حاصل کرنے کیلئے جو کچھ کیا وہ پہلا فرقہ نہ کرسکا تھا، ان لوگون نے اس کام کی ابتدا مخفی طریقہ دعوت سے کی اور اس کے لیے ایسی تعلیمات بنائین جن کے ذریعہ سے بیگانہ دلون کو مائل کرسکین جب اُن کا یہ مقصد پورا ہوچکا

بلاد افریقہ مین اُن کے امام عبید اللہ المہدی کا ظہور ہوا، جس سے دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور اُس نے تمام مغرب پر تسلط و اقتدار حاصل کرنے مین عظیم الشان کامیابی حاصل کی اور ابھی اس دور کا خاتمہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ قاہرہ مصر المعزیہ مین ان کی عظیم الشان اور محفوظ سلطنت قائم ہو گئی،

خلافت عباسیہ کی بنیاد دو عصبیتون پر قائم تھی، ایک تو عصبیت عربیہ جسکا تعلق اُن عربون سے تھا جو خلفاے عباسیہ کے دوست تھے، دوسری عصبیت فارسیہ جو دعوت عباسیہ کے قائم کرنے والے تھے، خلفائے عباسیہ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب ان دونون فریقون مین سے کسی فریق سے شبہہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اُسکے مقابل مین دوسرے فریق سے مدد لیتے تھے، یہان تک کہ مامون بن رشید نے جس نے خالص ایرانی تربیت پائی تھی اور ایرانیون ہی کے ذریعہ سے اپنے بھائی محمد امین پر غلبہ حاصل کیا تھا یہ مناسب سمجھا کہ وہ عصبیت عربیہ کو مٹا کر اپنی بنیاد دوسری عصبیت پر قائم کرے لیکن اس کا بھائی اسحاق المعتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لیے ترکی غلامون مین سے جن کو اس نے بہ کثرت جمع کر لیا تھا اپنے لیے ایک اور نئی عصبیت قائم کی اور اسی کے ذریعہ سے خلافت عباسیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا، متوکل بن معتصم نے ان سے رہائی حاصل کرنی چاہی لیکن اُس کے فرزند منتصر کے اتفاق سے ترکون نے اُس سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیا اور اس طریقہ سے معتصم نے جس اقتدار کے رگ و ریشہ کو قائم کیا تھا تمام خلفا نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور خلافت کے قریب و بعید دونون قسم کے لوگون پر ترکون کا اقتدار قائم ہو گیا، اور اس ضعف نے مشرق مین متعدد امارتین مثلا ماوراء النہر مین دولت سامانیہ اور فارس مین دولت صفاریہ قائم کر دین، اور

ابھی یہ دور ختم بھی نہین ہوا تھا کہ بنو بویہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے خاندان کے لیے ایک سلطنت قائم کی، یہان تک کہ خود خلافت عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد پر قابض ہو گئے، اب بنو عباس کا نام ہی نام باقی رہ گیا اور بنو بویہ اور ان کے عصبۂ دیلم کا اقتدار قائم ہو گیا،

یہ اس سلطنت کی سرگذشت ہے جس نے ۱۳۲ھ مین بنو امیہ کی عظیم الشان وراثت پر غلبہ حاصل کیا اور ابھی سنہ ۳۳۴ھ آیا بھی نہ تھا کہ خلافت کا نام ہی نام رہ گیا اور عرب کا اقتدار دوسری قومون مثلاً ایرانی، دیلم، ترک اور بربر کی طرف منتقل ہو گیا، اور معتصم کے زمانے سے فوجی دفتر مین ایک عرب بھی نہ رہ گیا،

اس دور کی امتیازی خصوصیات

(۱) تمدن کی وسعت؛

ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے بغداد کو اس غرض سے آباد کیا کہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کا پایۂ تخت ہو اور اس نے اس مین جو ندرت اور اعجوبگی پیدا کی اس نے اس کو اس زمانے کے تمام شہرون سے ممتاز و فائق کر دیا جب اس کی تعمیر مکمل ہو چکی تو اس مین تمام شہرون کے علما جمع ہو گئے، اور اسی طرح مختلف مذاق کے تاجر، کاریگر اور ہر قسم کے لوگون کا اجتماع ہو گیا اور ابھی اس کا زمانہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ وہ عروس البلاد اور سیدۃ البقاع بن گیا، اس کی آبادی دو ملین کے قریب ہو گئی اور دجلہ کے کنارے پھیل گیا، چنانچہ اس کے مغربی کنارے پر منصور کا شہر اور مشرقی کنارے پر مہدی کا شہر تھا اور اس کی تعمیر مین عربی، ایرانی اور رومی تینون قسم کی عقل نے

شرکت کی تھی اس لیے ہر عقل کے اندر ایجاد و اختراع کی جو قدرت پوشیدہ تھی بغداد نے اس سے بہترین حصہ پایا تھا،

اگر تم مغرب کی طرف سے جزیرۂ اندلس تک سلطنت اسلامیہ کی انتہا پر نظر ڈالوگے تو تم کو شہر قرطبہ ملیگا جو اندلس مین سلطنت امویہ کے بانی عبد الرحمان بن معاویہ کی زیر نگرانی بغداد کے مقابلہ کیلیے آمادہ نظر آئے گا، تم کو افریقہ مین شہر قیروان ملیگا جس نے افریقیہ، رومانیہ کے شہرون کی عظمت وراثت مین پائی اور ان کا حسن و جمال اس کی طرف منتقل ہوگیا، اس کے بعد تم کو مصر کا دار السلطنت فسطاط ملے گا جس کی عظیم الشان مسجد نے ان علماء کے حلقون کو جمع کیا جنھون نے اجتہاد و استنباط مین اپنی یادگارمین عظیم الشان نشانیان چھوڑین اور انھین نے مختلف مذاہب کے ائمہ مجتہدین کی فقہ کو عام طور پر نمایان کیا، مثلاً اصحاب مالک مین ابن وہب اور ابن القاسم مثال اصحاب شافعی مین ربیع اور مزنی جیسا کون ہے؟ جامع فسطاط ہی نے امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا اور اصحاب ابی حنیفہ مین ابو جعفر طحاوی کے مثل کون ہے؟ اور یہ سب کے سب فسطاط کی یادگارین ہین اور اس شہر کے مورخین نے جو کچھ لکھا ہے جو شخص اس سے واقف ہے اس کو معلوم ہے کہ علم، تجارت اور صنعت مین اس کا تمدن بغداد سے کسی طرح کم نہین ہے، پھر تم کو شہر دمشق ملیگا جس سے خلافت کی رونق اگرچہ زائل ہوگئی تاہم بنو امیہ نے جس عظمت کا اسکو وارث بنادیا تھا اس نے ہمیشہ اس کو محفوظ رکھا، کوفہ و بصرہ ہمیشہ علماء و حکماء سے معمور رہے اور اگرچہ بغداد ان دونون شہرون سے قریب تھا، تاہم باوجود اپنی عظمت کے وہ ان دونون کے چاند کو گہنا نہ سکا کیونکہ بصرہ تجارت ہند کا سب سے بڑا مرکز اور کوفہ عربی عنصر کا مستقر تھا،

جب تم مشرق کی طرف توجہ کروگے تو تم کو مرو و نیشاپور وغیرہ عظیم الشان شہر نظر آئینگے، تمدن کے لیے تجارت، زراعت اور صنعت کے دائرے کی وسعت لازمی ہے اور اس دور مین یہ تمام چیزین شباب کے درجہ کو پہونچ چکی تھین، یہان تک کہ اسلامی سطح تمام گذشتہ تمدنون پر فخر کررہی تھی کیونکہ وہ مختلف تمدنون کا خلاصہ تھی، اور اس مین کوئی شبہ نہین کہ فقہ پر اس کا عظیم الشان اثر پڑا ہے، کیونکہ ایسی حالت مین فقہ کے لیے مختلف مسائل کے وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اُن سے جواب مستنبط کرسکے،

(۲) اسلامی شہرون مین علمی حرکت،

پہلے دور کے آخر مین حرکت علمیہ کی ابتدا ہوئی اور اس دور مین اُس نے عظیم الشان ترقی کرلی، کیونکہ منکرین عرب کے دماغون مین قدیم تمدن کی شعاعین پہونچ چکی تھین جسکے دو سبب تھے،

پہلا سبب موالی یعنی غلام تھے، کیونکہ اسلام مین ایرانی رومی اور مصری غلامونکی ایک عظیم الشان تعداد داخل ہوئی جن مین کچھ تو بچپن مین گرفتار ہوے تھے اور اپنے مسلمان آقاؤن کی آغوش مین تربیت پائی تھی، اس لیے جن علوم اسلامیہ کی بنیاد کتاب وسنت پر تھی، اُن سے اُنھون نے وراثةً پائے تھے اور ان کو بہت کچھ سیکھ لیا تھا اور اپنے عربی النسل بھائیون کے مقابل مین اُن مین بڑے بڑے قرّا اور بڑے بڑے محدث پیدا ہوگئے تھے، اور ان مین کچھ لوگ بڑے ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوے تھے اور اس کا نتیجہ خیالات کا اختلاط اور عقل کی پختگی ہے،

یہ دور شروع ہوا تو سیاست مدن مین ان غلامون کی حیثیت نہایت نمایان تھی، کیونکہ خلافت عباسیہ کی بنیاد ہی اُسکے خراسانی اور عراقی غلامون کے بل پر قائم ہوئی تھی،

اور اس طرح وہ شریک سلطنت ہو گئے تھے اور اس طریقہ سے ان کا علمی اور سیاسی اشتراک مکمل ہو گیا تھا،

دوسرا سبب وہ فارسی اور رومی کتابین تھین جن کا ترجمہ عربی زبان مین پہلے دور کے آخر مین ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس دور مین ابو جعفر منصور کے زمانے سے جو عباسیون کا دوسرا خلیفہ تھا اس کی طرف اور بھی زیادہ توجہ ہوئی اور تیسری صدی کی ابتدا مین مامون رشید کے زمانے تک جو یونانی علوم اور ارسطو کی رایون کا خاص طور پر شیدائی تھا اس مین اور بھی اضافہ ہو گیا،

یہ کتابین خوب پھیلین اور مامون کے زمانے مین کثرت سے جن متکلمین کا ظہور ہوا تھا ان کی معلومات کے پیدا کرنے کا غیر معمولی ذریعہ بن گئین، اور ان لوگون نے محدثین کو تقریباً اُن کے بلند پایہ سے گرا دینا چاہا، کیونکہ مامون ان کا جانبدار ہو گیا تھا، اور اس جانبداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلق قرآن کا مسئلہ پیدا ہو گیا اور مامون نے اہلحدیث کو اُن کے عقیدے کی تبدیلی پر مجبور کرنا چاہا، چنانچہ اس نے رؤساے اہلحدیث کے متعلق جو خط حافظ بغداد کے نام ارسال کیا تھا جو شخص اسکو پڑھے گا اسکو معلوم ہو گا کہ اہلحدیث کے بارے مین متکلمین کی کیا راے تھی؟ کیونکہ اس نے اس مین ایک ایک کا نام لیا تھا اور انکے خیالات اور اخلاق پر نکتہ چینی کی تھی، ہم کو اس مین ذرہ برابر بھی تامل نہین ہے کہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین ہونے کے ایک ایسے عقیدے مین مداخلت کرنا جسمین جمہور کی رائین مختلف تھین، اور اہل علم کے ایک گروہ کو خاص اپنی راے کے قبول کرنے پر مجبور کرنا مامون کی غلطی تھی، کیونکہ یہ آزادی خیال کی راہ مین ایک رکاوٹ تھی، جس کے جواز کی کوئی وجہ نہین ہے، اہل حدیث نے بالاتفاق اس حرکت کلامیہ کے خلاف روش اختیار کی،

اور جمہور نے بھی ان کا ساتھ دیا اس لیے وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے، بجز ان باتون کے جنکو اہلحدیث متکلمین سے نقل کرتے ہین، متکلمین کے ساتھ ہمارے تعلقات بالکل منقطع نظر آتے ہین، چنانچہ انھون نے جو کچھ خود اپنے ہاتھون سے لکھا ہم کو اس مین کوئی چیز نظر نہین آتی، با این ہمہ ان لوگون نے اس دور کی عقلی فقہ کے میدان مین بہت کچھ تیز روی سے کام لیا ہے، چنانچہ حدیث و قیاس کے متعلق ان لوگون نے جو مناظرات کیے ہین وہ آگے آئین گے،

رؤسائے متکلمین مین مشہور تر لوگ عمرو بن عبید المتوفی سنہ ۱۴۴ھ ابو الہذیل العلاف المتوفی سنہ ۲۳۵ھ اور عمرو بن ابی خط المتوفی سنہ ۲۵۵ھ ہین،

(۳) حفاظِ قرآن کی تعداد مین اضافہ اور قرآن مجید کے ادا کرنے کی طرف توجہ

اس دور مین حفاظِ قرآن کی تعداد مین بہت زیادہ اضافہ ہوا، اور کاتبانِ قرآن کی طرح وہ تمام ممالک اسلامیہ مین پھیل گئے لیکن ہر ملک کے مسلمانون نے صرف چند مشہور قرا کے تفوق کا عام طور پر اعتراف کیا جن کے نام یہ ہین،

(۱) مدینہ مین نافع بن ابی نعیم مولی جعونہ، انھون نے حضرت ابن عباس رض کے شاگردون سے تعلیم حاصل کی، اور سنہ ۱۶۹ھ مین وفات پائی، جن لوگون نے ان سے قرأت کی روایت کی اُن مین زیادہ مشہور عیسی بن مینا الملقب بقالون المتوفی سنہ ۲۰۵ھ اور ابو سعید عثمان بن سعید المصری الملقب بورش المتوفی سنہ ۱۹۷ھ ہین اور اکثر اہل مغرب انھی ابو سعید ہی کی قرأت کے موافق قرآن پڑھتے ہین،

(۲) مکہ مین عبداللہ بن کثیر مولی عمرو بن علقمہ یہ فارسی النسل ہین، حضرت ابن عباس رض کے شاگردون سے تعلیم حاصل کی، اور سنہ ۱۲۰ھ مین وفات پائی اور جن لوگون نے ان سے

قرأت کی روایت کی ان مین مشہور تر ابو الحسن احمد بن عبد اللہ البزی المتوفی ۲۰۵ھ اور ابو عمر محمد الملقب بہ قنبل المتوفی ۲۹۱ھ ہین اور یہ دونون ابن کثیر کے تلامذہ سے روایت کرتے ہین،

(۳) بصرہ مین ابو عمرو بن العلا المازنی، یہ کا زرونی الاصل ہین، حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۵۴ھ مین کوفہ مین وفات پائی، ان سے جن لوگون نے روایت کی، اُن مین مشہور تر یحییٰ بن مبارک الیزیدی ہین، اور یحییٰ سے ابو عمر حفص بن عمر الدوری المتوفی ۲۴۶ھ اور ابو شعیب صالح بن زیاد السوسی المتوفی ۲۶۱ھ نے روایت کی ہے، اور اکثر اہل سودان ابو عمرو ہی کی قرأت کی تقلید کرتے ہین،

(۴) دمشق مین عبد اللہ بن عامر، انھون نے حضرت عثمانؓ کے تلامذہ اور حضرت ابو الدرداؓ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۱۸ھ مین وفات پائی، جن لوگون نے ان کی قرأت کی روایت کی، اُن مین مشہور تر ابو الولید ہشام بن عمار الدمشقی المتوفی ۲۴۵ھ اور ابو عمرو عبد اللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان المتوفی ۲۴۲ھ ہین، اور یہ دونون ابن عامر سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہین،

(۵) کوفہ مین،

(۱) ابو بکر عاصم بن ابی النجود، انھون نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے شاگردون سے تعلیم حاصل کی اور ۱۲۷ھ مین کوفہ مین وفات پائی، جن لوگون نے ان سے روایت کی، ان مین مشہور تر شعبہ بن عیاش الکوفی المتوفی ۱۹۳ھ اور حفص بن سلیمان المتوفی ۱۸۰ھ ہین اور مصری اور اکثر ممالک اسلامیہ کے لوگ انھی کی روایت کے موافق قرأت کرتے ہین،

(۲) حمزہ بن حبیب الزیات حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کے طریقہ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۵۴ھ مین وفات پائی، جن لوگون نے ان کی قرأت کی روایت کی اُن مین مشہور تر خلف بن ہشام البزار المتوفی ۲۲۹ھ اور عیسیٰ بن خالد الملقب بخلاد المتوفی ۲۲۰ھ ہین، اور اُنھون نے حمزہ کے تلامذہ سے تعلیم پائی ہی،

(۳) ابو الحسن علی بن حمزۃ الکسائی بنو اسد کے غلام اور فارسی نژاد ہین، حمزہ بن حبیب سے تعلیم حاصل کی، اور ۱۸۹ھ مین وفات پائی، ان سے جن لوگون نے روایت کی اُن مین مشہور تر ابو الحارث اللیث بن خالد المتوفی ۲۴۰ھ اور دوری ہین جو ابی عمرو بن العلار کے راوی تھے،

یہی لوگ قرار سبعہ کے نام سے مشہور ہین اور اتقان وضبط مین دوسرون سے فائق ہین، ان کے بعد تین شخص اور مشہور ہین جن کے نام یہ ہین،

(۱) ابو جعفر یزید بن القعقاع المدنی المتوفی ۱۳۰ھ اور ان کے راوی عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن جماز ہین،

(۲) یعقوب بن اسحاق الحضرمی المتوفی ۲۰۵ھ اور اُن کے راوی رویس اور روح ہین،

(۳) خلف بن ہشام البزار راوی حمزہ بن حبیب اور اُن کے راوی اسحاق الوراق اور ادریس الحداد ہین،

ان سب کا مشترک نام قرار عشرہ ہے، اور اُن کے بعد چار قاری اور مشہور ہین جن کے نام یہ ہین،

(۱) محمد بن عبد الرحمان المکی المعروف بابن محیصن، ان کے راوی ابن کثیر کے راوی

نہری اور ابو الحسن بن شنبوذ ہین،

(۲) یحییٰ بن مبارک الیتریدی راوی ابو عمرو بن العلا اور ان کے راوی سلیمان بن الحکم اور احمد بن فرح ہین،

(۳) حسن بن ابی الحسن البصری فقیہ اور اُن کے راوی شجاع بن ابی نصر البلخی اور ابی عمرو بن العلا کے راوی دوری اور کسائی ہین،

(۴) اعمش سلیمان بن مہران اور ان کے راوی حسن بن سعید المطوعی اور ابو الفرج الشنبوذی الشطوی ہین لیکن ان چارون قاریون کی قرائتین متواتر نہین تسلیم کی گئین اس لیے ان کو شاذ مانا گیا ہے،

حضرت عثمان رضؓ کے زمانے مین جو مصاحف لکھے گئے اُن سے چند ہی باتون مین یہ قرأتین مختلف ہین اور یہ دور ابھی ختم بھی نہین ہونے پایا تھا کہ مذہبی علوم مین قرأت ایک مستقل علم بن گیا، اور علماے قرأت اس مین ایسی کتابین تالیف کرنے لگے جنکو اس کے طرز ادا اور روایت سے تعلق تھا،

(۴) تدوین حدیث

علم حدیث کیلیے یہ دور ایک بہترین دور تھا کیونکہ اس مین رواۃ حدیث نے اس کی تصنیف و تدوین کی ضرورت کو محسوس کیا، اور اسکی تصنیف کے یہ معنے تھے کہ ایک ہی قسم کی حدیثون مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کی حدیثون کو باہم ایک ہی سلسلے مین جوڑ دیا جائے، یہ خیال تمام اسلامی شہرون مین قریب قریب ایک ہی زمانے مین پیدا ہوا، یہان تک کہ یہ نہین معلوم ہوتا کہ اسکے تقدم کا شرف کسکو حاصل ہے، لیکن اس دور کے طبقۂ اولی کے مدونین مین، مدینہ مین امام مالک بن انس، مکہ مین عبد الملک بن

عبدالعزیز بن جریج، کوفہ مین سفیان ثوری، بصرہ مین حماد بن سلمہ اور سعید بن ابی عروبہ، واسط مین ہشیم بن بشیر، شام مین عبدالرحمن اوزاعی، یمن مین معمر بن راشد، خراسان مین عبداللہ بن مبارک اور رے مین جریر بن عبدالحمید تھے، اور یہ کچھ اوپر سنہ ۱۴۰ھ کا زمانہ تھا اور ان کتابون مین حدیث جیسا کہ ہم کو موطاے امام مالک مین نظر آتا ہے صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ساتھ مخلوط تھی، لیکن ان لوگون کے بعد دوسری صدی کے آغاز مین دوسرے طبقہ کے لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو اور لوگون کے اقوال سے الگ کرنا مناسب سمجھا اور وہ کتابین تالیف کین جو مسانید کے نام سے مشہور ہین، مثلاً مسند عبداللہ بن موسی کوفی، مسند مسدد بن مسرہد البصری، مسند اسد بن موسی المصری، مسند نعیم بن حماد الخزاعی، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند عثمان بن ابی شیبہ اور مسند امام احمد بن حنبل، ان لوگون نے احادیث کو اُن کے راویون کے مسانید مین درج کیا، مثلاً مسند ابوبکر صدیق کا ذکر کرتے ہین تو اُس مین ان تمام روایتون کو درج کرتے ہین جو اُن سے مروی ہین، اُس کے بعد اسی طرح ایک ایک صحابی کا ذکر کرتے ہین، اور ان تمام مسانید مین ہم تک صرف مسند امام احمد بن حنبل پہونچ سکا ہے

اس طبقہ کے بعد دوسرا طبقہ پیدا ہوا اور اُس نے اپنے سامنے اس عظیم الشان ذخیرے کو دیکھا تو اس نے اپنے لیے انتخاب کا دروازہ کھولا اور اس طبقہ کے سرخیل امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری الجعفی المتوفی سنہ ۲۵۶ھ اور امام مسلم بن الحجاج النیشاپوری المتوفی سنہ ۲۶۱ھ ہین جنھون نے روایت و انتخاب مین نہایت چھان بین کرنے کے بعد اپنی صحیحین کو تصنیف کیا ہے، اس لیے اس معاملہ مین وہ انتہائی درجہ کو پہونچ گئے ہین، ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی سنہ ۲۷۵ھ، ابوعیسی

محمد بن عیسیٰ السلمی الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی المعروف بابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ اور ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے بھی انہی کی تقلید کی ہے، اور اہلحدیث کی زبان مین ان کی کتابین کتب ستہ کے نام سے مشہور ہین، اور چونکہ ان کے بالخصوص بخاری اور مسلم کے رواۃ نہایت مستند ہین، اس لیے ان کتابون نے مسلمانون مین عظیم الشان اعتبار کا درجہ حاصل کرلیا ہے لیکن صرف انہی لوگون نے حدیث مین کتابین تصنیف نہین کین بلکہ ان کے پہلو مین بہت سے لوگ اور بھی ہین لیکن جو شہرت ان لوگون کو حاصل ہوئی وہ اور لوگون کو حاصل نہ ہوسکی،

اس دور کے لوگون مین کچھ لوگ اور تھے جن کا مطمح نظر یہ تھا کہ تابعین اور تابعین کے بعد جو رواۃ حدیث ہین اُن کے حالات سے بحث کرین اور ان لوگون مین ہر شخص کے ضبط، اتقان، عدالت یا اُن کے خلاف اوصاف کو بیان کردین، یہ لوگ رجال جرح و تعدیل کے نام سے مشہور ہین اور یہ لوگ جس شخص کی تعدیل کردیتے ہین اس کی روایت قبول کرلی جاتی ہے، اور جس شخص پر جرح کرتے ہین، اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اور کبھی کبھی اس معاملے مین اُن کے درمیان اختلاف بھی ہوجاتا ہے، بہت سے رواۃ ہم کو ایسے ملتے ہین جنکی تعدیل، ضبط اور اتقان پر اتفاق عام ہے، اور یہ روایت کا سب سے بلند درجہ ہے، اور بہت سے رواۃ ایسے ہین جنکے چھوڑ دینے پر اتفاق عام ہوگیا ہے، اور روایت کا یہ سب سے پست درجہ ہے، اور ان دونون کے درمیان بہت سے مدارج ہین جن مین بعض بعض سے کم درجے کے ہین اور بعض اسناد سورج کی طرح روشن ہین جن کے رواۃ کی

صداقت پر سننے والا تقریباً کامل یقین نہین رکھتا ہی، اور بعض اسناد اس سے کم درجہ کی ہین، الغرض اس دور مین علم حدیث ایک مستقل فن بن گیا اور بہت سے لوگ جن کو اگرچہ فقہ اور استنباط مین اقتدار تام حاصل نہ تھا، تاہم وہ صرف اسی حدیث ہی کے ہو کر رہ گئے۔

(۵) مادۂ فقہ مین نزاع

اس دور کے فقہا ء کے درمیان اُن اصول کے متعلق سخت نزاع پیدا ہوگئی جن سے احکام مستنبط کیے جاتے ہین اور اس نزاع کی جو سرگذشت ہم تک پہونچی ہے ہم اسکو استقصاء کے ساتھ بیان کرتے ہین۔

(۱) حدیث کے متعلق نزاع

گذشتہ دورون مین حدیث فقہ کا ایک بنیادی اصول خیال کی جاتی تھی اور مفتی لوگ فتوی دینے کیلیے جب قرآن مجید کی کوئی نص نہین پاتے تھے تو حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، لیکن طول زمانہ اور رواۃ حدیث کی کثرت اور جھوٹی حدیثون کی اشاعت نے اس مین بہت سے اختلافات پیدا کردیئے یہانتک کہ جو شخص استنباط احکام کرنا چاہتا تھا، وہ حدیث کے سمجھنے اور اُس سے حکم کے مستنبط کرنے سے پہلے اپنے سامنے صحیح حدیث کی تحقیق کی ایک سخت چٹان پاتا تھا، اور اس نے دو مرکزی اور اصولی نزاعین پیدا کردین۔

یعنی یہ کہ

(۱) حدیث فقہ اسلامی کی کوئی اصل اور قرآن مجید کی تکمیل کرنے والی ہے یا نہین ؟

(۲) اگر ہم اُسکو ایک اصل تسلیم کرلین تو اُس پر اعتماد کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

پہلے نقطۂ خیال سے ایک جماعت نے کلیتہً حدیث کا انکار کردیا اور صرف قرآن مجید کو کافی خیال کیا، چنانچہ امام شافعی نے اپنی کتاب ام کے ساتوین حصے مین ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے'

"اُس جماعت کے اقوال کے بیان کرنے کا باب جس نے تمام حدیثون کو رد کردیا"،

اور اُنھون نے اس جماعت کے قول اور اُن کے استدلال کو انھی مین سے ایک شخص کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے،

"تم عربی ہو اور قرآن اُن لوگون کی زبان مین نازل ہوا ہے جن مین تم خود ہو اور تم کو وہ خوب یاد ہے اور اُس مین خداوند تعالی نے اپنے چند فرائض نازل کیے ہین، اگر کوئی شخص جسپر قرآن مشتبہ ہوگیا ہو اُن کے ایک حرف مین بھی شک کرے تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ کروگے، اور اگر اس نے توبہ کرلی تو بہتر ہے ورنہ تم اسکو قتل کردوگے،

قرآن مجید کے بارے مین خود خداوند تعالی نے فرمایا ہے (تبیانا لکل شئی) یعنی وہ ہر چیز کی وضاحت ہے' ایسی حالت مین تمھارے یا اور کسی شخص کے نزدیک یہ کیونکر جائز ہے کہ خداوند تعالی نے جس چیز کو فرض کردیا اس کی نسبت کبھی یہ کہے کہ یہ فرض عام ہے' کبھی یہ کہ وہ خاص ہے، کبھی یہ کہ اس امر مین فرضیت ہے اور اس امر مین استحباب ہے، اور اس قسم کے فرق اور بھی بہت سے ہین،

تمھارے پاس ایک حدیث یا دو حدیث یا تین حدیثین ہوتی ہین جنکو تم ایک آدمی سے پھر دوسرے سے پھر تیسرے سے روایت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچاتے ہو، اور مین نے تم کو اور تمھارے ہم مذہب لوگون کو پایا ہے کہ تم نے جس سے

ملاقات کی اور حفظ و صداقت مین اُس کو مقدم سمجھا اور تمھارے ملنے والون مین سے خود جس سے ملا تم اُن مین سے کسی کو حدیث مین غلطی اور بھول چوک سے بری نہین کرتے بلکہ مین نے تم کو اُن مین متعدد اشخاص کی نسبت یہ کہتے ہوے پایا ہے کہ فلان نے اس حدیث مین اور فلان نے اس حدیث مین غلطی کی اور مین نے تم کو یہ کہتے ہوے پایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حدیث کی نسبت جس کے ذریعہ سے تم نے کسی چیز کو حلال و حرام بتایا ہے یہ کہے کہ "یہ علم خاصہ سے ہے رسول اللہ صلعم نے اس کو نہین فرمایا ہے صرف تم نے یا اس شخص نے غلطی کی ہے جس نے تم سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور تم نے جھوٹ کہا ہے یا اُس شخص نے جس نے تم سے اس حدیث کی روایت کی ہے" تو تم اُس سے توبہ کا مطالبہ نہین کرتے اور اس سے زیادہ اس کو نہین کہتے کہ "تم نے کسقدر بُرا کہا" تو کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کے احکام اور اس کے ظاہر مین ایسے شخص کے نزدیک تفریق کرے جس نے اسکو ایسے شخص سے سُنا ہے جسکی حالت وہ ہے جسکو تم نے بیان کیا ہے اور اُن کی احادیث کو تم کتاب اللہ کے قائم مقام قرار دیتے ہو اور اُن سے حلال و حرام کرنے مین مدد لیتے ہو"

لیکن جب تم نے ان کی احادیث کو قبول کر لیا اور اُن مین ایسے لوگ ہین جن کی احادیث کے قبول کرنے کی نسبت تمھارا معاملہ وہ ہے جسکو مین نے بیان کیا اور جس شخص نے اُن کو رد کر دیا اُن کی نسبت تمھاری کیا حجت ہے؟ مین اُن احادیث مین سے کسی کو قبول نہین کرتا جبکہ اس مین وہم کا امکان ہے اور مین صرف اسکو قبول کرتا ہون جسکے ذریعہ سے خدا پر گواہی دون جیسا کہ اس کی اس کتاب پر گواہی دیتا ہون جس کے ایک حرف مین بھی کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہین کیا یہ جائز ہے کہ ایک چیز کو حاوی قرار دیا جاے

اور وہ اُسکی سزاوار نہو"

اس قول کے بیان اور اُس کے استدلال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو، وہ صرف اُن احادیث کو رد کرتا ہے، جو مفید یقین نہیں، کیونکہ اُن کے راویوں میں غلطی اور بھول چوک کا امکان ہی، لیکن وہ حدیث کا من حیث الحدیث انکار نہیں کرتا ہے یہانتک کہ اگر وہ ایسے طریقے سے ثابت ہوجائیں جو مفید یقین ہوں جیسا کہ متواتر حدیثیں ہوتی ہیں تو وہ اُن کو قبول کرے گا لیکن اس مذہب کی تردید کے سلسلے میں اس نے ایک ایسی تصریح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حدیث کو من حیث الحدیث مردود قرار دیتی ہے اور ایک جماعت نے حدیث کا صرف اس صورت میں انکار کیا ہے جب وہ نص قرآن کا بیان نہو چنانچہ وہ کہتا ہے،

"کچھ لوگوں نے اس میں دو مذہب اور اختیار کیے ہیں، ایک فریق اُس صورت میں جب قرآن مجید میں بیان موجود ہو کسی حدیث کو قبول نہیں کرتا، تو میں نے کہا کہ اس کے لیے اس کا لازمی نتیجہ کیا ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ اس نے اسکو ایک بہت بڑے نتیجہ تک پہونچا دیا اور اُس نے یہ کہدیا کہ جس شخص نے ایسا عمل کیا جسپر نماز کا یا کم از کم زکوٰۃ کا لفظ بولا جا سکتا ہے، اس نے اپنا فرض ادا کردیا اُس کیلیے کوئی وقت نہیں ہے گو وہ ہر دن کو دو رکعت پڑھے یا پورے زمانے میں دو رکعتیں پڑھ لے اس کا یہ بھی قول ہو کہ جو چیز قرآن مجید میں نہو وہ کسی پر فرض نہیں ہو، اور اس فریق کے علاوہ دوسرا فریق جو یہ کہتا ہے کہ جو چیز قرآن مجید میں موجود ہو اسی کی نسبت حدیث قبول کیجائیگی، وہ بھی اس چیز کے متعلق جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہو قریب قریب فریق اول ہی کا ہم نوا ہے، اس لیے اسکو بھی فریق اول کے نتیجہ یا اسی کے قریب نتیجہ کا قائل ہونا پڑا،

بلکہ اُس پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ حدیث کے انکار کے بعد بھی اُس نے اسکو قبول کرلیا
ہے اور وہ ناسخ منسوخ اور خاص وعام کو نہیں تسلیم کرتا اور اس نے غلطی کی"

امام شافعی فرماتے ہین کہ ان دونون مذاہب کا طریقہ گمراہی واضح ہے لیکن امام شافعی نے ہمارے لیے اس راے کے قائل کی شخصیت کو نمایان نہین کیا اور تاریخ بھی ہمکو اس کا پتہ نہین دیتی تاہم امام شافعی نے اپنے اس مناظرے مین جو صاحب الراے کے ساتھ ہے، اور جو آگے آئے گا، یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص اس مذہب کا قائل ہے وہ بصرہ کی طرف منسوب ہے، اور بصرہ ہی ایک ایسا شہر ہے جو علم کلام کی تحریک کا مرکز تھا اور معتزلہ کے مذاہب نے وہین نشو ونما پائی اور کبار معتزلہ و مصنفین معتزلہ وہین پیدا ہوئے، یہ لوگ اہل حدیث کی مخاصمت مین مشہور تھے، اس لیے غالباً اس قول کا قائل انہی لوگون مین سے تھا، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ کی کتاب تاویل مختلف حدیث کی بعض تصریحات سے بھی میرے نزدیک اس خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب کی ابتدا مین اُنھون نے لکھا ہے کہ "خداوند تعالیٰ اپنی طاعت سے تم کو سعادت مند بنائے، اپنی حفاظت کے ساتھ تمکو محفوظ رکھے، اپنی رحمت سے تم کو حق کی توفیق دے اور تم کو اہل حق بنائے کہ ان معائب سے جو اہل کلام اہل حدیث پر لگاتے ہین اُن کی تحقیر اور اپنی کتابون مین طوالت بیانی کے ساتھ اُن کی ہجو کرتے ہین، اُن پر جھوٹ اور تناقض و تہوّن کے کرنے کا اتہام لگاتے ہین، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف پیدا ہوا، کثرت سے مذاہب نکلے، فرقہ بندیان ہوئین، مسلمانون مین باہم دشمنی ہوگئی، ایک نے دوسرے کو کافر بنایا اور ہر فریق نے اپنے مذہب کی ایک قسم کی حدیث سے تائید کی تمنے

واقف ہو کر بذریعہ تحریر کے مجھ کو اطلاع دی" اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیثون سے استدلال کرتے ہین اُن کو بیان کیا ہے، پھر اہلسنت کے خلاف نہایت سخت اعتراضات ایسے الفاظ مین نقل کیے ہین جو نظام اور جاحظ جیسے بلغا متکلمین کی عبارت سے مشابہت رکھتے ہین، اس کے بعد دوسرے باب مین متکلمین پر خود اعتراض کیا ہے اور اُن پر یہ عیب لگایا ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ قیاس اور آلات نظر کی فراہمی کا دعوی رکھتے ہین لیکن وہ باہم خود تمام لوگون سے زیادہ اختلاف رکھتے ہین، چنانچہ ابو الہذیل علاف نظام کی مخالفت کرتا ہے، نجار ان دونون کا مخالف ہے، ہشام بن الحکم ان سب سے اختلاف رکھتا ہے اور ثمامہ بن اشرس کا بھی یہی حال ہے الخ ان مین کوئی ایسا نہین ہے جو دین کے متعلق ایک مذہب نہ رکھتا ہو جسکو اس نے اپنی رائے سے قائم کیا ہے اور چند لوگ اس کی تقلید کرتے ہین، اس کے بعد نظام کا ذکر نہایت بُرے الفاظ مین کیا ہے اور خود اس کے اصحاب نے اسپر جو عیوب لگائے ہین اُن کو گنایا ہے، اور اُس کے وہ فقہی مسائل بیان کیے ہین جنمین اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے، مثلاً اس کے نزدیک نیت کرنے کے بعد کنایہ کے الفاظ سے طلاق واقع نہین ہوتی اور نیند سے کسی حالت مین وضو نہین ٹوٹتا اور فقہا صحابہ مین کبار مفتیین پر نظام نے جو عیب لگایا ہے اس کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد ابو الہذیل اور عبید اللہ بن الحسن قاضی بصرہ کا جس کا یہ قول ہے کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے یہان تک کہ اصول مین بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے اسی بُرائی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد اصحاب الرائے اور اُن کے معائب کا ذکر کیا ہے اور امام ابو حنیفہ رح سے ابتدا کی ہے اور ان کے چند مسائل بیان کیے ہین جن مین انھون نے نصوص کی مخالفت کی ہے، پھر

جاحظ کے متعلق گفتگو کی ہے، اور اس نے اہلسنت کی جو تنقیص کی ہے اور ان کی روایتوں کی جو ہنسی اُڑائی ہے، ان کا ذکر کیا ہے، پھر اصحاب حدیث کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے بہترین اوصاف جن کے ساتھ مسلمان متصف کیے جا سکتے ہیں، بیان کیے ہیں، اس کے بعد کہتا ہے کہ "معترضین اُن پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف اور غریب روایتیں کرتے ہیں، حالانکہ مرض اجنبی ہی میں ہوتا ہے لیکن اُن لوگوں نے ضعیف اور غریب کی روایت اس لیے نہیں کی کہ وہ لوگ اُن کو حق سمجھتے تھے، بلکہ ان لوگوں نے نیک و بد اور صحیح و سقیم سب کو اس لیے جمع کر دیا تاکہ اُن کے درمیان تمیز کریں اور اُن کا پتہ لگائیں، اور انھوں نے ایسا کر بھی لیا" اس کے بعد اُس مقصد کا ذکر کیا ہے جس کے لیے یہ کتاب تصنیف کی ہے، یعنی اُن احادیث کا جواب دینا جنکو متکلمین باہم خود متناقض خیال کرتے ہیں، یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے مناقض ہیں،

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں امام شافعی نے اپنا رسالہ لکھا ہے یا اُس سے کسی قدر پہلے متکلمین نے اہلسنت پر عام غارتگری کر دی تھی جن میں اکثر بصرہ میں رہتے تھے، اس لیے یہ یقینی ہے کہ جس نے امام شافعی سے مناظرہ کیا تھا وہ انہی لوگوں میں سے تھا، لیکن اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر یہ رائے نمایاں نہیں ہونے پائی اور قرآن مجید کے بعد بحیثیت ایک فقہی اصل کے حدیث پر اعتماد کرنے کا مذہب غالب رہا، لیکن اس مذہب کے لوگوں کے درمیان یہ بھی اختلاف پیدا ہو گیا کہ حدیث کس طریقہ سے قابل اعتماد قرار دیجا سکتی ہے؟ بعض لوگوں نے خاص خاص اشخاص کی حدیث کو مردود قرار دیا، اور فقہا کی زبان میں اسی کو خبر واحد کہتے ہیں اور اسی سے یقین نہیں حاصل ہوتا،

جو لوگ اس رائے کی حمایت کرتے ہین ان کی زبان سے امام شافعی فرماتے ہین:

"کسی حاکم اور کسی مفتی کیلیے یہ جائز نہین کہ احاطہ کی حیثیت کے سوا وہ فتوے دے اور فیصلہ کرے اور احاطہ کے معنی یہ ہین کہ ہر علم وہ ظاہر و باطن مین حق ہو اس کے ذریعہ سے خدا پر گواہی دیجا سکتی ہو اور یہ صرف قرآن ہے متفق علیہ حدیث ہے اور وہ چیز جسپر تمام لوگون نے اتفاق کیا ہو اور باہم مختلف نہین ہوے ہین تو حکم ایک ہو اور ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی صرف وہی باتین مانین جن کو ہم نے بیان کیا ہے، مثلاً یہ کہ ظہر کی چار رکعتین ہین کیونکہ اس مین کوئی نزاع نہین ہو کوئی مسلمان اس کی مخالفت نہین کرتا اور کوئی شخص اس مین شک نہین کرسکتا"

اس کے بعد انھون نے واجب الاتباع علم کو چند اقسام مین منقسم کر کے اپنی غرض کو واضح کیا ہو،

(۱) عام طور پر لوگون نے عام طور پر لوگون سے اسکو نقل کیا ہو اس کے ذریعہ سے خدا اور اس کے رسول پر گواہی دیجا سکے مثلاً تمام فرائض،

(۲) کتاب جو تاویل کا احتمال رکھتی ہو اس لیے اس مین اختلاف کیا جاسکے لیکن جب اس مین اختلاف کیا جائیگا تو وہ اپنے ظاہر اور عام معنی پر قائم رہے گی اور اس معنی کو کسی باطنی معنی کی طرف گو اس مین اس کا احتمال ہو بجز لوگون کے اجماع کے نہ پھیرا جائیگا لیکن جب لوگون مین اختلاف ہو جائے گا تو وہ اپنے ظاہر معنی پر باقی رہے گی،

(۳) وہ جسپر مسلمانون نے اتفاق عام کرلیا ہو اور اپنے سے پہلے لوگون کے اتفاق کو بھی بیان کیا ہو اگرچہ یہ لوگ ایسا قرآن و حدیث سے نہین کہتے تاہم

سلہ یعنی خبر احاد مثلاً مشہور یا متواتر،

یہ میرے نزدیک متفق علیہ حدیث کا قائم مقام ہے کیونکہ یہ اتفاقِ راے سے نہین ہوسکتا، اس لیئے اگر راے ہوتی تو اس مین اختلاف کیا جاتا،

(۴) خبرِ احاد اور اس سے اسی وقت حجت پکڑی جاسکتی ہے جب اس کی روایت ایسے طریقہ سے ہو جو غلطی سے محفوظ ہو،

توحدیث کے متعلق اس راے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے صرف اس حالت مین دلیل لاسکتے ہین جب وہ متواتر ہو، اور اسکو عام طور پر لوگ عام طور پر لوگون سے روایت کرین تاکہ وہ غلطی سے محفوظ ہو، لیکن پہلی راے کی طرح جمہور اسلامی نے اُسکو بھی مردود قرار دیا ہے، بعض لوگون کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت صرف اُس صورت مین قبول کی جاسکتی ہے جبکہ اُسکو عام طور پر لوگ عام طور پر لوگون سے روایت کرین اور فقہاے امصار متفقًا اس پر عامل ہون اور اُس نے پہلی وجہ پر ایک تیسری وجہ کا ایک اضافہ اور یہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا کوئی صحابی آپ کے کسی فیصلہ کی روایت کرے اور کوئی دوسرا صحابی اسکی مخالفت نہ کرے تو ہم اُس سے دو باتون پر استدلال کرینگے، ایک تو یہ کہ اُس نے صحابہ کی جماعت مین اُس حدیث کی روایت کی، دوسری یہ کہ اسکی مخالف کسی دوسری حدیث سے انھون نے اسکی تردید اس لیے نہین کی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ حدیث ویسی ہی ہے جیسے کہ وہ روایت کرتا ہے، اس لیے وہ عام صحابہ کی حدیث قرار پاے گی،

فقہاے عراق یعنی امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب کا رجحان اسی طریقہ کیطرف ہے اور امام ابویوسف نے سیر الاوزاعی کی تنقید مین جو کتاب لکھی ہے اور امام شافعی نے کتاب الام مین جسکی روایت کی ہے، اس کے باب "سوار اور پیادہ کے حصہ

مال غنیمت ہیں" اسی معنی کی توضیح کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ تم صرف اُس حدیث کو لو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہوا ور شاذ حدیث کو چھوڑ دو کیونکہ ہم سے ابن ابی کریمہ نے، انھوں نے ابو جعفر سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے یہود کو بلایا اور اُنھوں نے آپ سے حدیث بیان کی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ باندھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھ گئے، اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کہ عنقریب مجھ سے حدیث پھیلے گی تو میری جو حدیث قرآن کے مطابق تم کو ملے وہ تو میری حدیث ہے لیکن جو قرآن کے مخالف ہو وہ میری حدیث نہیں، مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ نے عمرو بن مرہ سے، انھوں نے بختری سے اور انھوں نے علی بن ابی طالب رضؓ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ جب تمھارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئے تو یہ خیال کرو کہ وہ بہت زیادہ ہدایت کرنے والی بہت زیادہ صاف اور بہت زیادہ زندہ کرنے والی ہے، اشعث بن سوار اور اسماعیل بن ابی خالد نے شعبی سے اور انھوں نے قرظہ بن کعب انصاری رضؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم انصار کے ایک گروہ میں کوفہ کی طرف چلا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پا پیادہ ہماری مشایعت کی، یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر جس کا انھوں نے نام بتایا پہونچے تو انھوں نے فرمایا کہ اے گروہِ انصار! تم کو معلوم ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیوں پا پیادہ آیا؟ ان لوگوں نے کہا "ہاں ہمارے حق کی وجہ سے"، بولے تمھارا حق یہی ہے لیکن تم ایسی قوم کے پاس جاتے ہو جن کے یہاں شہد کی طرح قرآن کی گنگناہٹ ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کرو،

اور مین تمھارا شریک ہون" قرظہ نے کہا کہ مین کبھی رسول اللہ صلعم سے روایت نہ کرونگا"

ہم کو روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ دو گواہون کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کو قبول نہین کرتے تھے اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو مین تمھارے لیے بسند حدیث بیان کرتا حضرت علی بن ابی طالبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی کو قبول نہین کرتے تھے[1]، روایتین بہت زیادہ بڑھتی جاتی ہین اور ایسی روایتین نکلتی آتی ہین جو نامعلوم ہین، اہل فقہ اُن کو نہین جانتے اور وہ کتاب وسنت کے موافق نہین ہین تو تم شاذ حدیث سے احتراز کرو اور وہ حدیث لو جسپر جماعت کا اتفاق عام ہے اور اس کو فقہا جانتے ہین، تو اور چیزون کو اسی پر قیاس کرو اور جو چیز قرآن کے مخالف ہو گو اس کی روایت کی جائے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہین ہے، ہم سے معتبر لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت مین فرمایا کہ مین صرف اس چیز کو حرام کرتا ہون جسکو قرآن نے حرام کیا ہے، خدا کی قسم وہ لوگ کسی چیز سے مجھ پر تمسک نہ پکڑین، تو مین قرآن اور مشہور حدیث کو تمھارا امام اور رہنما بناتا ہون اس کا اتباع کرو اور قرآن و حدیث مین جس چیز کی توضیح نہ کی گئی ہو وہ اگر پیش آئے تو اسی پر قیاس کرو الخ لیکن امام شافعی نے اس رائے پر نکتہ چینی کی ہے اور اس کو رد کیا ہے،، اور جمہور اہل حدیث بھی اُس کے مخالف ہین،

اس مسئلہ مین ایک تیسری رائے بھی ہے جسکو امام مالک اور اُن کے اصحاب نے اختیار کیا ہے، یہ لوگ کہتے ہین کہ حدیث دو طریقون سے ثابت ہوتی ہی ایک تو یہ کہ

[1] مشہور یہ ہے کہ وہ راویون سے قسم لیتے تھے اور ہم اوپر اسکو لکھ آئے ہین

ائمہ اصحاب رسول اللہ صلعم کے اقوال اُس کے موافق ہون (امام مالک اسی کی نسبت کہتے ہین کہ ہمارے نزدیک اسی پر عمل ہے) دوسرے یہ کہ ہم لوگون کو اس مین مختلف نہ پائین (امام مالک اسی کی نسبت کہتے ہین کہ ہمارے نزدیک اس پر اتفاق عام ہے) لیکن اگر ہم اس حدیث کی نسبت ائمہ صحابہ کا کوئی قول نہ پائین، اور اس مین لوگون کا اختلاف پایا جائے تو اس کو رد کر دین گے، غرض اُن کے نزدیک تحقیق حدیث کا اصول یہ ہے کہ اہل مدینہ اُس پر عمل کرین اور اُن کو اُس پر اتفاق ہو، امام مالک نے اہل مدینہ کے عمل اور فقہاے مدینہ کے اتفاق کو اس قدر اہمیت دی ہی جس نے اُن کے اعتبار کے ساتھ اعتماد حدیث کے وسائل مین ایک اور وسیلے کا اضافہ کر دیا ہی اور امام شافعی نے اس مذہب کی اصل اور اسکی تطبیق دونون پر نہایت تفصیل کے ساتھ تنقید کی ہے مین اس موقع پر اپنے دور بلکہ تمام ملکون کے فقہا کے سردار لیث بن سعد فقیہ مصر کا ایک خط درج کرنا چاہتا ہون جسکو اُنھون نے اپنے بھائی مالک بن انس کے نام لکھا ہے اور اہل مدینہ کے عمل پر اعتماد کرنے کی حیثیت سے اُن پر جو اعتراضات کیے جاتے ہین اُنکی تفصیل کی ہے، یہ خط، ایک خط کا جواب ہے جسکو امام مالک نے اُن کے نام لکھا ہے لیکن ہم اس خط سے واقف نہ ہو سکے، البتہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزی کی کتاب اعلام الموقعین مین ہم کو اس کا جواب ملا ہے، جسکو اُنھون نے ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفسوی کی کتاب التاریخ والمعرفت سے نقل کیا ہے،

امام لیث رحمہ اللہ فرماتے ہین،

"سلام علیک، مین تمھاری طرف اس خدا کی حمد کرتا ہون جس کے سوا کوئی اور خدا نہین ہے اس کے بعد خدا ہم کو اور تم کو معاف کرے اور دنیا و آخرت مین ہماری عافیت کو بہتر بنائے،

مجھے تمھارا وہ خط ملا جس مین تم نے اپنی حالت کی بہتری کا جو مجھے مسرور کرتی ہے ذکر کیا ہے، خداوند تعالی اس کو تمھارے لیے ہمیشہ قائم رکھے اور اپنی شکر پر مدد کرنے کے ساتھ اسکو پورا کرے اور اپنے احسان کو اور بڑھائے اور مین نے جو خطوط تم کو بھیجے ہین اُن پر نظر کرنے اور انکی قائم رکھنے اور اُن پر اپنی مہر لگانے کا تم نے تذکرہ کیا ہے، یہ خطوط ہم کو ملے اور خداوند تعالی تم کو اسکی جزاے خیر دے کیونکہ تمھارے یہ خطوط ہم کو ملے تو مین نے یہ پسند کیا کہ جس نظر سے تم ان کو دیکھتے ہو مین بھی اس کی حقیقت کو پہونچون تم نے یہ بیان کیا ہے کہ مین نے اس خط مین جو کچھ لکھا ہے یعنی اس چیز کی اصلاح سے جو میرے پاس تمھارے پاس سے آئی تا ابتداے نصیحت اس نے تم کو خوش کیا اور مجھے توقع ہے کہ میرے پاس اسکی جگہ ہو، لیکن گذشتہ زمانے مین اس سے تم کو صرف اس بات نے روکا کہ تمھاری راے ہماری نسبت اچھی تھی لیکن مین نے اس طرح تم سے گفتگو نہین کی،

تم کو معلوم ہوا ہے کہ مین ایسے فتاوی دیتا ہون جو تمھارے یہان کی عام جماعت کے مخالف ہین، اور مجھ کو اپنی ذات کی نسبت خوف کرنا لازمی ہے کیونکہ تم نے جس چیز کا فتوی دیا ہے اس پر مجھ سے پہلے کے لوگ اعتماد کرتے ہین، اور تمام لوگ اہل مدینہ کے جس کی طرف ہجرت کی گئی اور وہان قرآن نازل ہوا، متبع ہین تم نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا وہ انشاء اللہ تعالی صحیح ہے، اور مجھ پر اس نے وہی اثر کیا جسکو تم چاہتے ہو، مین کسی اہل علم کو اپنے سے زیادہ شواذ فتاوے کا مکروہ سمجھنے والا، گذشتہ علماے اہل مدینہ کو سب سے زیادہ فضیلت دینے والا اور اُن کے متفق علیہ فتاوے کا قبول کرنے والا نہین پاتا، والحمد للہ رب العالمین الذی لاشریک لہ

تم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مین قیام فرمایا، اور آپ پر وہان صحابہ کے سامنے قرآن نازل ہوا، اور خداوند تعالی نے ان کو قرآن کی تعلیم دی، اور لوگ

اس مین ان کے متبع ہو گئے تو وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے لیکن تم نے جو
خداوند تعالی کے اس قول کا ذکر کیا ہے،

والسابقون الاولون من المہاجرین
والانصار والذین اتبعوھم
باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا
عنہ واعد لھم جنات تجری
تحتھا الانھار خالدین فیھا
ابدا ذلک الفوز العظیم،

اور مہاجرین وانصارین سے سابقین اولین
اور ان لوگون سے جنھون نے نیکی کے ساتھ
ان کا اتباع کیا خداوند تعالی راضی ہوا اور
وہ لوگ ان سے راضی ہوئے اور خداوند تعالے
نے ان کیلیے ایسے باغات تیار کیے ہین جنکے
نیچے سے نہرین جاری ہین وہ لوگ ہمیشہ انہین
رہین گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے،

تو ان سابقین اولین مین سے بہت سے لوگ خداوند تعالی کی مرضی کی جستجو مین خدا کی راہ مین جہاد کرنے کیلیے نکلے جہاد نہان قائم کین اور لوگ اُن کے پاس جمع ہوے تو اُنکے سامنے اُنھون نے خدا کی کتاب اور اُس کے پیغمبر کی سنت کو ظاہر کیا، اور جو کچھ وہ جانتے تھے اس مین سے کسی چیز کو نہین چھپایا، اور اُن کی ہر چھاونی مین ایک گروہ تھا جو خدا کی کتاب اور اُسکے پیغمبر کی سنت کی تعلیم دیتا تھا اور جن مسائل کی نسبت قرآن وسنت نے کوئی تفسیر نہین کی تھی اپنی رائے سے اجتہاد کرتا تھا، ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ نے جنکو مسلمانون نے انتخاب کیا تھا اسکی ابتدا کی تھی اور تینون مسلمانون کی چھاونیون کے نہ تو برباد کرنیوالے تھے نہ اُن سے غافل تھے بلکہ اقامت دین اور خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت سے اختلاف کرنے کے خوف کے متعلق اُن کو ذرا ذرا سی بات پر کھٹکتے رہتے تھے، اسلیے انھون نے ہر اُس بات کی جسکی قرآن نے تفسیر کی ہے یا رسول اللہ صلعم نے اسپر عمل کیا ہے

یا آپ کے بعد اُنھون نے اُسپر اتفاق کیا ہے، ان کو تعلیم دی تو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جسپر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر، شام اور عراق مین ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے عہد مین عمل کیا ہو اور اُن کی وفات تک اسپر قائم رہے ہون اور ان لوگون نے اس کے خلاف ان کو کوئی حکم نہ دیا ہو، تو ہمارے نزدیک مسلمانونکی جماعتون کیلیے یہ جائز نہین ہے کہ کوئی ایسا نیا معاملہ پیدا کرین جن پر اُن کے اسلاف یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے تابعین نے عمل نہ کیا ہو، باوجودیکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو فتاوے مین بہت سی چیزون کے متعلق اختلاف کیا اور اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم اُس سے واقف ہو تو مین اُن کو تمھارے پاس لکھ بھیجتا، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین مین سعید بن المسیب اور اُن کے ہم مثل لوگون نے بہت سی چیزون کے متعلق سخت اختلاف کیا، پھر جو لوگ اُن کے بعد پیدا ہوئے انھون نے بھی اختلاف کیا تو مین مدینہ وغیرہ مین اُن کی خدمت مین حاضر ہوا، اور اسوقت اُنکے سرخیل ابن شہاب اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمان تھے اور بعض گذشتہ مسائل کے متعلق ربیعہ کو جو اختلاف تھا اس کو تم جانتے ہو اور مین حاضر ہوا اور ان کے بارے مین تمھارا اور مدینہ کے اہل الرائے یعنی یحییٰ بن سعید، عبید اللہ بن عمرؓ اور کثیر بن فرقد اور اُن کے علاوہ اور بہت سے لوگون کا جو اُن سے زیادہ سن رسیدہ تھے قول سنا، یہانتک کہ تم کو اُس کی ناپسندیدگی نے ان کی مجلس کے چھوڑنے پر مجبور کر دیا، مین نے تم سے اور عبدالعزیز بن عبداللہ سے بعض اُن نکتہ چینیون کی نسبت جو تم نے ربیعہ پر کی تھین گفتگو بھی کی، تو مجھ کو جو کچھ اعتراض تھا تم دونون بھی اس سے متفق تھے اور مین اُن کی جس چیز کو ناپسند کرتا تھا تم دونون بھی اسکو ناپسند کرتے تھے، لیکن الحمد للہ کہ باینہمہ ربیعہ کے پاس بہت سی بھلائی

راسخ عقل، فصیح زبان، کھلی ہوئی فضیلت، اسلام مین اچھا راستہ اور اپنے بھائیون سے عموماً اور ہم سے خصوصاً سچی دوستی موجود ہے، خداوند تعالی اُن پر رحم کرے اور اُن کو بخشے اور اُن کے عمل سے بہتر اُن کو جزا دے،

اور جب ہم ابن شہاب سے ملتے تھے تو وہ بہت سے اختلافات ظاہر کرتے تھے، اور جب ہم مین سے کوئی اُن سے خط وکتابت کرتا تھا تو وہ باوجود اپنے علم اور اپنی رائے کی فضیلت کے اسکو ایک ہی چیز کے متعلق تین طرح سے لکھتے تھے، جن مین بعض باتین بعض کی مناقض ہوتی تھین اور ان کو اُسکے متعلق اپنی گذشتہ رائے کا احساس نہین ہوتا تھا تو جس چیز کے چھوڑنے پر تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو اُسی نے مجھ کو اُس کے چھوڑنے پر آمادہ کیا، تم نے مجھ پر یہ اعتراض بھی کیا ہو کہ مین نے اُن کے اس مسئلہ پر کہ "بارش کی رات مین مسلمانونکی چھاؤنیون مین سے کوئی دو نمازون کو جمع کرے" نکتہ چینی کی ہو، حالانکہ شام کی بارش مدینہ کی بارش سے اس قدر زیادہ ہو کہ خدا ہی اس کا حال جانتا ہو، لیکن ان مین کسی امام نے بارش کی رات مین دو نمازون کو جمع نہین کیا، حالانکہ ان مین ابو عبیدہ بن الجراح رض، خالد بن الولید رض، یزید بن ابی سفیان رض، عمرو بن العاص رض اور معاذ بن جبل رض موجود تھے اور ہم کو معلوم ہوا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم مین حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل رض ہین اور معاذ قیامت کے دن علماء کے پیش پیش ایک قدم آگے آئین گے، اور شرحبیل بن حسنہ رض ابو الدرداء رض اور بلال بن رباح رض تھے۔ اور ابوذر رض زبیر بن عوام رض اور سعد بن ابی وقاص رض مصر مین تھے اور حمص مین ستر اہل بدر اور مسلمانون کی کل چھاؤنیون مین تھے، اور عراق مین ابن مسعود رض، حذیفہ بن الیمان رض اور عمران بن حصین رض تھے، اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ برسون وہان رہے تھے

اور ان کے ساتھ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے لیکن ان لوگون نے
کبھی مغرب اور عشار کی نماز کو جمع نہین کیا اور ان مسائل مین سے ایک مسئلہ ایک گواہ
اور صاحب حق کی قسم سے فیصلہ کرتا ہے، اور تم کو معلوم ہو کہ مدینہ مین ہمیشہ اس طرح فیصلہ
ہوتا رہا لیکن شام حمص مصر اور عراق مین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس طرح
فیصلہ کیا اور نہ اُن کو خلفائے راشدین یعنی ابوبکرؓ عثمانؓ اور علیؓ نے اس کے متعلق لکھا،
اسکے بعد عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوے اور سنت کے زندہ اور دین کی اقامت مین جہد و
کرنے اور راے اور علم کی اصابت مین جیسا کہ تم کو معلوم ہی سلف کے طریقہ پر کاربند ہوئے
لیکن اُن کو زریق بن الحکم نے لکھا کہ آپ مدینہ مین ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم
لیکر فیصلہ کرتے تھے، تو انھون نے ان کو لکھا کہ ہم مدینہ مین اس طرح فیصلہ کرتے تھے لیکن
ہم نے اہل شام کو اس کے مخالف پایا تو تم بجز دو عادل مردون یا ایک مرد اور دو
عورتون کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہ کرو، انھون نے بارش کی رات مین مغرب اور
عشار کی نماز کبھی جمع نہین کی، حالانکہ خناصرہ مین وہ جس مکان مین مقیم تھے خود
ان کے اوپر پانی ٹپکتا تھا،

ان مین ایک مسئلہ یہ ہی کہ اہل مدینہ عورتون کے مہر کے متعلق یہ فیصلہ کرتے ہین کہ جب
وہ اپنا مہر موجل طلب کرے اسکو دینا چاہئے لیکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
ان کے بعد کے لوگون نے کسی عورت کو اس کے مہر موجل کے دلوانے کا فیصلہ اس وقت
تک نہین کیا جب تک کہ موت یا طلاق میان بی بی کے درمیان جدائی نہ کردے، اور
اس کے بعد وہ اپنا حق لینا چاہے،

ان مسائل مین ایک مسئلہ ایلا کا ہی کہ اہل مدینہ کہتے ہین کہ چار مہینے کے گذر جانیکے

[illegible]

ابد بھی جب تک کہ شوہر مدت کی تحدید نہ کردے طلاق نہین ہوسکتی، حالانکہ نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے جن سے مہینون کے بعد یہ تحدید مروی ہے یہ روایت کی ہے کہ خداوند تعالی نے اپنی کتاب مین جس ایلار کا ذکر کیا ہے وہ مدت مقررہ کے آجانے کے بعد قسم کھانے والے کیلیے بجز اس صورت کے جائز نہین ہے کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق رجوع کرلے یا طلاق دیدے اور تم لوگ کہتے ہو کہ اگر چار مہینون کے بعد جنکو خداوند تعالی نے اپنی کتاب مین مقرر کیا ہے اگر وہ ٹھہر گیا اور تحدید نہین کی تو اسپر طلاق نہ ہوگی، حالانکہ عثمان بن عفانؓ زید بن ثابتؓ قبیصہ بن ذویبؓ اور ابو سلمہ بن عبد الرحمان بن عوفؓ سے ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ ایلار کے بارے مین ان کا یہ قول ہے کہ چار مہینے گذر جائین تو وہ بائن طلاق ہوجاتا ہے؛ اور سعید بن المسیب، ابوبکر بن عبد الرحمان بن الحارث بن ہشام اور ابن شہابؒ کہتے ہین کہ جب چار مہینے گذر جائین تو یہ ایک طلاق ہوگا اور قسم کھانے والا عدت کے زمانے مین رجوع کرسکتا ہے،

ان مسائل مین ایک مسئلہ یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنی عورت کو طلاق لینے یا اپنے پاس رہنے کا اختیار دیدیا اور اس نے طلاق نہین لی بلکہ اپنے شوہر ہی کو اختیار کرلیا تو اسپر ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر اس نے اپنے آپ کو تین طلاق دیدی تو بھی ایک ہی طلاق ہوگی عبد الملک بن مروان نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور ربیعہ بن عبد الرحمان بھی اسی کے قائل تھے لیکن تقریبا اور تمام لوگون کا اسپر اتفاق ہے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کرلیا تو اس صورت مین طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر ایک یا دو طلاق لیلی تو اسپر شوہر کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن اگر اس نے تین طلاق لیلی تو وہ بائن ہوجائے گی، اور جب تک دوسرا شخص

اس سے نکاح کرکے اس سے مباشرت کرنے کے بعد مر نہ جائے یا طلاق نہ دیدے وہ اسکے لیے جائز نہیں ہوسکتی، البتہ اگر وہ اُسی مجلس مین اس کی تردید کر دے اور کہے کہ مینے تجھ کو صرف ایک طلاق کا اختیار دیا ہی، تو اس سے قسم لی جائے گی، اور اُس کو اسکی عدت کے درمیان چھوڑ دیا جائیگا،

ان مسائل مین ایک مسئلہ یہ ہی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ اگر کسی شخص نے ایک لونڈی کا نکاح کر دیا، پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو یہ خریدنا بمنزلہ تین طلاق کے ہوگا اور ربیعہ کا بھی یہی قول تھا، اور اگر ایک آزاد عورت کسی غلام سے نکاح کرکے پھر اس کو خرید لے تو اس کا بھی یہی حکم ہی؛

ہمارے پاس تم لوگون کے کچھ ناپسندیدہ فتاوے پہونچے اور ان مین بعض کے متعلق مین نے تم کو لکھا لیکن تم نے میرے خط کا جواب نہین دیا، اس لیے مجھ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ تم نے اسکو گوارا نہین کیا، اس لیے مین جس چیز کو ناپسند کرتا تھا اور تمھاری راے پر مین نے جو اعتراضات کیئے تھے اُن کے متعلق خط وکتابت سے باز رہا، مثلاً مجھ کو معلوم ہوا کہ تم نے زفر بن عاصم الہلالی کو حکم دیا کہ جب وہ استسقا کی نماز پڑھنا چاہے تو خطبہ سے پہلے ہی نماز پڑھ لیا کرے، لیکن مین نے اسکو ایک بڑی بات خیال کیا کیونکہ خطبہ اور استسقا بالکل جمعہ کی صورت رکھتے ہین، صرف اتنا فرق ہی کہ امام جب خطبہ ختم کرنے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر لپیٹ لے پھر منبر سے اُتر کر نماز پڑھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابو بکر بن حزمؒ وغیرہ نے استسقا کی نماز پڑھی ہی، اور ان سب نے خطبہ اور دعا کو نماز پر مقدم کیا ہے، اس بنا پر تم لوگون نے زفر بن عاصم کے فعل کو ناپسند کیا،

اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تمھارا یہ قول ہے کہ اگر دو شخص کسی مال مین شریک ہون تو جب تک کہ دونون کا حصہ الگ ہونے کے بعد یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حصہ پر صدقہ واجب ہے حالت شرکت مین ان دونون پر صدقہ واجب نہین ہے حالانکہ حضرت عمر بن الخطاب رض کے خط مین ہے کہ دونون پر صدقہ واجب ہے اور وہ دونون برابر حصون مین تقسیم کر دیا جائیگا اور تم سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہ کی خلافت مین اسیپر عمل کیا جاتا تھا اور ہم سے یہ حدیث یحییٰ بن سعید نے بیان کی ہے جو اپنے زمانہ کے افاضل علماء مین کم رتبہ نہ تھے، خداوند تعالے ان پر رحمت کرے اور ان کو بخشے اور جنت مین ان کو جگہ دے

اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تم کہتے ہو کہ جب ایک شخص دیوالیہ ہو جائے اور اسکے ہاتھ کوئی آدمی کوئی اسباب فروخت کر چکا ہو اور وہ اسکی قیمت کا ایک حصہ لیچکا ہو یا مشتری اس اسباب کا کوئی حصہ صرف کر چکا ہو تو وہ اپنے اسباب کا جو حصہ بھی پائے اُس کو لے سکتا ہے لیکن لوگون کا معمول یہ تھا کہ بائع جب اس کی قیمت کا ایک جزو لیچکا یا مشتری نے اس کا ایک حصہ صرف کر دیا تو وہ اسباب بجنسہ وہی نہین ہے جسکو بائع نے فروخت کیا تھا

اسی طرح تم یہ بیان کرتے ہو کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت زبیر بن عوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا اور تمام لوگ یہ بیان کرتے ہین کہ آپ نے اُن کو دو گھوڑون کا چار حصہ دیا اور تیسرے گھوڑے کا حصہ نہین دیا اور تمام امت یعنی اہل شام، اہل مصر، اہل عراق اور اہل افریقیہ کا اس حدیث پر اتفاق عام ہے اور اس مین دو شخص بھی مختلف نہین ہین اس لیے تمھارے لیے یہ مناسب نہین تھا گو تم نے اسکو کسی پسندیدہ شخص سے بھی سنا ہو کہ تمام اُمت کی مخالفت کرو،

مین نے اس قسم کی بہت سی چیزین چھوڑ دی ہین اور مین یہ چاہتا ہون کہ خدا تم کو توفیق دے

اور تم کو دیر تک زندہ رکھے کیونکہ مجھے اس مین لوگون کے فائدے کی توقع ہے، اور اگر تم جیسا شخص گذر جائے تو مجھے نقصان کا خوف ہے، اس کے ساتھ مین تم سے باوجود دوری مکان کے انس رکھتا ہون، غرض میرے نزدیک تمھارا یہ درجہ اور تمھاری نسبت میری یہ راے ہے تو اس کو یقین کر رکھو اور اپنی، اپنے لڑکے اور اپنی بی بی کی حالت اور خود اپنی یا اپنے کسی متعلق کی ضرورت سے بذریعہ خط کے اطلاع دینے سے دریغ نہ کرو کیونکہ مین اس سے خوش ہونگا، مین نے حالت صحت و عافیت مین تم کو یہ خط لکھا ہے جسپر خدا کا شکر ہے، ہمارا یہ سوال ہے کہ ہم کو اور تم کو نعمت کے شکر کی جو خدا نے ہم کو دی ہے اور احسان کے شکر کی جو ہم پر کیا ہے توفیق دے، والسلام علیک و رحمۃ اللہ"

ہم نے اس خط کو پورا اس لیے نقل کر دیا ہے کہ تمھارے سامنے ادبی تنقید کی بہترین مثال رکھدین کیونکہ اختلاف کے بارے مین اس سے زیادہ مہذب اور شریفانہ طرز ادا ہم کو نظر نہین آتا، ممکن ہے کہ ہمارے آبا مین ہمارے لیے بہترین نمونہ و مثال ہون لیکن شیعہ لوگ اسی وقت حدیث پر اعتبار کرتے تھے جب اس کی روایت اُن کے ائمہ یا انکے ہم مذہب لوگون کے طریقہ سے کی جائے، اس کے علاوہ وہ اور حدیثون کو چھوڑ دیتے تھے، کیونکہ جو شخص علی سے محبت نہین رکھتا وہ اس اعتبار کا مستحق نہین، اسی طرح خوارج نے احادیث کو صرف اُن صحابہ تک محدود رکھا جن سے وہ محبت رکھتے تھے، اس بنا پر ان کے نزدیک وہی حدیثین مستند ہین جنکی روایت فتنہ یعنی مسلمانون کی خانہ جنگی سے پیشتر کی گئی، لیکن اس فتنہ کے بعد چونکہ اُن کے خیال کے مطابق جمہور امت نے ظالم امامون کی پیروی کر لی ہے اس لیے ان لوگون نے ان کو چھوڑ دیا اُن کے دشمن ہوگئے اور وہ اُن کے اعتماد کے قابل نہین رہے، لیکن جمہور اہل حدیث کی راے

جن کے سرخیل امام شافعی رحمۃ اللہ ہین یہ ہے کہ راوی گو صرف ایک ہی ہو لیکن حدیث اسی وقت قابل اعتماد ہو سکتی ہے جب ایک عادل شخص اپنے ہی جیسے عادل شخص سے روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دے اس کے علاوہ انھون نے اور شرائط کا بالکل لحاظ نہین کیا اور اسی بنا پر مروی حدیث کی قدر و قیمت کے اندازہ لگانے مین بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا مثلاً ایک حدیث کی شہرت کی بنا پر حنفی اس پر عمل کرتا ہے اور اُس کی سند مین ضعف ہونے کی وجہ سے شافعی اسکو چھوڑ دیتا ہے، مالکی ایک حدیث کو اس لیے ترک کرتا ہے کہ عمل اس کے خلاف ہوا ہے لیکن اس کی قوت سند کی بنا پر شافعی اسپر عمل کرتا ہے لیکن جب شراح، حامیان اور نکتہ چینان مذاہب کا گروہ پیدا ہوا تو انھون نے ان اصول کی طرف جن کو اُن کے ائمہ نے اختیار کیا تھا توجہ نہین کی، اور اپنے مخالفین پر ہر صحیح السند حدیث کی مخالفت کا گو وہ اُن شرائط کی جامع نہ ہو جنکو اُس شخص نے شرط قرار دیا ہے جسپر وہ نکتہ چینی کر رہے ہین الزام دینے لگے اسی طرح وہ لوگ ہر اس حدیث کو جسکو اُس کے امام نے قبول نہین کیا ہے اُسکی سند پر نکتہ چینی کر کے یا اور کسی دوسرے ماخذ کے ذریعہ سے ضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہین حالانکہ یہ کہدینا آسان تھا کہ امام نے اس حدیث کو اس لیے نہین قبول کیا کہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس نے جس شرط کو اپنا اصول قرار دیا ہے وہ اس حدیث مین موجود تھی، اور اس قسم کی بہت سی مثالین عنقریب تمھارے سامنے آئین گی

دوسری نزاع،

(۲) قیاس، رائے اور استحسان
کے بارے مین پیدا ہوئی،

صحابہؓ اور تابعینؒ جب کتاب وسنت مین کوئی نص نہین پاتے تھے تو مجبوراً راے کی طرف مائل ہوتے تھے اور جیسا کہ اُن کے فتاوے سے ظاہر ہوتا ہی راے کی حقیقت یہ ہے کہ دین کے قواعد عامہ کی بنا پر کوئی حکم دیا جائے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ

لاضرر ولا ضرار — نہ نقصان اُٹھاتا ہی نہ نقصان پہونچاتا ہی،

دع ما یریبک الی ما لا یریبک، — جو چیز تم کو شبہہ مین ڈالے اُسکو چھوڑکر وہ چیز اختیار کرو جو شبہہ مین نہ ڈالے،

لیکن وہ کسی اصل معین کا جسکے محل وقوع کے ساتھ اس واقعہ کو تشبیہ دین جسکے متعلق وہ فتوی دے رہے ہین لحاظ نہین کرتے تھے مثلاً حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کے خلاف یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان کے پڑوسی کی نہران کی زمین مین ہوکر گذر سکتی ہے کیونکہ یہ اُس کے لیے مفید ہے، اور محمد کیلئے مضر نہین تو غالباً یہ فتوی اس عام اصل کی بنا پر ہے کہ مفید چیز مباح اور مضر چیز ممنوع ہے لیکن اُنھون نے کسی اصل معین پر قیاس کرکے یہ فیصلہ نہین کیا تھا اور فقہاء کی اصطلاح مین اسی کو مصالح مرسلہ کہتے ہین یعنی کوئی اصل معین جسکی تائید نہ کرتی ہو، لیکن اگر اسی کو زیادہ وسعت دیدی جائے تو اس سے نقصان پہونچ سکتا ہے، کیونکہ اس سے بہت سی حدیثین بالخصوص جب کہ اس راے کا اختیار کرنے والا احادیث کا بہت زیادہ ماہر نہ ہو چھوٹ سکتی ہین، اور ایک فقیہ کیلئے جو کسی شہر مین پیدا ہوا ہو یہ آسان نہین ہے، کہ اُن تمام حدیثون سے واقف ہو جو ان علما کے پاس ہین جو تمام شہرون مین پھیلے ہوے ہین، اس لیے اگر وہ ان لوگون مین شامل ہی جو زیادہ تر راے سے فتوے دیتے ہین، تو وہ اس حدیث کے مخالف فتوی دینے سے

محفوظ نہین رہ سکتا جو اسکو یاد نہ ہو لیکن اُس کے علاوہ دوسرے کو یاد ہو، فقہا رنے اس خطرے کو محسوس کرکے راے کے دائرے کو تنگ کرنا چاہا چنانچہ انھون نے یہ شرط لگادی کہ جو شخص راے کے ذریعہ سے استنباط مسائل کرتا ہو اُس کے لیے ایک اصل معیّن ہونی چاہیے جسکی طرف وہ اپنے فتوی مین رجوع کرے اور وہ اصل معین صرف قرآن و حدیث ہے، اور یہی وہ قیاس ہے جسکو اُن لوگون نے کتاب و سنت کے بعد اصول فقہ مین سے ایک اصل قرار دیا ہے، اگرچہ فقہائے عراق نے اس مین زیادہ اتساع حاصل کیا ہے لیکن وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک دوسرا اصول اختیار کرتے ہین جس کا نام اُنھون نے استحسان رکھا ہے، مثلاً محمد بن حسن مبسوط مین جو اکثر یہ کہتے ہین کہ "مین استحسان کرتا ہون اور قیاس کو چھوڑ دیتا ہون" تو یہ استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اثر کی طرف جو مقتضائے قیاس کے مخالف ہو یا کسی اصول عامہ کی طرف رجوع کرتے ہین، پہلے اسی کو راے کہتے تھے، اور ہم اس موقع پر ناظرین کے سامنے وہ معیار قائم کردینا چاہتے ہین جس سے اہل حدیث اور اہل الراے کے مقامات باہم ممتاز ہوجائین

اہلحدیث نے دو حیثیتون سے صرف حدیث کو اپنے سامنے رکھا ہے، ایک تو یہ کہ وہ قرآن مجید کی تکمیل کرتی ہین، دوسرے یہ کہ شارع اسلام ؐ نے متبعین اسلام کے لیے اُن کی اطاعت اس حیثیت سے لازمی کی ہے کہ اسکی تشریح مین نہ تو علل و اسباب کا لحاظ رکھا ہے، نہ ایسے اصول عامہ قائم کیے ہین جنکی طرف مجتہد رجوع کرسکے، اور مختلف ابواب کیلئے اصول خاصہ مقرر کیے ہین، اس بنا پر یہ لوگ صرف لفظ کے مقلد ہین اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ لوگ کسی مسئلہ مین نص نہین پاتے تو خاموش ہو جاتے ہین، اور فتوے نہین دیتے، لیکن اہل راے اور اہل قیاس شریعت کو عقلی وجوہ پر مبنی سمجھتے ہین، اُن کو اس مین ایسے

اصول نظر آتے ہین جو قرآن مجید مین مذکور ہین اور حدیث نے ان کی تائید کی ہے اسی
ان کے نزدیک ابواب فقہ مین ہر باب کیلیے ایسے اصول ہین جنکو انھون نے کتاب و سنت
سے اخذ کیا ہے اور اس باب کے جتنے مسائل پیش آتے ہین، گو ان مین کوئی نص نہ ہو
لیکن اُن کو اسی اصول کی طرف لے جاتے ہین اگرچہ وہ حدیث کی صحت پر اعتماد کرلیتے
ہین، اس کی نسبت وہ بھی اہلحدیث کا مسلک اختیار کرلیتے ہین لیکن اپنے اصول کے
بھروسے اور اس گذشتہ راے کی بنا پر جو اُنھون نے حدیث کے بارے مین قائم کی ہے
وہ لوگ بہت زیادہ حدیث کی روایت نہین کرتے لیکن جب اُن کے نزدیک ایسی صحیح حدیث
ثابت ہو جاتی ہے جو اُن اُصول کے مخالف ہے تو وہ لوگ اسپر عمل کرنے مین دریغ نہین
کرتے اور اس وقت اس کا نام استحسان رکھتے ہین اور کبھی اس باب کے اصل معین پر
قیاس کو چھوڑ کر اصول عامہ کو اختیار کرلیتے ہین اور اُس کو بھی استحسان کہتے ہین جو
فقہا ، قیاس کے قائل ہین اور زیادہ تر تعداد انہی لوگون کی ہے اُنھون نے جو مسائل
استنباط کیے ہین اُن سے جو شخص واقف ہی اسکو معلوم ہے کہ اگرچہ صرف امام ابوحنیفہ اور انکے
اصحاب خصوصیت کے ساتھ اس استحسان کا لفظ بولتے ہین لیکن استحسان کے معنی مین اور
فقہا بھی ان کے شریک ہین، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے مصالح مرسلہ کے ذریعہ سے
تشریع مسائل کی ہے اور وہ استحسان ہی کی ایک قسم ہین اور مذاہب مختلفہ مین تمھارے
سامنے بہت سے مسائل آئینگے جنکی بنیاد بھی استحسان ہے،

ان قیاس اور استحسان کرنے والون کیلیے سلف صالحین مین فقہ کے دور اول مین
کبار صحابہ مین حضرت عمر رضی اللہ عنہ دور ثانی مین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور
تابعین مین ربیعہ اور ابراہیم نخعی کے نمونے بھی موجود ہین،

اس دور مین اہلحدیث اور اہل الرائے کے درمیان ایک ایسی سخت نزاع قائم ہوئی جو ایک حیثیت سے قیاس و استحسان دونون کے ماننے والون کو شامل ہے، اور دوسری حیثیت سے اہلِ قیاس اور اہلِ استحسان کے درمیان بھی قائم ہے متکلمین اور اہلحدیث مین اگرچہ باہم عداوت تھی، لیکن اس جنگ مین وہ بھی اہلحدیث کے حلیف بن گئے کیونکہ تشریع مسائل کے متعلق اہلحدیث کا خیال توہم پہلے بیان کرچکے ہین اور متکلمین بھی شریعت کو محض ایک تعبدی یعنی تقلیدی چیز سمجھتے ہین جس مین نظر و قیاس کی گنجائش نہین بلکہ شارع سے جو کچھ قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جائے، اسپر عمل کرنا لازمی ہوگا اس بنا پر شریعت کے تعبدی ہونے مین وہ اہلحدیث سے متفق ہین، البتہ اُن سے ان کو یہ اختلاف ہے کہ وہ سنت کو کوئی تشریعی اصل نہین تسلیم کرتے،

ہر فریق نے اپنی اپنی دلیل پیش کرنا شروع کی اور اس سلسلے مین ہم کو اہلحدیث اور متکلمین کی بہت سی عبارتین نظر آتی ہین، جن کے ذریعہ سے اُنھون نے رائے کی ہنسی اڑائی ہے لیکن دونون فریق کے قالب مین ایک ہی روح اس کی محرک نہین ہے، بلکہ اہلحدیث کے نزدیک شریعت کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اہل الرائے کی رایونکی جولانگاہ بنے، کیونکہ شریعت عام اس سے کہ وہ قرآن ہو یا حدیث خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو چیز ایسی ہوتی ہے، وہ غلطی اور اختلاف سے بہت دور ہوتی ہے، اور رائے کا تعلق انسان سے ہے جس مین صحت اور غلطی دونون پیش آسکتی ہین، اور اسوقت تفریق و اختلاف رونما ہوگا جسکی ہم کو ممانعت کی گئی ہے لیکن متکلمین کے نزدیک شریعت نے مختلف چیزونکو جمع کیا ہے، اور اُن کے احکام مین اتحاد قائم کیا ہے، اور مشابہ چیزون کو الگ الگ کیا ہے اس لیے اُن کے احکام بھی مختلف قرار دیے ہین، وہ اس قسم کے بہت سے احکام

پیش کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ایسی چیز عقلی نظر کی جولانگاہ نہین بن سکتی'

قیاس کی حمایت اور اُسکو حجت شرعی تسلیم کرنے کے متعلق ہم تک جو تحریرین پہونچی ہین ان مین بہترین تحریر وہ ہی جو ہم نے امام محمد بن ادریس کے رسالۂ اصولیہ اور کتاب الام مین پڑھی ہے، اور قیاس کی تردید مین ہم کو بہترین تحریر داود بن علی امام ظواہر کی نظر آتی ہے جو تیسری صدی کے نصف مین پیدا ہوئے ظواہر نے کتاب وسنت پر اپنے مذہب کی بنیاد ڈالی اور قیاس کا بالکل انکار کر دیا، اگرچہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے سب سے پہلے قیاس کو ایک شرعی اصول تسلیم کیا، اور یہی وجہ ہے کہ صرف انہی لوگون نے اصحاب الرای کے لقب سے شہرت حاصل کی' تاہم اس زمانے کے اکثر مشہور فقہا، اس معاملہ مین اُن کے ہم آہنگ ہین لیکن امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ اور کتاب الام کے ساتوین حصہ مین استحسان پر نہایت سخت حملہ کیا، چنانچہ انھون نے اُس کے متعلق جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے

"جو شخص حاکم یا مفتی ہونے کی قابلیت رکھتا ہو وہ صرف خبر لازم یعنی کتاب اسکے بعد سنت یا اہل علم کے متفقہ قول' یا اُن مین کسی پر قیاس کے ذریعہ سے فیصلہ کر سکتا ہی یا فتوے دے سکتا ہی لیکن اس کے لیے استحسان کے ذریعہ سے فیصلہ کرنا اور فتوی دینا جائز نہین ہی کیونکہ استحسان واجب نہین ہی" اور ان معانی مین سے کسی مین داخل نہین ہی، خداوند تعالے کہتا ہے

ایحسب الانسان ان یترک   کیا انسان یہ خیال کرتا ہی کہ وہ مطلق العنان

سدی،   چھوڑ دیا جائیگا،

اور جیسا کہ تم کو معلوم ہے جو لوگ قرآن کا علم رکھتے ہین اُن کو اس مین اختلاف نہین ہے

کہ "بدعت" وہ چیز ہے جسکو نہ کوئی حکم دیا گیا ہو اور نہ کوئی ممانعت کی گئی ہو، لیکن جس شخص نے ایسی چیز کے ذریعہ سے یہ فتوی دیا یا فیصلہ کیا جس کا حکم نہین دیا گیا ہو، تو اس نے اپنے لیے یہ جائز رکھا کہ وہ "سُدی" کے معنی مین داخل ہو حالانکہ خدا نے اس کو بتا دیا ہے کہ اس نے اُسکو مطلق العنان نہین چھوڑا ہو اور اگر اُس نے یہ کہا کہ مین جو کچھ چاہتا ہون کہتا ہون اور ایسی چیز کا دعوی کیا جسکے خلاف قرآن نازل ہوا ہو اور اُس کے مخالف حدیثین آئی ہین تو اسنے پیغمبرون کی روش اور اُس جماعت کے عام حکم کی مخالفت کی جس سے روایت کیگئی ہو"

اس کے بعد وہ کہتے ہین کہ،

جس شخص نے یہ کہا کہ مین استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہون نہ اس کے رسول کے حکم سے، تو اُس نے خدا اور اُس کے رسول کے قول کو قبول نہین کیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی جستجو خدا اور اسکے رسول کے حکم سے نہین کی اور جس شخص نے ایسا کہا اُس کے قول کی غلطی ظاہر ہے کیونکہ اُس نے یہ کہا کہ مین جو کچھ کہتا ہون اور کرتا ہون نہ مجھ کو اس کا حکم دیا گیا ہے، نہ اس کی ممانعت کی گئی ہے اور جس چیز کا مجھ کو حکم دیا گیا ہو اور ممانعت کی گئی ہو میرا قول وعمل اس نمونے پر نہین ہو، حالانکہ خدا نے اُس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا ہو اور کسی کو بغیر اطاعت قبول کرنے کے نہین چھوڑا ہو،

پھر وہ کہتے ہین کہ،

جس شخص نے بغیر خبر لازم کے یا بغیر اس پر قیاس کرنے کے فیصلہ کرنا یا فتوی دینا جائز رکھا تو اُس پر یہ اعتراض کیا جائیگا کہ اُس کے اس قول کا مفہوم کہ "مین جو کچھ چاہتا ہون کرتا ہون گو مجھ کو اس کا حکم نہین دیا گیا ہو" کتاب وسنت کے مفہوم کے مخالف ہو، اس لیے اسی مفہوم کی زبان سے اسپر اعتراض وارد ہوگا اور نیز یہ کہ اس کے مخالف ہو کہ "مین

اس معاملہ میں کسی مخالفت کو نہیں جانتا، تو اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہے؟ تو کہا جائیگا
کہ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا جس نے کسی صاحب عقل اور صاحب آداب کو یہ اجازت
دی ہو کہ وہ خود اپنی رائے سے فتوی دے اور فیصلہ کرے جب تک کہ وہ اس چیز کا
عالم نہ ہو جو پیر مشتبہ کی تفصیل کیلیے قیاس کا معاملہ موقوف ہے یعنی کتاب، سنت، اجماع اور
عقل تو جب اُن کا یہ خیال ہے تو اُن سے یہ کہا جائیگا کہ اُن اہل عقول کے لیے جن کی
عقلیں قرآن وسنت اور فتوے کے علما سے فائق ہیں یہ کیوں نہیں جائز ہو کہ اُن کے
جانے ہوے مسائل میں سے جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ یہ کہدیں کہ اس کے بارے
میں نہ کتاب ہے، نہ حدیث ہے، نہ اجماع ہے حالانکہ تمھارے عام لوگوں سے ان کی عقلیں زیادہ
ہیں اور وہ اپنے قول کو تمھارے عوام سے زیادہ بہتر طریقہ پر واضح کر سکتے ہیں تو اگر تم
کہو کہ ان کو اصول کا علم نہیں ہے تو تم سے کہا جائیگا کہ جب تم بلا اصل کہنے ہوا ور کسی اصل
پر قیاس نہیں کرتے تو تمھارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ تم اصول کو جانتے ہو جن لوگوں
کی عقلیں اصول سے ناواقف ہیں اُن کی نسبت کیا تم کو یہ خوف زیادہ ہے کہ وہ چونکہ
اصول کو نہیں جانتے اس لیے جس چیز سے ناواقف ہیں اُس پر ٹھیک طریقہ سے
قیاس نہیں کر سکتے؟ اور کیا تمھارے اصول کے علم نے تم کو اُس پر قیاس کرنا سکھایا
ہے تمھارے لیے اُن اصول کا چھوڑ دینا جائز کیا ہے؟ تو جب تمھارے لیے ان اُصول
کا چھوڑ دینا جائز ہے تو وہ بھی تمھارے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ
ان کی نسبت یہ خوف ہے کہ وہ ان اصول پر قیاس کرنا چھوڑ دینگے یا غلطی کرینگے
پھر اگر کسی شخص کی تعریف اس بنا پر کی جاسکتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے بلا نمونہ و مثال کے کہتا ہے
تو اگر ان لوگوں نے بلا مثال کوئی بات کہی ہے تو میرے علم میں وہ تم سے زیادہ اس

صحت پر قابل تعریف ہین کیونکہ ان لوگون کو کوئی مثال معلوم نہین ہوئی اُس لیے ان لوگون نے اسکو چھوڑ دیا اور وہ لوگ غلطی پر تم سے زیادہ معذور ہین کیونکہ ان لوگون نے ایسی چیز مین غلطی کی ہی جسکو وہ نہین جانتے اور مین تم کو اُن سے زیادہ گنہگار سمجھتا ہون کیونکہ تم نے اس اصول پر جن سے تم ناواقف نہین ہو، تو جب تم یہ کہو گے کہ ہم نے قیاس چھوڑ دیا حالانکہ ہم اصل سے ناواقف نہین تھے، تو کہا جائیگا کہ اگر قیاس حق ہی تو تم نے حق کو جان بوجھ کر اُس کی مخالفت کی اور اس مین ایسا گناہ ہی کہ اگر تم اس سے ناواقف ہوتے تو اس کی قابلیت نہ رکھتے کہ علم کے بارے مین کہو اور اگر تمھارا یہ خیال ہی کہ تمھارے لیے قیاس کا چھوڑ دینا اور ایسی بات کہنا جو تمھارے وہم اور تمھارے ذہن کے سامنے آئی ہو اور تمھارے کانون نے اسکو پسند کیا ہو جائز ہی تو ہم نے قرآن کا، اس کے بعد حدیث کا اور اُس چیز کا جسپر اجماع دلالت کرتا ہے جو ذکر کیا ہی کہ کسی کے لیے یہ جائز نہین کہ بغیر علم کے کچھ کہے اس کی بنا پر تم کو الزام دیا جائیگا'

پھر وہ کہتے ہین کہ'

کیا تم نہین دیکھتے کہ جب حاکم اور مفتی نے کسی مسئلہ مین جس مین کوئی نص نہ ہو یہ کہا کہ مین استحسان کرتا ہون تو اُسکو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ دوسرے کیلیے یہ جائز ہی کہ اُسکے خلاف استحسان کرے اس لیے شہر کا ہر حاکم اور مفتی اپنے استحسان کے موافق ایک بات کہہ سکتا ہی اس لیے ایک ہی چیز کے متعلق طرح طرح کے فیصلے اور فتوے دیے جاسکتے ہین تو اگر اُن کے نزدیک یہ جائز ہے تو اُنھون نے اپنے آپ کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا ہے اور جہان چاہا فیصلہ کر دیا ہے گو وہ تنگ ہو اسلیے یہ جائز نہین ہے کہ وہ اس مین گھسین، اور اگر ان مین جو شخص قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ لوگون پر

میرے قول کا اتباع واجب ہی" تو اس سے کہا جائیگا کہ تمھاری اطاعت کا کس نے حکم دیا تا کہ لوگون پر تمھارا اتباع فرض ہو کیا تم یہ نہین سمجھتے کہ اگر تمھارے سوا کوئی اور تم پر بھی دعوی کرے تو کیا تم اس کی اطاعت کروگے یا یہ کہوگے کہ مین بجز اس شخص کے جسکی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے کسی اور کی اطاعت نہین کرتا، اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت فرض نہین ہی، اطاعت صرف اسی کی فرض ہی جسکی اطاعت کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور حق اسی چیز مین ہے جس کے اتباع کا خدا نے اور اسکے رسول نے حکم دیا ہی اور خدا نے اور اسکے رسول نے نصاً یا دلائل کے استنباط کے ذریعہ سے اسکا راستہ دکھایا ہے

اس عبارت مین امام شافعیؒ نے گویا امام محمد بن الحسنؒ کے اس قول کو پیش نظر رکھا ہے کہ "مین استحسان کرتا ہون اور قیاس کو چھوڑتا ہون اور امام ابوحنیفہؒ نے قیاس کیا ہے اور استحسان کو چھوڑ دیا ہے" اور ان کو ان لوگون کے درجے مین رکھا ہی جو محض اپنے وہم و خیال کے مطابق بغیر نمونہ و مثال کے کوئی بات کہتے ہین لیکن جن لوگون نے امام محمدؒ کے قول کی تفسیر کی ہے اور جو کچھ اُن کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک استحسان یہ ہے کہ کسی حدیث کی بنا پر یا اصول عامہ کی طرف رجوع کر کے جو متقدمین کی مشہور رائے ہے یا کسی دوسری معین اصل کی طرف مراجعت کر کے کسی اصل معین پر قیاس کو چھوڑ دیا جائے اور قیاس کرنے والون کے اختلاف کے بیان مین خود امام شافعیؒ کہتے ہین کہ کبھی ایسا مسئلہ پیش آتا ہی جو قیاس کا احتمال رکھتا ہے لیکن اس کو دو اصول سے مشابہت حاصل ہوتی ہی، اس لیے ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہی اور اس طرح دونون باہم مختلف ہوجاتے ہین تو اہل عراق جو استحسان کے قائل ہین اس کا مطلب

صرف یہ ہے کہ وہ مسئلہ کا مرجع کسی دوسرے خاص یا عام کو بناتے ہین اور اُن کے قول کا دارومدار صرف خواہشِ نفسانی پر نہین ہے اس بنا پر صرف لفظی بحث باقی رہجاتی ہے جس کا معاملہ آسان ہے

خود امام شافعی نے اپنی کتاب موسوم بالرد علی محمد بن الحسن مین تصریح کی ہے کہ فقہ مین امام محمد جس اصل کی طرف گئے ہین وہ یہ ہے کہ فقہ کے کسی مسئلہ کے متعلق بجز خبر لازم یا قیاس کے کچھ نہین کہا جا سکتا،

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ مین قیاس کو اصل بنانے کا مسئلہ اس دور مین بہت زیادہ نمایان وکامیاب ہوا، البتہ استنباطِ مسائل مین فقہا اور اس کے استعمال مین یکسان حیثیت نہین رکھتے تھے، مثلاً حنفیہ کو اس مین بہت زیادہ شدت وغلو تھا، حنابلہ اور مالکیہ اس سے بہت کم کام لیتے تھے، شافعیہ ان دونون فریق کے بین بین تھے بعض اہلحدیث اور شیعہ اس سے الگ تھلگ رہے، اور ظاہریہ نے اُس کے انکار مین نہایت غلو کیا،

(۳) تیسری نزاع اجماع کے متعلق پیدا ہوئی،

فقہاء بعض مسائل پر یہ دلیل پیش کیا کرتے ہین کہ اس مسئلہ پر اجماع ہوگیا ہے، اور کتاب وسنت کی طرح اس اجماع کو بھی اصولِ دین مین سے ایک اصل قرار دیتے ہین اور اسپر کتاب وسنت کے بعض نصوص جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جماعت سے نکلنا حرام ہے دلیل لاتے ہین اور کہتے ہین کہ اس سے صرف حلال وحرام کرنے کی مخالفت مقصود ہے، امام شافعیؒ نے اس پر خداوند تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے،

ومن يشاقق الرسول من بعد ما	جو شخص اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت ظاہر ہوگئی
تبين له الهدى ويتبع غير	پیغمبر کی مخالفت اور مسلمانون کے راستے کے علاوہ

سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ   دوسرے راستہ کا اتباع کرتا ہے، ہم اس کو جہنم میں
جہنم وساءت مصیرا)   ڈالیں گے اور وہ بُرا انجام ہے)

اور یہ فرمایا ہے کہ مسلمانون کے راستے کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلنا بھی اجماع کی مخالفت ہے، لیکن جب اُن کو اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کرنا پڑا تو ان کے مخالفین جس اجماع کے مدعی تھے، اس کے وہ منکر ہوگئے، اور ان کو اس کا انکار کرنا پڑا، کہ فرائض مثلاً نماز، زکوٰۃ، اور تحریم حرام کے سوا جن سے کوئی شخص ناواقف نہین رہ سکتا، اس اجماع کا وجود نہین ہے، لیکن خواص کا علم جس کی ناواقفیت عوام کے لیے مُضر نہین ہے اُسکے متعلق ہم صرف دو باتون مین سے ایک بات کہہ سکتے ہین، جس چیز کے متعلق ہم کو ان کے اختلاف کا علم نہین ہے اس کے متعلق ہم یہ کہین گے کہ "ہم کو ان کا اختلاف معلوم نہین ہے" اور جس چیز مین اُنھون نے اختلاف کیا ہے ہم یہ کہین گے کہ "اُنھون نے اختلاف کیا اور اجتہاد کیا" اس بناپر کتاب وسنت مین سے کسی مین اگر اس کے متعلق کوئی دلیل نہ ملے حالانکہ ایسا بہت کم ہوگا تو ہم ان کے اُس قول کو لین گے جو کتاب وسنت سے مشابہ ہوگا یا اس قول کو اختیار کرینگے جو آغاز وانجام کے لحاظ سے اہل علم کے نزدیک بہتر ہوگا، لیکن جب یہ لوگ اختلاف کرین تو جیسا کہ مین نے بیان کیا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ قول ایسے اشخاص سے مروی ہے جنھون نے اس مین اختلاف کیا ہے اور اس حالت مین ہم تین اشخاص کے قول کو اختیار کرینگے دو کے قول کو نہ لین گے یا چار اشخاص کے قول کو اختیار کرین گے تین اشخاص کے قول کو نہ مانین گے لیکن ہم اس کو اجماع نہین کہہ سکتے کیونکہ جس شخص نے کوئی بات نہین کہی اس کے خلاف اجماع ایک قطعی فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ ہم کو یہ معلوم نہین ہے کہ وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت کا ادعا ہے حالانکہ اُس نے

جس چیز نے اجماع کا دعوی کیا ہے اس کے مخالف پائے جاتے ہین

انھون نے ایک دوسرے مناظرے ایک سوال کیا جو مجتہدین کی شخصیت سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ انھون نے کہا کہ۔ وہ اہل علم کون ہین ؟ کہ جب وہ اجماع کرلین تو اُن کے اجماع سے حجت قائم ہوجائے گی، اُس نے کہا "وہ لوگ ہین جنکو کسی شہر کے لوگون نے اپنا فقیہ مقرر کیا، اس کے قول کو پسند کیا اور اُس کے حکم کو قبول کیا"، انھون نے اس پر اُس سے ایک طویل مناظرہ کیا اس کے بعد فرمایا۔ کہ مین اکثر شہرون مین اہل کلام کو پھیلا ہوا پاتا ہون اور ان مین سے ہر فرقہ نے ایک ایسے ہی شخص کو مقرر کیا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے، تو کیا وہ لوگ بھی فقہاء مین داخل ہین جو فقہاء سے اسوقت تک قبول نہین کرتے جب تک کہ ان کے ساتھ جمع نہ جائین یا یہ لوگ اُن سے خارج ہین، اس کے بعد انھون نے اجماع کی نقل کے متعلق اس سے دوسرا سوال کیا اور کہا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ صرف اس چیز سے حجت لائی جاسکتی ہے جسپر تمام شہرون کے فقہاء نے اجماع کیا ہے، تو کیا تم ان سب کے اجماع کے معلوم کرنے کا، کوئی طریقہ پاتے ہو، حالانکہ جب تک تم ان سب سے نہ مل لو یا عام طور پر لوگ اُن لوگون مین ہر ایک سے روایت نہ کرین وہ کسی شخص کیلیے حجت نہین ہوسکتا، اُس نے کہا کہ اس قسم کا کوئی طریقہ نہین پایا جاتا، تو مین کہتا ہون کہ اگر تم نے خاص خاص اشخاص کی روایت سے اس اجماع کو قبول کرلیا تو تم نے وہی بات قبول کی جسپر تم نے اعتراض کیا ہے، اور اگر تم نے بغیر عام نقل کے ہر فقیہ کے قول کو قبول نہین کیا تو جب تک کہ ہم خواص کی نقل کو قبول نہ کرلین تمھارے قول مین اس اصل کو نہین پاتے کہ "اس پر تمام شہرون نے اتفاق کرلیا ہے"، کیونکہ ابتدا مین اس کا کوئی طریقہ نہین ہے اس لیے کہ تمھارے لیے وہ کسی ایک جگہ جمع نہین ہوسکتے اور اُن سے تم کو ایسی خبر نہین ملسکتی کہ

عام طور پر لوگون نے انکی روایت لوگون سے کی ہو،

بظاہر امام شافعیؒ کے لیے مکمل اجماع کے انکار کرنے کی وجہ موجود ہے کیونکہ یہ اس
بات پر موقوف ہے کہ ہر ایک زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت معلوم ہو، عام طور پر لوگ ان کو تسلیم
کرین، اور جس مسئلہ مین فتوی دیا جاتا ہے اس کے متعلق اُن مین سے ہر ایک کا قول منقول ہو،
اور ان سے اس قول کو ایک ایسی جماعت نقل کرے جو جھوٹ اور غلطی سے محفوظ ہو اور یہ تمام
چیزین صرف انہین خبرون مین پائی جا سکتی ہین جسکو "علم عامہ" کہتے ہین، مثلاً یہ کہ مفروضہ
نمازین پانچ ہین، صبح کی رکعتین دو ہین اور اسی کے مثل اور چیزین لیکن جسکو "علم خاصہ"
کہتے ہین تو تم کو بہت کم ایسا مسئلہ مل سکتا ہو جسکے متعلق تم آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہو کہ ایک
زمانے کے مجتہدین نے اس کا جواب متفقہ طور پر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ سے یہ
روایت مروی ہے کہ جس شخص نے اجماع کا دعوی کیا وہ جھوٹا ہے لیکن امام شافعیؒ کو
اگرچہ اجماع کی حقیقت سے انکار ہے تاہم اگر سلف سے کوئی حکم منقول ہو اور اس کے متعلق
یہ نہ معلوم ہو کہ اُنھون نے اس مین اختلاف کیا ہے تو وہ دین مین اسکو حجت سمجھتے ہین اسلیے
خود حجت مین نہین بلکہ حجت کی تعبیر مین اختلاف ہو جاتا ہے،

حنفیہ اکثر اجماع سکوتی کا ذکر بھی کرتے ہین جسکی صورت یہ ہوتی ہو کہ ایک شخص کسی مسئلہ
پر فتوی دیتا ہے اور دوسرے لوگ اسپر سکوت اختیار کرتے ہین لیکن جیسا کہ حدیث کی
فصل مین گذرا ہمارے نزدیک یہ لوگ اسکو حدیث کی تائید کا ایک طریقہ سمجھتے ہین گویا
اعتراض نہ کرنے سے وہ لوگ صحت حدیث پر اتفاق کر لیتے ہین اس لیے یہ حدیث عام
طور پر ان لوگون سے مروی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ان کے پاس اس کے مخالف کوئی حدیث
ہوتی تو وہ تردید کرنے سے باز نہ آتے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر یہ کہتے ہین کہ ہمارے

نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہی لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین وہ بھی اسکو تائید حدیث کا ایک طریقہ خیال کرتے ہین خلاصہ یہ ہی کہ جب کسی مسئلہ مین قرآن وحدیث کی نص موجود نہ ہو اور سلف اُس کے متعلق کوئی فتویٰ دین اور اس فتویٰ کے متعلق اُنمین سے کسی کا اختلاف معلوم نہ ہو تو جمہور فقہا، اسکو دین کے معاملے مین حجت سمجھتے ہین جسکی وجہ یہ ہے کہ اُن کا اتفاق عام رائے سے نہین ہوسکتا کیونکہ اگر یہ اتفاق رائے سے ہوتا تو اس مین اختلاف کیا جاتا اس بنا پر درحقیقت اس کا مرجع عمل بالسنت ہے اور عدم اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی حدیث موجود ہے جسپر اس فتوے کا دارومدار ہے، چنانچہ جس چیز مین علمار نے اجتہاد کیا ہے اس قسم کا اتفاق بہت کم پایا جاتا ہے

(۴) چوتھی نزاع اس عظیم الشان مسئلہ مین پیدا ہوئی جسپر تکلیف کا دارومدار ہے، تمام تکلیفات شرعیہ کی بنیاد دو لفظون یعنی "کرو" اور "نہ کرو" پر قائم ہے، جس مین پہلے کو امر اور دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے قرآن وحدیث دونون مین امر و نہی موجود ہین لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونون کے اوامر و نواہی جس چیز پر دلالت کرتے ہین آیا وہ لازمی ہوگی اور اس بنا پر قرآن وحدیث نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ فرض اور جس چیز کی ممانعت کی ہے وہ حرام ہوگی ؟ یا اس کے علاوہ وہ دوسرے معنی پر محمول کیے جائینگے یہان تک کہ اُن کے لازمی ہونے پر دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی ؟ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن وحدیث کے امر و نہی لازمی ہین تو اگر مامور بہ عبادت اور معاملہ کے دوسرے امر کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا اس دوسرے امر کیلیے مخل ہوگا ؟ اور اگر مخل ہوگا تو اس خلل کی مقدار کیا ہوگی ؟ اسی طرح جس چیز کی ممانعت کی گئی ہے اگر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اُس کا کرنا اس دوسری چیز مین موثر ہوگا ؟ اور اگر ہوگا تو اُس

تاثیر کی مقدار کیا ہوگی؟ ہم اس موقع پر چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے اس مسئلہ کا مقصد واضح ہو جائے گا،

خداوند تعالی فرماتا ہے،

یا ایہا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم	مسلمانو! غلام اور وہ لوگ جو تم میں سے بالغ
والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرات	نہیں ہوئے ہیں تم سے تین بار اجازت طلب کریں!

لیکن اجازت طلبی کا یہ امر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے،

اور خداوند تعالی فرماتا ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ	مسلمانو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے
فاغسلوا وجوھکم	اپنے منہوں کو دھولو،

لیکن وضو کا یہ حکم ایک دوسری عبادت یعنی نماز کے ساتھ متعلق ہے،

اور خداوند تعالی فرماتا ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اذا تداینتم	مسلمانو! جب تم ایک مدت تک کے لیے قرض کا
بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ الخ	لین دین کرو تو اس کو لکھ لو،

کتابت کا یہ حکم بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے،

اور خداوند تعالی فرماتا ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اذا طلقتم النساء	اے پیغمبر جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت
فطلقوھن لعدتھن،	میں طلاق دو،

اس میں بھی طلاق کی ابتدائی عدت کے لحاظ رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ایک مقصد یعنی طلاق کا ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے نقصان کا سبب نہ بن جائے،

تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے جس چیز کا حکم دیا وہ لازمی ہے اور جب وہ کسی چیز کے ساتھ متعلق ہو تو اس صورت مین بھی لازمی ہے؟ اور اگر وہ چھوڑ دیا جائے تو وہ جس چیز کے ساتھ متعلق ہے اس مین اثر کریگا؟ یہان تک کہ بغیر وضو کے نماز بغیر تحریر و کتابت کے قرض اور عورت کے حائضہ ہونے کی حالت مین طلاق باطل ہو گی،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق، — اور اس جان کو جسکو خدا نے حرام کیا ہے بغیر حق کے نہ قتل کرو،

اس مین جس قتل کی ممانعت کیگئی ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہین ہے،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلاۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون — مسلمانو! نشہ کی حالت مین نماز کے قریب نہ جاؤ تاکہ تم جو کچھ کہتے ہو اسکو جانو،

لیکن متوالے شخص کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ متعلق ہے تاکہ مناجات خداوندی کے ٹھیک موقع پر واقع ہو،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع، — مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جاے تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور بیع کو چھوڑ دو،

اور اس مین بیع کی ممانعت نماز کی حفاظت کیلیے ہے،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً۔

اور اگر تم ایک بی بی کی جگہ دوسری بی بی سے بدلنا چاہتے ہو اور تم نے ایک کو بہت سا مال دیدیا ہے تو اس مال مین سے کچھ نہ لو۔

تو اس آیت مین جس مال کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق طلاق کے ساتھ ہے، تو کیا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام چیزون کی ممانعت قطعی اور فرض ہے؟ اور جب اس کا تعلق دوسری چیز کے ساتھ ہو تو وہ بھی حرام ہے؟ اور اس حرمت سے جو اثر ہوتی ہے؟ اس اثر کی مقدار کیا ہے؟ کیا وہ بالکل باطل ہو جائے گی؟ یا اس مین صرف نقصان آئے گا؟ مثلاً یہ کہا جائیگا کہ اذان سننے کے بعد بیع کرنا اور مطلقہ عورت سے مال لینا حرام ہے، اور نشہ کی حالت مین اگر نماز پڑھ لی یا نماز جمعہ کے وقت بیع کر لی اور طلاق دینے کے بعد مال لیلیا تو اس کے اثر کی مقدار کیا ہوگی؟

احادیث مین بھی اسی قسم کے امر و نہی موجود ہین تو کیا جن چیزون کا حکم دیا گیا ہے اور جن چیزون کی ممانعت کیگئی ہے وہ قطعی ہین اور جن چیزون کے ساتھ ان کا تعلق ہے ان کے مخالفت کے اثر کی مقدار کیا ہے،

یہ مسئلہ جیسا کہ ہمنے بیان کیا بنیاد فقہ ہونے کی حیثیت سے اگرچہ نہایت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس دور کے فقہا نے اس پر اتفاق نہین کیا بلکہ اس کے اجمال و تفصیل مین نہایت کثرت سے اختلافات کیے، چنانچہ امام شافعیؒ کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۲۱۷ مین فرماتے ہین کہ ,, قرآن، حدیث، اور عام لوگون کے کلام مین امر کے متعدد معانی ہو سکتے ہین، ایک یہ کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے ایک چیز کو حرام کیا پھر اسکو مباح کر دیا، اس لیے اس موقع پر امر کے معنی ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کے ہین مثلاً خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد

و اذا حللتم فاصطادوا — جب تم نے حج کا احرام کھول دیا تو شکار کرو،

فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الارض — جب نماز جمعہ ادا کی جا چکی تو زمین مین پھیل جاؤ

وابتغوا من فضل اللہ — اور خدا کے فضل کی تلاش کرو،

کیونکہ خدا نے پہلے محرم پر شکار کرنا حرام کیا اور اذان جمعہ کے وقت بیع کی ممانعت فرمائی، پھر ان اوقات کے علاوہ جن مین ان دونون کو حرام کیا تھا ان دونون کو مباح کردیا،

خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد،

وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ فان — عورتون کو اُن کی مہرین دو، اور اگر وہ اُن مین سے

طبن لکم عن شئی منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا — کچھ بخوشی چھوڑ دین تو اس کو مزے سے کھاؤ،

فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا — جب قربانیان ذبح ہو چکین تو ان مین سے کھاؤ،

اور اُن کے مثل اور بہت سے ارشادات قرآن مجید اور احادیث مین موجود ہین لیکن احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا نماز جمعہ کے بعد تجارت کیلئے منتشر ہو جانا اگر عورت بخوشی مہر کا کوئی حصہ چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اُٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہین ہے،

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول مین،

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم — اپنی بیواؤن اور اپنے نیک لوگون کا نکاح کردیا کرو،

یہ احتمال ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے ان لوگون کی جو بھلائی متصور ہے اس کا راستہ دکھلایا ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ کا یہ قول،

ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ — اگر وہ محتاج ہون گے تو خداوند تعالی اپنے فضل کر
من فضلہ — اُن کو دولت مند بنا دیگا،

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نکاح عفت اور دولت کا سبب ہو سکتا ہے
جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مین

سافروا تصحوا وترزقوا — سفر کرو تا کہ تمھین صحت اور رزق حاصل ہو،

صرف ان چیزون کا راستہ دکھایا گیا ہے صحت اور رزق کیلیے سفر کرنا فرض نہین ہے،

اور یہ بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم فرض ہو، اور خدا نے جو چیز فرض کی ہے اس مین بھلائی ہی ہے، اس لیے فرض اور بھلائی دونون ایک جگہ جمع ہو سکتے ہین

اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب تک قرآن حدیث، یا اجماع سے یہ نہ ثابت ہو کہ امر سے قطعیت مراد ہے، اس لیے وہ فرض ہے جس کا چھوڑنا جائز نہین تمام امر کے معنی اباحت اور بھلائی کا راستہ دکھانے کے ہین، مثلاً خداوند تعالی کا یہ قول،

واقیموا الصلاۃ واتوا الزکاۃ — نماز قائم کرو اور زکاۃ دو،

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فرض ہے، ان ارشادات مین

خذ من اموالھم صدقۃ — اُن کے مال سے صدقہ لو،

واتموا الحج والعمرۃ للہ — خدا کیلیے حج اور عمرہ کو پورا کرو،

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع — اور خدا کیلیے لوگون پر یعنی ان لوگون پر جنکو سفر

البیہ سبیلا) کی استطاعت ہو خانہ کعبہ کا حج فرض ہے)

خدا نے امر کے سلسلہ مین حج اور عمرہ دونون کا ذکر ایک ہی ساتھ کیا ہے لیکن فرض مین حج کو الگ کر لیا ہے اس لیے اکثر اہل علم نے عمرہ کو صرف فرض نہین کہا ہے گو ہم یہ پسند نہین کرتے کہ کوئی مسلمان اسکو چھوڑ دے، اور قرآن مجید مین اس قسم کی مثالین بہت سی ہین،

اور خداوند تعالی نے جس چیز کی ممانعت کر دی ہے جب تک یہ ثابت ہو کہ اس نہی سے حرمت مراد نہین بلکہ ارشاد تنزیہ یا ادب مراد ہے اس وقت تک وہ حرام سمجھی جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزون سے ممانعت فرمائی ہے انکا بھی یہی حال ہے،

اور جن لوگون کا یہ قول ہے کہ جب تک دلیل سے یہ ثابت ہو کہ امر فرض ہے اس وقت تک وہ غیر فرضیت پر رہے گا اس سے اُن کی مراد ہے کہ امر و نہی مین جو فرق ہم نے بیان کیا ہے، اس پر وہ دلالت ہو اور ہم نے قرآن و حدیث کی ابتدا مین جو کچھ بیان کیا اور اُن کے امثال سے اس لیے خاموشی اختیار کی کہ جو کچھ ہم نے بیان کر دیا وہ اس چیز کیلیے کافی ہے جسکو ہم نے بیان نہین کیا، سفیان نے محمد بن عجلان سے، انھون نے اپنے باپ سے اور انھون نے حضرت ابو ہریرۃ سے ہم کو خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک مین تمکو چھوڑے رکھون تم بھی مجھے چھوڑے رکھو کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ کثرت سوالات اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو مین تم کو جو حکم دون اسپر جہان تک تم استطاعت رکھتے ہو عمل کرو، اور جس چیز سے مین تم کو روک دون اُس سے باز آو، یہ بھی احتمال ہے کہ امر نہی کے معنی مین ہو اس لیے دونون باہم لازم و ملزوم ہون

البتہ اس صورت مین یہ تلازم نہو گا جب کسی دلیل سے یہ ثابت ہوجاے کہ دونون لازم و ملزوم نہین، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ "امر پر حسب استطاعت عمل کرو" یہ مطلب ہوگا کہ تم کو صرف اس امر پر عمل کرنا چاہیئے جو تمھاری استطاعت مین ہو، کیونکہ لوگون کو صرف اُن افعال کی تکلیف دی گئی ہے جو اُن کی استطاعت مین ہین اور خود فعل کی حقیقت ہی مین استطاعت داخل ہے کیونکہ وہ بہ تکلف کیا جاتا ہی لیکن انسان جس چیز کو چھوڑنا چاہے وہ اُسکی استطاعت مین داخل ہی کیونکہ اسکو کوئی ایسا کام کرنا نہین پڑتا جسکی نسبت یہ کہا جاے کہ یہ ایک چیز ہے جس سے وہ باز آتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ قرآن مجید کی تلاوت اور علم حدیث کی معرفت کے وقت اہل علم کا یہ فرض ہی کہ ان دلائل کی جستجو کرین جس سے ایک ساتھ امر و نہی مین فرض مباح اور غیر مفروض ارشاد و ہدایت کا فرق معلوم کرسکین، امام شافعیؒ رسالہ مین فرماتے ہین کہ نہی کے کبھی کچھ معنے ہوتے ہین اور کبھی کچھ، اور یہ صرف استدلال سے معلوم ہوسکتا ہی، انھون نے اس کی چند مثالین بھی دی ہین اور ہم اس موقع پر ان مین سے بعض کو اس لیے درج کرتے ہین کہ وہ ان کی بقیہ مثالون پر بھی دلالت کرسکین،

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے" اُسکے بعد انھون نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلالت سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ نہی کے معنی کچھ اور ہین تو اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ آدمی نے جب سے منگنی شروع کی ہے اُس کے چھوڑ دینے تک ایک آدمی کا دوسرے آدمی کی منگنی کرنے پر منگنی کرنا حرام ہے، ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک جواب ہو جس سے آپ نے ایک معنی

مراد لیے ہون لیکن جس راوی نے یہ حدیث بیان کی ہو اُس نے اُس سبب کو نہ سُنا ہو جسکی بنا پر آپنے ایسا ارشاد فرمایا اس لیے اُس نے حدیث کے بعض حصے کو تو بیان کیا اور بعض کو چھوڑ دیا یا بعض حصے مین اُسکو شک واقع ہوا اور جس چیز مین یہ شک واقع ہوا اُس سے اُس نے خاموشی اختیار کی یعنی رسول اللہ صلعم سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ اُس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اُس سے راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کی اجازت دیدی، اُس کے بعد اس کو دوسرے شخص نے نکاح کا پیغام دیا جو اسکے نزدیک پہلے سے بہتر تھا، اب وہ پہلے سے جس کے ساتھ اُس نے نکاح کی اجازت دی تھی پھر گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی خاص حالت مین دوسرے شخص کو عورت کے پیغام نکاح دینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اُس نے پہلے جس شخص کے نکاح کی اجازت دی ہے اس سے پھر کر دوسرے کو پسند کرلے لیکن وہ دوسرا اُس سے نکاح نہ کرے، اس لیے اس سے عورت کے حق مین بھی خرابی پیدا ہوگی اور اس شخص کے حق مین بھی جسکے ساتھ اُس نے نکاح کی اجازت دی تھی اس کے بعد انھون نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی کی حدیث روایت کی ہے کہ انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے اُن سے نکاح کا پیغام دیا ہے لیکن آپ نے فرمایا کہ "ابوجہم تو ہمیشہ سفر مین رہتے ہین اور معاویہ ایک مفلس آدمی ہین، تم اسامہ بن زید سے نکاح کرو"، اس حدیث سے دو باتین ثابت ہوتی ہین، ایک تو یہ کہ آپکو یہ معلوم تھا کہ ان دونون نے ایک دوسرے کے بعد ان کو پیغام نکاح دیا تھا لیکن جب آپ نے ان دونون کو منع نہین کیا اور اُن سے یہ نہین فرمایا کہ ان مین ایک کو پیغام نکاح دینے کا اس وقت تک حق حاصل نہ تھا جب تک دوسرا اپنے پیغام نکاح کو ترک نہ

کردے اور آپ نے ان دونون کے پیغام نکاح کے بعد ان کو اسامہ بن زیدؓ کے نکاح کے لیے پیغام دیا، تو اُس سے ہم نے بطور استدلال کے یہ نتیجہ نکالا کہ انھون نے نکاح پر رضامندی ظاہر نہین کی تھی، اور اگر وہ کسی سے رضامند ہو چکی ہوتین تو آپ اُسکے ساتھ اُن کو نکاح کا حکم دیتے اور یہ کہ اُنھون نے آپ کو اُس پیغام نکاح کی خبر اسلیے دی تھی کہ اُنھون نے ابتک نکاح کی اجازت نہین دی تھی اور غالبًا آپ سے مشورہ طلب کیا تھا، اور اجازت نکاح کے بعد وہ ایسا مشورہ طلب نہین کرسکتی تھین لیکن جب آپنے انکو اسامہ بن زیدؓ کے نکاح کا پیغام دیا تو اُس سے ہمنے یہ نتیجہ نکالا کہ آپنے جس حالت مین نکاح کا پیغام دیا وہ اُس سے مختلف تھی جسمین آپنے پیغام نکاح دینے کی ممانعت فرمائی تھی اور اس قسم کی حالت جسمین ایک کی منگنی حلال اور دوسرے کی حرام ہو صرف اس صورت مین ہوسکتی ہی جب اُس نے ولی کو اجازت نکاح دیدی ہو، اسلیے اگر ولی نے اس کا نکاح کر دیا تو اس کے شوہر کیلیے یہ حق ہے کہ اسکو نکاح کا پابند بنالے اور ولی کیلیے بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے، اور وہ عورت اُس کے لیے حلال ہو گی لیکن اس کے پہلے عورت کی حالت یکسان ہے، اور جب تک وہ اجازت نہ دے ولی کو اُسکے نکاح کا حق حاصل نہین، اور اُس کے میلان یا عدم میلان دونون برابر ہین، غرض امام شافعیؒ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث مین جس منگنی کی ممانعت کی گئی ہے، وہ وہ ہے جب عورت ولی کو نکاح کی اجازت دیدے تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہو جائے لیکن جب تک خود ولی کا معاملہ جائز نہو، عورت کی ابتدائی اور انتہائی دونون حالت یکسان ہی،

بعض فقہاء کا قول ہے کہ جب عورت منگنی کرنے والے کی طرف مائل ہو تو اس صورت مین دوسرے کو منگنی کرنے کا حق حاصل نہین، امام شافعیؒ نے جو یہ قید لگا دی ہے کہ یہ ممانعت اُس صورت مین ہے جب وہ ولی کو نکاح کرنے کی اجازت دیدے، ان لوگون نے اسکی جگہ

یہ قید لگائی ہے، یہ امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے ہے، چنانچہ امام مالکؒ اس حدیث کو موطا میں روایت کر کے فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی کہ، "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے" ہماری رائے میں تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کو پیغام نکاح دے اور وہ اس کی طرف میلان ظاہر کرے اور دونوں کا اتفاق ایک معین مہر پر ہو جائے اور وہ دونوں اس پر راضی ہوں اور وہ عورت مرد کو اس پر اپنا پابند بنانا چاہے، ایسی حالت میں آپ نے دوسرے شخص کو پیغام نکاح دینے کی ممانعت فرمائی ہے، آپ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ایک مرد نے عورت کو پیغام نکاح دیا اور اس نے نہ اس سے موافقت کی نہ اسکی طرف میلان ظاہر کیا تو ایسی حالت میں بھی دوسرا شخص اس کو پیغام نکاح نہیں دے سکتا، کیونکہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی پیدا ہو جائے گی"

دونوں اماموں کے طریقے اگرچہ مختلف ہیں، لیکن دونوں نے مطلق حدیث کو مقید کیا ہے، امام مالک نے اس میں اس لیے قید لگائی ہے، کہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی واقع ہوگی اور امام شافعی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کے رو سے اس کو مقید کیا ہے، لیکن بعض فقہاء نے اس ممانعت کو حالت اطلاق ہی میں رکھا ہے، اور ان کا یہ قول ہے کہ جب ایک عورت کو ایک شخص نے پیغام نکاح دیدیا تو جب تک وہ اُس کو چھوڑ نہ دے دوسرے کے لیے اس سے منگنی کرنا جائز نہیں لیکن اگر کسی نے اس حدیث کی مخالفت کر کے نکاح کر لیا تو اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ یہ ممانعت حرمت کیلئے نہیں ہے، بلکہ کراہت کیلئے ہے، اس لیے نکاح جائز ہو جائیگا لیکن بعض فقہاء کے نزدیک نکاح کو

فسخ کر دیا جائیگا، امام مالک سے یہ دونون قول مروی ہین اور تیسرا قول یہ ہے کہ زفاف سے پہلے نکاح فسخ ہوجائیگا اور زفاف کے بعد قائم رہے گا، اور یہ اختلافات جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہین خود نہی مین اختلافات کا نتیجہ ہین۔

ایک دوسری مثال جسمین فرض کو فرضیت سے نکالا گیا ہے یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے" اور حضرت ابن عمر رض کی حدیث یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ مین آئے اُس کو غسل کر لینا چاہیئے" اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کے دو معنے ہوسکتے ہین، پہلا معنی جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ نماز جمعہ کیلئے بغیر غسل کے طہارت کافی نہین ہوسکتی جس طرح جنبی کیلیے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہین ہوتی، دوسرے معنی یہ ہین کہ پاکیزگی اخلاق اور صفائی طبع کے لحاظ سے وہ واجب ہے اور آدمی کو چاہیئے کہ اسکو پسند کرے، اس حدیث کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عمر رض سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفان رض مسجد مین آئے اور حضرت عمر بن الخطاب رض خطبہ دے رہے تھے، اور ان سے اُنھون نے فرمایا کہ یہ کیا وقت ہے"، بولے کہ "اے امیر المومنین مین بازار سے پلٹا تو اذان سنی اور وضو سے زیادہ کچھ نہ کر سکا"، بولے "صرف وضو حالانکہ تمکو یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے" امام شافعی رح فرماتے ہین کہ جب حضرت عمر رض کو یہ یاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے، اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمان رض کو اس حکم کا علم تھا، پھر حضرت عمر رض نے حضرت عثمان رض کو یہ حکم یاد بھی دلایا اور حضرت عثمان رض کو وہ معلوم بھی ہوگیا، اس لیے اگر کسی شخص کو یہ خیال ہو کہ حضرت عثمان رض کو یہ حکم یاد نہ تھا تو نماز سے پہلے حضرت عمر رض نے اُنکو یاد دلادیا،

لیکن با این ہمہ جب غسل کے نہ کرنے سے حضرت عثمان رضؓ نے نماز ترک نہ کی اور حضرت عمر رضؓ نے ان کو باہر نکل کر غسل کرنے کا حکم نہ دیا، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونون بزرگون کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اختیاری تھا، یہ نہین کہ اس کے سوا دوسری طہارت اُس کے لیے کافی نہین ہو سکتی؛ خلاصہ یہ کہ شریعت کے اوامر و نواہی سے استنباطِ احکام مین فقہاء کے درمیان اختلاف تھا، کبھی وہ اسکو فرض و تحریم پر باقی رکھتے تھے اور کبھی اسکو فرضیت و تحریم سے نکالکر استحباب اور کراہت کی طرف لاتے تھے اور کبھی اس سے صرف ہدایت و ارشاد کے معنی مراد لیتے تھے اور یہ سب کچھ قرینہ، استدلال اور راے سے کرتے تھے، چنانچہ اس موقع پر ہم چند مثالین درج کرتے ہین جن سے استنباط فقہا کی دقت نظری ظاہر ہوگی؛

شارع نے معاملات کو اُنکے مسببات کا سبب قرار دیا ہی، مثلاً اُسنے بیع کو اس بات کا سبب قرار دیا ہے کہ اس سے فروخت شدہ چیز کی ملکیت مشتری کو اور قیمت بائع کو حاصل ہوجائے اور رہن سے شی مرہون پر مرتہن کا حق ثابت ہوجاتا ہی اور وہ تمام قرضخواہون پر مقدم قرار دیا جاتا ہے، اسکے علاوہ اور بھی معاملات ہین جنکو شارع نے جائز کیا ہی اور انکو ایک چیز کا سبب بنایا ہی، لیکن جب یہ معاملات کسی وصف کے ساتھ متصف ہوجاتے ہین تو شارع اُن کی ممانعت کردیتا ہے مثلاً سود کو وہ ناجائز قرار دیتا ہی، اور اداے قیمت کے لیے ایک نامعلوم مدت کی تعیین سے منع کرتا ہے تو کیا اس صورت مین یہ معاملات اپنے مسببات کا سبب نہین ہوسکتے اور وہ بالکل باطل ہوجاتے ہین جن کے ذریعہ سے نہ تو انتقالِ ملکیت ہوتا اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا؟ بعض فقہاء کا یہی خیال ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب نے اسپر ایک دقیق نظر ڈالی ہے، اور ان کا قول ہے کہ بیع کو مثلاً شارع نے ایک چیز یعنی انتقالِ ملکیت کا سبب قرار دیا ہی، اور کسی مکروہ وصف کے

عارض ہو جانے سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کی بیع کرنا حرام ہے لیکن ان
دونوں سببات میں کوئی تناقض نہیں ہے اور ان میں ہر ایک کا اثر ایک ساتھ ظاہر
ہو سکتا ہے، اور اس طریقہ سے ایک ایسی بیع کا وجود ہوتا ہے جو ایک وقت میں حرام
بھی ہو سکتی ہے، اور اس سے انتقال ملکیت بھی ہو جاتا ہے، البتہ ان لوگوں نے
حصول ملکیت کیلئے قبضہ کی شرط لگائی ہے، اور اس قسم کی بیع کو فاسد کہتے ہیں اور انکا
قول ہے کہ نہی کے اثر کے زائل کرنے کے لیے بائع و مشتری پر یہ فرض ہے کہ وہ بیع کو
فسخ کر دیں، لیکن اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور مشتری نے فروخت شدہ چیز میں تصرف
کیا تو اس کا یہ تصرف اُس ملکیت میں ہو گا جو اس نے بیع کے ذریعہ سے حاصل کی ہے،
یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے اس مسلک کی بنیاد صرف رائے پر نہیں ہے، بلکہ طلاق کے
معاملے میں خود شارع نے بھی یہی روش اختیار کی ہے، کیونکہ طلاق ایک شرعی تصرف کا نام
ہے جو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے زوجیت کا رشتہ توڑ دیا جائے اور
شارع نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق حالت طہر میں دینا چاہیئے جس میں شوہر نے بی بی کے
ساتھ جماع نہ کیا ہو، اس بنا پر حائضہ عورت کا طلاق ممنوع ہے، لیکن باوجود اس کے
جب حضرت ابن عمرؓ نے ایسا کیا تو رسول اللہ صلعم نے اُن کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورت سے
رجعت کر لیں، اور باوجودیکہ اُنھوں نے حالت حیض میں طلاق دی تھی لیکن آپ نے
اس کا اعتبار کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مکروہ وصف کے عارض ہو جانے
کی بنا پر تصرف شرعی سے جو ممانعت کر دی جاتی ہے، وہ اسکی سببیت کو باطل نہیں کرتی،
جو لوگ ممنوعہ طلاق کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ممنوعہ بیع کا اعتبار نہیں کرتے ان کی
تردید کے لیے یہ قول نہایت مناسب ہے کیونکہ عقلی حیثیت سے ان دونوں کی حیثیت

ایک ہے لیکن اہل ظاہر کی مخالفت مین اس سے کام نہین چل سکتا کیونکہ وہ تمام ممنوعہ تصرفات شرعیہ کے متعلق ایک کلی راے رکھتے ہین اور اُن کو قابل اعتداد نہین سمجھتے یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ عورت کی طلاق جائز نہین، کیونکہ شریعت مین اس کی نہی وارد ہوئی ہے اور پہلا فریق جو یہ دعوی کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی طلاق کو جائز قرار دیا تھا اُس کی صحت پر اُن کو اعتراض ہے؟

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خداوند تعالی نے میعادی قرض کے لیے دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے اور اسکو نہایت تاکید کے ساتھ جیسا کہ آیت دین سے معلوم ہوتا ہے بیان کیا ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک قرض کیلیئے دستاویز لکھنا واجب نہین ہے اور یہ امر صرف ارشاد وہدایت کیلیئے ہے اس لیے جس نے ایسا کیا اس نے اپنے لیے ایک احتیاط کی لیکن جسنے اس پر عمل نہین کیا اس پر کوئی گناہ نہین صرف اس نے ایک احتیاط کو ترک کر دیا،

ان لوگون نے یہ نتیجہ اخیر آیت مین خداوند تعالی کے اس قول سے نکالا ہے،

فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ،	اگر تم مین ایک دوسرے کو امین بنائے تو جو شخص امین بنایا گیا ہے اُسکو چاہیئے کہ اپنی امانت ادا کر دے

لیکن اہل ظاہر نے ان کی مخالفت کی ہے اور اُن کے نزدیک قرض کے لیے دستاویز لکھنا تمام واجبات ماموربہا کی طرح واجب ہے اس لیے جو شخص دستاویز نہ لکھے گا وہ گناہگار ہوگا لیکن غالبًا وہ لوگ اس مین یہ قید لگائین گے کہ جب دائن مدیون کو امانت دار نہ سمجھے تو دستاویز لکھنا واجب ہے جیسا کہ اخیر آیت سے سمجھا جاتا ہے،

مسئلۂ امر ونہی کی بحث اُن اختلافات کے ساتھ جو ان کے ذریعہ سے استنباط احکام مین پیدا ہوئے ہین نہایت طویل ہے اور اس موقع پر اُس کا استقصا نہین کیا جا سکتا

لیکن ہم نے جو کچھ بیان کر دیا، اس سے یہ کافی طور پر معلوم ہو جاتا ہے، کہ وہ نزاع کا ایک میدان اور اختلافات کے اسباب مین ایک سبب ہے، اور اُس کے ذریعہ سے ان لوگون کے درمیان فرق ظاہر ہو جاتا ہے، جن مین ایک فریق روحِ فقہ کا لحاظ رکھتا ہے، اور دوسرا فریق صرف نصوص کے الفاظ و عبارت کو دیکھتا ہے،

۶۔ تدوینِ اصولِ فقہ،

اصل احکام مین جو اختلافات پیدا ہوے ان کی وجہ سے فقہا نے اصولِ فقہ کی تدوین کی جو اُن قواعد کا نام ہے جن کی پیروی ہر مجتہد استنباطِ احکام مین کرتا ہے، تاریخ ابی یوسف اور محمد بن حسن مین مذکور ہے کہ ان دونون بزرگون نے ان اصول کے متعلق کتابین لکھی ہین لیکن افسوس ہے کہ ہم تک اُن کی کوئی کتاب نہین پہونچ سکی، اس کے متعلق ہم تک جو کچھ پہونچا ہے اور اس علم کا اصلی سنگِ بنیاد اور عظیم الشان ذخیرۂ بحث خیال کیا جاتا ہے، وہ امام شافعی کا رسالہ ہے جسمین انھون نے حسبِ ذیل امور سے بحث کی ہے،

(۱) قرآن اور اس کا بیان،

(۲) حدیث اور قرآن مجید کے مقابلہ مین اس کا درجہ،

(۳) ناسخ اور منسوخ،

(۴) عللِ احادیث،

(۵) خبرِ واحد

(۶) اجماع،

(۷) قیاس

(۸) اجتہاد

(۹) استحسان

(۱۰) اختلاف

انھون نے پہلی فصل مین قرآن مجید کے بیان کی کیفیت لکھی ہے اور اس کی متعدد قسمین قرار دی ہین، مثلاً

(۱) خدا نے اس کو لوگون کے لیے نصاً بیان کر دیا ہو مثلاً تمام فرائض؛

(۲) خدا نے قرآن مجید کے ذریعہ سے اُس کو فرض کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کی کیفیت بیان کی ہو، مثلاً نمازون کی تعداد،

(۳) اس کے متعلق خود خدا کا کوئی تصریحی حکم نہ ہو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو مقرر کیا ہو،

(۴) خداوند تعالیٰ نے اُسکی طلب و جستجو کیلیے بندون پر اجتہاد فرض کر دیا ہو اور اس اجتہاد کے ذریعہ سے ان کی اطاعت کی آزمائش مقصود ہو جیسا کہ اس نے اور فرائض مین اِن کی اطاعت کا امتحان لیا ہے،

امام شافعی رح نے ان مین ہر قسم کے سمجھانے کے لیے کافی مثالین دی ہین، اُس کے بعد اُنھون نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان مین ہے، اور اس مین کوئی چیز بجز عربی کے اور کسی زبان مین نہین بیان کی گئی ہے، اور جن لوگون کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید مین عربی اور عجمی دونون قسم کے الفاظ ہین اُن کے ساتھ بحث کی ہے، اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ جس طرح عرب اپنے کلام کے معنے سمجھتے ہین اسی طرح قرآن مجید بھی سمجھا

جائے گا، اور عرب کا طریقۂ کلام یہ ہے کہ وہ کبھی ایسا فقرہ بولتے ہین جس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے اور عموم مقصود بھی ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید مین اس کی مثال یہ ہے'

خالق کل شئی فاعبدوہ وھو علی کل شئی وکیل' — خدا ہر چیز کا خالق ہے اس لیے اس کو پوجو اور وہ ہر چیز کا ضامن ہے

لیکن کبھی اس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے، لیکن مقصود خاص ہوتا ہے قرآن مجید مین اس کی مثال یہ ہے'

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم — وہ لوگ جن سے لوگون نے کہا کہ لوگ تمھارے لیے جمع ہوے ہین'

حالانکہ نہ تمام لوگون نے ایسا کہا تھا اور نہ تمام لوگ جمع ہوے تھے،

کبھی بظاہر کلام سے ایک معنی سمجھے جاتے ہین لیکن سباقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہری معنی مراد نہین، مثلاً

واسال القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا، — اس گانون سے پوچھو جس مین ہم تھے اور اس قافلے سے جسمین ہم آئے'

لیکن سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قریہ اور اہل قافلہ مراد ہین'

کبھی ظاہرِ قرآن سے عموم سمجھا جاتا ہے، لیکن سنت اس کی تخصیص پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ آیتِ وراثت سے بظاہر عموم مفہوم ہوتا ہے لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض باپ، بعض لڑکے اور بعض میان بیوی مراد ہین' یعنی وہ باپ' وہ لڑکے وہ میان بیوی جن کا دین ایک ہو اور ان دونون مین سے وارث قاتل یا غلام نہو'

اس کے بعد انھون نے یہ بیان کیا ہے کہ خود خداوند تعالیٰ کے حکم سے حدیث پر

عمل کرنا فرض ہے، اور خداوند تعالیٰ کے ان ارشادات مین،

ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ	اور پیغمبر لوگون کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،
واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ،	اور تمھارے گھرون کے اندر آیات اللہ اور حکمت کی جو تلاوت کی جاتی ہے اس کو اے ازواجِ مطہرات، یاد کرو،

حکمت سے یہی حدیث مراد ہے،

انھون نے حدیث کے حجت ہونے پر نہایت تفصیل کے ساتھ دلیل قائم کی ہے اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین قرآن مجید کے ساتھ دو قسم کا تعلق رکھتی ہین، ایک تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ قرآن مجید کی آیات کا اتباع کیا ہے، دوسرے مجملات قرآنیہ کی تشریح کی ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُن کو کیونکر فرض کیا ہے؟ وہ عام ہین یا خاص؟ اور بندون کو ان پر کیونکر عمل کرنا چاہیئے؟ لیکن ان دونون صورتون مین آپ نے کلام الٰہی کی پیروی کی ہے، اسکے بعد انھون نے یہ بیان کیا ہے کہ حدیث کی ایک تیسری قسم بھی ہے یعنی وہ حدیثین جنکے متعلق قرآن مجید مین کوئی نص موجود نہین، اور اسی مین اختلاف ہے بعض لوگ اس کو جائز رکھتے ہین، اور بعض لوگون کے نزدیک کوئی ایسی حدیث نہین ہے جسکی اصل قرآن مجید مین موجود نہ ہو، اس لیے آپ نے جس چیز کو حلال یا حرام کیا وہ خداوند تعالیٰ کے ارشاد کی تفسیر ہے، جیسا کہ آپ نے نماز کی تشریح فرمائی ہے، اور بعض لوگ یہ کہتے ہین کہ آپ کی خدمت مین ان حدیثون کے متعلق خداوند تعالیٰ کا پیغام پہونچا اور خداوند تعالیٰ ہی کے فرض کرنے سے وہ حدیثین مسنون ہوئین، اور بعض لوگون کا خیال ہے کہ تمام حدیثین

بطور الہام کے آپ کے دل میں ڈالی گئیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں جو صورت بھی ہو لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت بہرحال فرض کر دی ہے،

اس کے بعد انھوں نے ناسخ و منسوخ پر بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ رحمت کے لیے قرآن مجید کبھی کبھی منسوخ ہو جاتا ہے یعنی خداوند تعالیٰ نے ابتدا میں جو احسان کیا تھا اس میں بندوں کے لیے اضافہ و توسیع کر دیتا ہے لیکن قرآن مجید کا نسخ صرف قرآن مجید ہی سے ہو سکتا ہے، حدیث قرآن مجید کو منسوخ نہیں کر سکتی بلکہ وہ خود قرآن مجید کی تابع ہوتی ہے کبھی بعینہ نص قرآن کا اتباع کرتی ہے، کبھی اس کے مجملات کی تشریح کر کے خداوند تعالیٰ کے مراد معنی کو بتاتی ہے، اسی طرح حدیث کا نسخ بھی صرف حدیث ہی سے ہو سکتا ہے، انھوں نے اس پر جو دلیل قائم کی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی رائیں جو حدیث سے کم درجہ رکھتی ہیں حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں البتہ وہ قرآن مجید سے منسوخ ہو سکتی ہیں لیکن اسوقت ایک ایسی حدیث کا ہونا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ منسوخ ہے، انھوں نے یہ احتیاط اس لیے کی ہے کہ کہیں لوگ صرف عمومات قرآنیہ پر عمل کر کے اُن کی مخصص حدیثوں کو نہ چھوڑ دیں اور یہ دلیل لائیں کہ عموم قرآن نے تخصیص حدیث کو منسوخ کر دیا ہے، چنانچہ اُنھوں نے اس کی توضیح کر دی ہے، اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ کبھی حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک آیت قرآنی دوسری آیت سے منسوخ کر دی گئی ہے، مثلاً آیت وصیت اور آیت میراث کے متعلق اس مشہور حدیث

لا وصیۃ لوارث — وارث کیلیے وصیت نہیں ہے

سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ وارث نے وصیت کو منسوخ کر دیا ہے اس لیے والدین اور

اور اقارب کیلیے وصیّت فرض نہین ہے لیکن طاؤس اور ان کے ساتھ چند لوگ یہ کہتے ہین کہ والدین کیلیے تو وصیت منسوخ ہے، اور قرابت کی وجہ سے غیر وارثوں کے لیے ثابت ہے۔ اس کے بعد انھون نے اُن فرائض کی چند مثالین دی ہین جنکو خداوند تعالی نے نصاً نازل فرمایا ہے، اور وہ فرائض منصوصہ بھی بیان کیے ہین جن کو اُن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہین، اور اس فرض منصوص کا بھی ذکر کیا ہی جسکی نسبت حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے خاص مراد ہے، اس کے بعد انھون نے یہ بیان کیا ہی کہ باوجود عموم قرآن کے فقہا بالاتفاق قاتل کو مقتول کی وراثت نہین دلواتے، اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جس سے لازمی طور پر اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثون مین فرق وامتیاز نہین کرنا چاہیے کیونکہ جب خداوند تعالی کے ایک فرض منصوص کے متعلق ان کا یہ درجہ ہے اور اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض صرف بعض لوگون کے لیے ضروری ہے بعض لوگون کے لیے نہین ہے تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا اور جو احکام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے ہین، اور اُن کی نسبت خود خداوند تعالی کا کوئی حکم نہین ہی، ان کی بھی یہی حالت ہوگی اور ایک عالم کو انکی فرضیت مین بطریق اولی شک نہین کرنا چاہیے، اور یہ جاننا چاہیے کہ احکام الٰہی اور احکام نبوی مین اختلاف نہین ہوتا، اور دونون ایک ہی روش پر چلتے ہین

اس کے بعد انھون نے علل حدیث کا بیان کیا ہے، اور ایک گمنام شخص کے اعتراض سے اُسکی ابتدا اس طرح کی ہے کہ بعض حدیثین ایسی ہین کہ قرآن مجید مین بھی اسی قسم کی تصریح موجود ہی، اور بعض حدیثین ایسی ہین کہ قرآن مجید مین اجمالاً اسی کے مثل نص پائی جاتی ہے، بعض حدیثین ایسی ہین کہ ان کا اکثر حصہ قرآن مجید سے ماخوذ ہی، اور

بعض حدیثین ایسی ہین کہ اُن کے متعلق قرآن مجید مین کچھ مذکور نہین ہی، بعض احادیث بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہین اور بعض مین اختلافات ہین، بعض حدیثین باہم ناسخ ومنسوخ ہین اور بعض مین اختلافات ہین جن مین ناسخ ومنسوخ پر کوئی دلالت نہین ہے

بعض حدیثون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی موجود ہے اور لوگ کہتے ہین کہ آپ نے جس چیز سے ممانعت کردی وہ حرام ہے، لیکن بعض حدیثون کی نہی کے متعلق لوگ کہتے ہین کہ آپ کے امر ونہی اختیاری ہین تحریمی نہین ہین، پھر تم لوگ بعض مختلف حدیثون کو تو لیتے ہو اور بعض کو نہین لیتے اور تم لوگ آپ کی بعض حدیثون پر قیاس کرتے ہو اور تمھارے اس قیاس مین اختلاف ہوتا ہے، لیکن بعض حدیثون کو چھوڑ دیتے ہو، اور اس پر قیاس نہین کرتے تو اس قیاس کرنے اور نہ کرنے پر تمھاری کیا حجت ہے؟ اس کے بعد تم مین اختلافات ہوجاتے ہین، اور تم مین بعض لوگ ایک حدیث کو چھوڑ دیتے ہین اور اسی کے مثل یا اُس سے زیادہ ضعیف الاسناد حدیث کو لے لیتے ہین،

علل حدیث کی توضیح کے بعد انھون نے حدیث کے ناسخ ومنسوخ پر بحث کی ہے اس کی بہت سی مثالین دی ہین اور متعدد حدیثین لائے ہین جو بظاہر مختلف ہین، اور اُن کے وجوہ اختلاف کو بیان کیا ہی کہ مجتہد کیونکر ان مین تطبیق یا ترجیح دے سکتا ہے

اس کے بعد خبر واحد کی صحت پر گفتگو کی ہے اور اس کے حجت ہونے پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور انھون نے جو کچھ لکھا ہے ان مین سب سے زیادہ طویل بحث یہی ہے،

پھر اجماع پر کلام کیا ہے اور اسپر اُن حدیثون سے استدلال کیا ہے جن کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم نے پابندی جماعت مسلمین کی ترغیب دی ہے اور یہ بیان کیا ہے

کہ اس کے معنی اس کے سوا کچھ نہین کہ مسلمانون کی جماعت جس چیز کو حلال یا حرام سمجھتی ہے اُس کی پابندی اور اطاعت کی جائے، اس کے بعد قیاس اور اجتہاد پر گفتگو کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ یہ دونون ایک ہی چیز کے نام ہین، اور یہ ذکر کیا ہے کہ قیاس کی دو صورتین ہین، ایک تو یہ کہ کوئی چیز اصل کے معنی ہین ہوا اور اسمین مختلف قیاس نہین ہوتے، دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول کے مشابہ بہت سی چیزین ہوتی ہین اس لیے اس چیز کا قیاس اُس چیز پر کیا جاتا ہی جو اس سے زیادہ تعلق رکھتی ہے، اور اُس سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے اور قیاس کرنے والے اسی مین اختلاف کرتے ہین، اُنھون نے قیاس پر دلیل قائم کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دین سے ہے، اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہے اُس مین ثواب کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رض کی یہ حدیث روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حاکم نے اگر اپنے فیصلہ مین اجتہاد سے کام لیا اور یہ اجتہاد صحیح نکلا تو اُس کو دو ثواب ملینگے اور اگر اجتہاد مین غلطی کی تو ایک ثواب،

پھر استحسان سے بحث کی ہی، اور جو لوگ اس کے قائل ہین اُن کا رد کیا ہے اور یہ کہ استحسان کے معنی یہ ہین کہ بغیر حدیث و قیاس کے کوئی بات کہی جائے اور یہ بیان کیا ہے کہ قیاس کرنے کا حق کس کو حاصل ہے، اس کے بعد وہ فرماتے ہین کہ قیاس کے چند طریقے ہین جن مین سب سے قوی طریقہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ قرآن پاک مین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی چیز کو حرام قرار دین اس سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ جب اس چیز کا تھوڑا سا حصہ حرام کر دیا گیا تو اس کا بہت سا حصہ بھی اسی کے مثل یا قلت پر کثرت کی زیادتی سے اُس سے زیادہ حرام ہوگا، اسی طرح جب خدا نے تھوڑی سی طاعت کی

تعریف کی تو جو طاعت اُس سے زیادہ ہوگی اُسپر بطریق اولیٰ تعریف کی جائے گی اسیطرح جب خدا نے ایک چیز کے بڑے حصے کو مباح کردیا تو اس کا کم حصہ بطریق اولیٰ مباح ہوگا، لیکن بعض اہل علم اسکو قیاس نہین کہتے اُن کے نزدیک خدا نے جس چیز کو حلال و حرام کیا اور جسپر مدح و ذم کی اس سے یہی مراد ہے کیونکہ وہ اس کے اندر داخل ہو اس لیئے وہ بعینہٖ وہی چیز ہے، دوسری چیز پر اس کا قیاس نہین کیا گیا ہے، جو چیز حلال و حرام کے معنی مین نہین اور ان کو حلال و حرام کردیا گیا اس کی نسبت بھی ان کا یہی قول ہے، قیاس صرف اسکو کہتے ہین کہ دو مختلف معنی مین مشابہت ہو اور اُن مین یہ ثابت کیا جائے کہ اُسکا قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے دوسرے پر نہین ہو سکتا اُن کے علاوہ اور اہل علم کے نزدیک کتاب و سنت کے علاوہ جو چیز اُنکے معنی مین ہو وہ قیاس ہے،

اس کے بعد انھون نے اختلاف پر بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خود قرآن پاک مین یا اپنے رسول کی زبان سے جس چیز کے ساتھ بہ نص صریح دلیل قائم کی ہے، اس مین اُس شخص کیلیے اختلاف جائز نہین جس نے اس کو جان لیا اور جس چیز مین تاویل کا احتمال ہے، یا وہ قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اس مین اختلاف جائز ہے، اسکے بعد وہ بہت سی ایسی مثالین لائے ہین جن کا حکم انھون نے قیاس سے استنباط کیا ہے اور اس قیاس مین اُنکے جو مخالف تھے اُن سے مناظرہ کیا ہے جس سے اُنکی قوت بیان اور وسعت اطلاع معلوم ہوتی ہے

امام شافعیؒ کی تحریر مین مجھ کو سب سے زیادہ جو خوبی نظر آئی وہ یہ ہے کہ وہ جن لوگون سے مناظرہ کرتے ہین اُن کے اقوال کو نہایت کامل اور واضح دلیل کے ساتھ بیان کرتے ہین اور ان کی تمام امکانی قوت کی تفصیل کرتے ہین، اُس کے بعد اُن کے دلائل کو توڑتے ہین اور حدیث سے اپنے اور اپنے مخالفین کے لیے حجت لانے کے متعلق اُنھون نے جو کچھ لکھا ہو اُس سے

زیادہ اس کی کوئی دلیل نہین ہوسکتی حالانکہ بعض متاخرین نے اُسکے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اس سے زیادہ نہین ہے کہ حدیث ایک ضرورت دینی ہے، لیکن ان دونون علمون مین کس قدر فرق ہے؟

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس عہدِ قدیم کی ایک بہترین یادگار ہے، جس سے اُس زمانے کے علمار کی بہت سی خصوصیات مثلاً حسن تحریر، حسن ادب، مناظرات مین مخالفین کا احترام، مناظرات کے وقت کتاب وسنت کا حاضر الذہن ہونا معلوم ہوتی ہین۔

۷:- اصطلاحات فقہیہ کا ظہور

قرآن مجید جس چیز کا خواستگار رہتا تھا اُس کا مطالبہ ان اسالیب بیان کے ساتھ کرتا تھا جنکی توضیح ہم دور اول مین کر چکے ہین، لیکن قوت مطالبہ مین ان مین کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب پر ترجیح حاصل نہین ہے بلکہ اس مین سب کے سب برابر ہین، اس معاملے مین حدیث کا بھی یہی حال تھا لیکن فقہار کی نگاہ مین جب یہ مطالبے الگ الگ صورتون مین نمایان ہوئے تو مجبوراً انھون نے ان پر دلالت کرنے کے لیے الگ الگ نام رکھے، مثلاً فرض، واجب، سنت، مندوب، مستحب،

فرض اور واجب ان چیزون کو کہتے ہین جن کا مطالبہ ضروری ہوتا ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک فرض وہ ہے جسکا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول و دلالت دونون مین قطعی ہو مثلاً آیات قرآنیہ اور وہ حدیثین جو نص ہونے کے ساتھ تواتر یا شہرت کے ذریعہ سے قطعی طور پر ثابت ہون، اور واجب وہ ہے جس کا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول، یا دلالت یا دونون طریقے سے ظنی ہو، مثلاً نماز کی دو رکعتون مین قرآن مجید

کی ممکن آیتون کا پڑھنا اُن کے نزدیک فرض اور ان دونون رکعتون مین فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، اور فرض کے چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز باطل ہوجائے گی اور سہواً واجب کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو لازم آئے گا اور قصداً واجب کے چھوڑنے پر اگر وقت باقی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا لیکن اگر وقت نکل گیا تو وہ شخص گنہگار ہوگا، لیکن حنفیہ کے علاوہ اور لوگون کے نزدیک فرض اور واجب مین کوئی فرق نہین ہے، بلکہ جس چیز کا مطالبہ ضروری طور پر کیا جائے وہ فرض اور واجب ہے، چاہے یہ مطالبہ قطعی دلیل کے ساتھ ہو یا ظنی کے ساتھ، البتہ یہ لوگ حج مین ان دونون کے درمیان یہ فرق کرتے ہین کہ شارع ؑ کے جس مطالبہ کی تلافی نہین ہوسکتی، مثلاً عرفہ کا قیام اور رکن حج کا طواف وہ فرض ہے اور جس مطالبہ کے فوت ہوجانے کی قربانی سے تلافی ہوسکتی ہے مثلاً احرام وہ واجب ہے،

فقہاء کے نزدیک ایک اور فرض ہے جسکا نام فرض کفایہ ہے اور وہ شارع ؑ کے اس مطالبہ کا نام ہے جسمین اس کا کرنے والا مقصود نہ ہو اس لیے اگر کسی مکلف نے اسکو کردیا تو باقی لوگ گناہ سے سبکدوش ہوگئے، لیکن اگر سب نے اسکو چھوڑدیا تو سب کے سب گنہگار ہونگے،

جس مامور بہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اسکی حقیقت سے خارج ہے تو فقہاء اسکو شرط کہتے ہین مثلاً نماز کیلیے قبلہ کی طرف رُخ کرنا، اور اس کا جزء ہو تو اس کا نام رکن رکھتے ہین مثلاً نماز مین رکوع،

حنفیہ کی اصطلاح مین سنت اس کو کہتے ہین جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو، البتہ کبھی کبھی اسکو بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کو آپ نے ہمیشہ نہ کیا ہو اور باوجود اس کی ترغیب دینے کے اسکو نہ کیا ہو، لیکن دوسری اصطلاح مین سنت، مندوب اور مستحب کے ایک ہی معنی ہین یعنی وہ چیز جسکا مطالبہ

قطعی طور پر نہ کیا جائے، البتہ جسکو حنفیہ سنت کہتے ہین اسکو یہ لوگ سنت موکدہ اور جسکو وہ لوگ مندوب اور مستحب کہتے ہین اسکو یہ لوگ سنت غیر موکدہ کہتے ہین، شارع ؑ نے جس چیز سے باز رہنے کا مطالبہ کیا ہے اس کو یہ لوگ اپنی اصطلاح مین حرام اور مکروہ کہتے ہین، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک حرام فرض کا مقابل، مکروہ تحریمی واجب کا مقابل اور مکروہ تنزیہی سنت کا مقابل ہے، اور اُن کے علاوہ اور لوگون کے نزدیک چونکہ واجب اور فرض دونون ہم معنی ہین، اس لیے حرام بھی ان ہی دونون کا مقابل ہے اور مکروہ تحریمی سنت موکدہ کا اور مکروہ تنزیہی بھی سنت غیر موکدہ کا مقابل ہے،

اور شارع ؑ نے جس چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ نہین کیا ہے اُس کو یہ لوگ مباح کہتے ہین،

فاسد اور باطل بھی فقہی اصطلاحات ہین، اور بعض فقہاء کے نزدیک یہ دونون ایک ہی چیز کے نام ہین یعنی وہ چیز جس کا کرنا اس کے کرنے والے کے لیے کافی نہ ہو اور اسپر اس کا نتیجہ ظاہر نہو، لیکن حنفیہ نے ان دونون مین فرق قائم کیا ہے، اور باطل اُس چیز کو کہتے ہین جسکا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، اور فاسد پر اثر تو ظاہر ہوتا ہے، لیکن برائی کے ساتھ، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اصطلاحات ہین جو کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہین لیکن ہم اس موقع پر صرف یہ بتانا چاہتے ہین کہ ان مین اکثر اصطلاحات نو پیدا ہین،

۵: اُن اکابر فقہا کا ظہور جنکی سیادت کو عام طور پر لوگون نے تسلیم کیا،

دونون گذشتہ دورون مین اگرچہ بہت سے بڑے بڑے فقہاء تھے لیکن اُن کی شہرت اس سے زیادہ قائم نہین رہی کہ کتب خلافیہ مین اُن کے اقوال منقول ہوتے ہین،

مثلاً فقہ اسلامی میں فقہائے صحابہؓ اور فقہائے تابعینؒ کی عظیم الشان یادگاریں موجود ہیں،
کیونکہ یہی لوگ سلف صالح، اور بعد کے آنے والوں کیلیے مشعل ہدایت ہیں، لیکن باایں ہمہ
اُن کے نام نہ کرکے رکھدیے گئے اور ان میں کوئی شخص جمہور کا پیشوا نہیں قرار دیا گیا
جن کی تمام رایوں میں وہ لوگ تقلید کرتے ہوں لیکن اس دور میں ایسے ایسے مجتہدین
پیدا ہوئے جنکو جمہور نے اپنا امام بنا لیا ہیں اُن کے نقش قدم پر چلنے لگے، ان کی راؤں پر
عمل کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کو منزلے ساتھ اُن کی دوستی سے انکار تھا اجبر، جیسے انکے
تجاوز کرنا اُن کے لیے جائز نہ تھا، در اُن کے نہ قبول کرنے پر اُن کو سزا دی کیونکہ اُس کو
اِن مجتہدین کو جن اساۃ منحرف ہیں، نہ اس لیے کہ انھوں نے قضارت سے انکار کیا،
(۱) ان کی تمام راتیں بھی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اور معاملے کی سچائی لیں
حاصل نہ تھی، ٹال مٹول کرنے سے نفرت کرتے تھے، شگفتہ رو، پاکیزہ صحبت
(۲) اُن کے تلامذہ، ہمدرد تھے، ان کا قد میانہ، گفتگو کا طریقہ عمدہ اور لہجہ نہایت شیریں
میں ایسا درجہ حاصل تھا، کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے یہاں پانچ سال تک قیام کیا لیکن
(۳) عام طور پر لوگ خاموش آدمی نہیں دیکھا لیکن جب اُن سے فقہ کے متعلق سوال کیا جاتا
کا جو مذہب ہو اُس کا ہونے لگتے تھے اور غلغلہ انگیز گفتگو کرتے تھے" وہ قیاس کے امام تھے،
ہو کہ وہ قضارت کے متعلق ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہؒ غیبت سے
تک نہیں حاصل ہو سکتی ہے، میں نے اُن سے اُن کے دشمن کی غیبت بھی نہیں سُنی، بولے وہ
اب ہم ان فقہا میں یہ نہیں چاہتے کہ اپنے لے درمیان کوئی چیز غالب کردیں جو اُن کا
اُن کے مقلد موجود
(۱) امام ابوحنیفہ نے اُن سے تعلیم حاصل کی اور مسائل کے بنانے اور اُن کے جواب دینے میں

ان کی مدد کی اُنھون نے جو طریقۂ استنباط اختیار کیا تھا اس کو خود اس طرح بیان کرتے ہین کہ جب مجھے کتاب اللہ ملجاتی ہے تو اُس کو لے لیتا ہون، لیکن جس مسئلہ کو کتاب اللہ مین نہین پاتا اُس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آپ کے اُن آثار کو لیتا ہون جو ثقات مین شائع و ذائع ہین، لیکن جب مجھ کو کتاب و سنت مین بھی وہ مسئلہ نہین ملتا تو آپکے اصحابؓ کے قول کو لیتا ہون اور ان مین جسکو چاہتا ہون لیتا ہون اور جسکو چاہتا ہون چھوڑ دیتا ہون اُن کے علاوہ اور کسی کے قول کو نہین لیتا جب ابراہیم شعبی حسن ابن سیرین اور سعید بن المسیب (اور بھی مجتہدین کے نام لیے ہین) تک معاملہ پہونچتا ہے تو مجھے یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ جس طرح ان لوگون نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح مین بھی کرون۔

سہل بن مزاحم کہتے ہین کہ امام ابوحنیفہؒ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ثقہ کو لیتے ہین، بُرائی سے بھاگتے ہین، اور لوگون کے معاملات اور اُس چیز پر جسپر وہ استقامت کے ساتھ قائم ہین اور اس کی وجہ سے اُن کے معاملات ٹھیک ہوگئے ہین نظر ڈالتے ہین، وہ تمام مسائل کے متعلق قیاس کرتے ہین، لیکن جب قیاس ٹھیک نہین ہوتا تو جب تک استحسان سے کام چلتا ہے استحسان سے کام لیتے ہین، لیکن جب استحسان سے کام نہین چلتا تو مسلمانون کے عملدرآمد کی طرف رجوع کرتے ہین، پہلے وہ حدیث معروف و مجمع علیہ کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچاتے تھے پھر جب تک قیاس ہوسکتا تھا اس پر قیاس کرتے تھے، پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان دونون مین جو قابل اعتماد ہوتا تھا اس پر عمل

محمد بن حسنؒ کہتے ہین کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے اصحاب سے قیاسات مین مناظرہ کرتے تھے اور یہ لوگ اس مین اُن کا مقابلہ کرتے تھے، لیکن جب وہ یہ کہدیتے تھے کہ مین استحسان

کرتا ہون تو ان مین کوئی ان کی گرد کو نہین پہونچتا تھا، کیونکہ وہ استحسان مین بہ کثرت مسائل لاتے تھے اس لیے وہ لوگ ان تمام مسائل کو چھوڑ کر اُن کے حوالے کر دیتے تھے، امام ابو حنیفہؒ اہلِ کوفہ کی حدیث و فقہ کے ماہر تھے، اور اُن کے اہل شہر کا جو مذہب تھا اُس کی شدت کے ساتھ تقلید کرتے تھے،

اُن کے زمانہ مین کوفہ مین بڑے بڑے فقیہ تھے،

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو اہلحدیث کے ائمہ مین تھے، اُن کے دینداری ورع، زہد اور ثقاہت پر لوگون کا اجماع ہے اور وہ اُن ائمہ مجتہدین مین ہین جن کے مقلد موجود تھے، سفیان بن عیینہ کہتے ہین کہ مین نے حلال و حرام کا عالم ثوری سے زیادہ کسی کو نہین دیکھا،،

(۲) شریک بن عبد اللہ النخعی ۹۵ھ مین بخارا مین پیدا ہوے اور وہ عالم، فقیہ اور ذہین تھے، مہدی کی خلافت مین کوفہ کے قاضی رہے، پھر موسی ہادی نے اُن کو معزول کر دیا، قضارت مین عادل، حاضر جواب اور کثیر الصواب تھے، ۱۷۷ھ مین کوفہ مین وفات پائی،

(۳) محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، ۷۴ھ مین پیدا ہوے اور وہ اصحاب الرائے مین تھے، کوفہ مین قضارت کی خدمت انجام دی اور ۳۳ سال تک حاکم رہے پہلے بنو امیہ کے عہد مین پھر بنو عباس کے زمانے مین حکومت کی اور فقیہ اور مفتی تھے، امام ثوری کہتے ہین ''ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہمارے فقہا ہین'' ۱۴۸ھ مین وفات پائی،

ان تینون فقہا، اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان نوک جھوک رہتی تھی، سفیان بن سعید ثوری سے تو اس لیے کہ اہل حدیث اور اہل الرائے مین غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی اور ابن ابی لیلیٰ سے اس لیے کہ وہ شہر کے قاضی تھے اور جس چیز کے متعلق وہ اپنا فیصلہ صادر

کرتے تھے، بسا اوقات امام ابو حنیفہ رح سے اُس کے متعلق استفتار کیا جاتا تھا اور وہ اُنکے خلاف فتوے دیتے تھے جس کا اثر ابن ابی لیلیٰ رح پر پڑتا تھا، یہان تک کہ ان لوگون نے ایک بار امیر کو اسپر آمادہ کیا کہ وہ امام ابو حنیفہ کو فتویٰ دینے سے روک دے اور شریک رح اور امام ابو حنیفہ رح کے درمیان معاصرانہ چشمک تھی،

جب ابو جعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو وہان مختلف شہرون کے بہت سے اکابر علمار کو طلب کیا جن مین ایک امام ابو حنیفہ بھی تھے، لوگون کا خیال ہے کہ یہان بھی اُن کے سامنے قضارت کا عہدہ دوبارہ پیش کیا گیا، اور اُسکی وجہ سے اُن کو سزا دیگئی،

امام ابو حنیفہ رح نے ۱۵۰ھ مین وفات پائی،

جن تلامذہ نے اُن سے بحیثیت طالب العلم کے تعلیم پائی اور فروعات کی تفریع اور اُن کے جواب کے دینے مین اُن کو ید طولیٰ حاصل تھا ان مین سب سے زیادہ مشہور تلامذہ حسب ذیل ہین،

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری ۱۱۳ھ مین پیدا ہوے اور جوان ہونیکے بعد روایت حدیث کرنے لگے چنانچہ ہشام بن عروۃ ابو اسحاق شیبانی عطار بن السائب اور اُن کے طبقہ کے لوگون سے روایت کی، اُس کے بعد ابن ابی لیلیٰ رح سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اُن کے ساتھ ایک مدت تک قیام کیا، اُس کے بعد امام ابو حنیفہ رح کے حلقہ درس مین آئے اور اُن کے اکابر تلامذہ اور بہترین مددگارون مین محسوب ہوئے وہ پہلے شخص ہین جنھون نے امام ابو حنیفہ رح کے مذہب مین کتابین تصنیف کین، مسائل قلمبند کروائے اُن کی اشاعت کی اور تمام روے زمین مین امام ابو حنیفہ رح کے علم کو پھیلایا، بہت سے اصحاب حدیث نے بھی امام ابو یوسف رح کی تعریف کی ہے، حالانکہ وہ اصحاب الراے کی تعریف مین بہت کم

تعریفی الفاظ کہتے ہین، مثلاً یحیٰی بن معین کہتے ہین کہ "اصحاب الراے مین امام ابویوسف سے زیادہ کثیر الحدیث اور صحیح الروایت کوئی شخص نہین" انھون نے ان کی نسبت یہ الفاظ بھی کہے ہین "ابویوسف صاحب حدیث اور صاحب السنۃ" امام ابویوسف نے ۱۸۳ھ مین وفات پائی،

(۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوفی ۱۱۰ھ مین پیدا ہوے، پہلے اہل حدیث تھے پھر ان پر راے کا غلبہ ہوگیا اور امام ابوحنیفہ کے تلامذہ مین سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے، لوگ کہتے تھے کہ امام ابویوسف ان لوگون مین سب سے زیادہ تبع حدیث، امام محمد سب سے زیادہ کثیر التفریع، اور زفر سب سے زیادہ قیاس کرنے والے ہین، وہ دنیوی کشمکش سے الگ رہ کر ہمیشہ تعلیم و تعلم مین مصروف رہے یہان تک کہ ۱۵۸ھ مین وفات پائی، اور امام ابوحنیفہ کے شاگردون مین سب سے پہلے انھین نے انتقال کیا،

(۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جو ان کے آزاد شدہ غلام تھے ان کے باپ دمشق کے صوبون مین سے ایک گانون حرستا نامی کے رہنے والے تھے، اس کے بعد عراق مین آئے اور محمد واسط مین ۱۳۲ھ مین پیدا ہوے اور کوفہ مین نشو و نما پائی، اس کے بعد عباسیون کے زیر سایہ بغداد مین اقامت اختیار کی، اور بچپن ہی سے علم حاصل کرنے لگے اور حدیث کی روایت کی اور امام ابوحنیفہ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا، لیکن چونکہ ان کی الکسنی ہی مین امام ابوحنیفہ کا انتقال ہوگیا اس لیے ان کے حلقہ درس مین زیادہ نہ بیٹھ سکے اور امام ابویوسف سے اس طریقہ کی تکمیل کی، چونکہ وہ عاقل اور ذہین تھے، اس لیے بہت زیادہ ترقی کی اور امام ابویوسف کی زندگی ہی مین اہل الراے کا مرجع بن گئے، ان دونون مین باہم نوک جھونک رہتی تھی جو ایک مدت تک قائم رہی یہان تک کہ امام ابویوسف

نے وفات پائی،

امام ابو حنیفہ رح کے مذہب کی تعلیم کا سلسلہ امام محمد ہی کی ذات سے قائم ہوا کیونکہ جیسا کہ تم کو فصل تدوین مین معلوم ہوگا حنفیون کے پاس صرف ان ہی کی کتابین موجود ہین، امام شافعی رح نے بغداد مین اُن سے ملاقات کی اور اُن کی کتابین پڑھین اور بہت سے مسائل مین اُن سے مناظرہ کیا، ان دونون کے مناظرے مدون طور پر موجود ہین اور اُن کا بیشتر حصہ ہم نے خود امام شافعی اور اُن کے تلامذہ کی روایت سے پڑھا ہے، امام محمد نے مقام رے مین جبکہ وہ رشید کے ہمراہ تھے ۱۸۹ھ مین وفات پائی،

(۴) حسن بن زیاد لولوی کوفی جو انصار کے غلام تھے، وہ امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد ہین اس کے بعد امام ابو یوسف رح کے پھر امام محمد رح کے شاگرد ہوئے اور امام ابو حنیفہ رح کے مذہب ہین کتابین تصنیف کین لیکن امام محمد کی رایون اور کتابون کو جو اعتبار حاصل ہوا وہ اُن کی کتابون کو حاصل نہین ہے، اور اہلحدیث کے نزدیک اُن کا درجہ پست ہے انھون نے ۲۰۴ھ مین وفات پائی، عراقیون کا مذہب ان ہی چار بزرگون سے پھیلا اور لوگون نے ان ہی سے ان کی تعلیم پائی، اور امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کو عباسیون کے دربار مین جو خصوصیت حاصل تھی اُس نے اُن کے علاوہ دوسرے اہلحدیث پر اُن کے اقوال کو مقدم کر دیا، فقہ کے مسائل کے بتانے اور اُن کے جواب دینے مین بھی اُن کو بہت بڑا شرف حاصل تھا اور امام ابو حنیفہ رح کی طرف جو نسبت تھی وہ تقلید کی نہ تھی بلکہ اُن کے درمیان متعلم و معلم کا تعلق تھا، اُس کے ساتھ یہ لوگ فتوی دینے مین بھی مستقل حیثیت رکھتے تھے اور صرف اپنے استاد کے فتوے پر قناعت نہین کرتے تھے بلکہ اگر کوئی وجہ مخالفت معلوم ہوتی تھی تو اُن کی مخالفت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کتب حنفیہ مین ان چارون

اماموں کے اقوال مع دلیل کے نقل کیے جاتے ہین، اور بسا اوقات ایک ہی مسئلہ مین آثار ومعانی کے لحاظ سے چار اقوال ہوتے ہین ایک قول امام ابوحنیفہ کا ہوتا ہے، دوسرا امام ابویوسفؒ کا، تیسرا امام محمدؒ کا، اور چوتھا قول امام زفرؒ کا ہوتا ہے، بعض حنفیہ نے ان سب کے تمام مختلف اقوال کو امام ابوحنیفہؒ ہی کا قول ثابت کرنا چاہا ہے، جن سے انھون نے رجوع کیا ہے، لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ بلکہ خود ان کی کتابون کی تصریحات سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ امام ابویوسفؒ کتاب الخراج مین ابوحنیفہ کی راے بیان کرتے ہین، پھر یہ تصریح اپنی راے ظاہر کرتے ہین کہ وہ اُن کے مخالف ہین، اور وجہ اختلاف بھی بیان کردیتے ہین، کتاب خلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی مین بھی ایسا ہی کرتے ہین کیونکہ دونون کی راے کو بیان کرکے کبھی کبھی ابن ابی لیلی کی راے اختیار کرلیتے ہین، امام محمدؒ بھی اپنی کتابون مین امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور اپنے اقوال کو اختلاف کی تصریح کے ساتھ بیان کرتے ہین اور اگر ان لوگون کا یہ قول صحیح ہوتا کہ یہ وہ اقوال ہین جن سے امام ابوحنیفہ نے رجوع کیا ہے تو یہ مسئلہ اختلاف روایت کا ہوتا اختلاف راے کا نہ ہوتا، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ کہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ جب اہل حجاز کی حدیثون سے واقف ہوے تو امام ابوحنیفہ کی بہت سی رایون سے رجوع کر گئے، اس لیے تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے بعد ہم نے جن ائمہ حنفیہ کا ذکر کیا ہے وہ اُن کے مقلد نہین ہین، کیونکہ اُس زمانے کے مسلمانون مین تقلید نہین پیدا ہوئی تھی بلکہ مفتی لوگ فتوے دینے مین مستقل حیثیت رکھتے تھے، اُن کو جیسی دلیلین معلوم ہوتی تھین ویسا ہی فتوے دیتے تھے، اپنے اساتذہ کی مخالفت اور موافقت دونون صورتون مین اُن کا یہی حال تھا، اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو امام شافعیؒ کو امام مالکؒ کے ساتھ حاصل تھی،

امام ابو حنیفہ کے شاگردون کے جن شاگردون نے اُن کی کتابین نقل کین ان کے نام حسب ذیل ہین،

(۱) ابراہیم بن رستم مروزی، امام محمدؒ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور امام مالکؒ وغیرہ سے حدیثین سنین، اور اُن کے بہت سے نوادر مسائل ہین جنکو انھون نے امام محمدؒ سے سُنکر لکھا ہے، انھون نے سنہ ۲۱۱ھ مین وفات پائی،

(۲) احمد بن حفص جو ابو حفص الکبیر البخاری کے نام کے ساتھ مشہور ہین، امام محمدؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور اُن سے اُن کی کتابون کی روایت کی، امام محمدؒ کی مبسوط کا جو نسخہ مین نے دیکھا ہے، وہ ان ہی کا لکھا ہوا ہے،

(۳) بشر بن غیاث المریسی، امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی اور ان کے مخصوص تلامذہ مین داخل تھے، اگرچہ وہ زاہد اور متورع شخص تھے، لیکن چونکہ علم فلسفہ مین بھی مشہور تھے، اس لیے لوگون نے اُن سے اعراض کیا اور امام ابو یوسفؒ بھی اُن کو بُرا کہتے تھے اور اُن سے اعراض کرتے تھے، انھون نے سنہ ۲۲۸ھ مین وفات پائی، اُن کی بہت سی تصنیفات ہین اور انھون نے امام ابو یوسفؒ سے بہت سی روایتین کی ہین، مذہب کے متعلق اُن کے بہت سے غریب اقوال ہین جن مین ایک گدھے کے گوشت کھانے کا جواز ہے، ان مین اور امام شافعیؒ مین بہت سے مناظرات ہوے اور ان کی طرف مرجئہ کا ایک فرقہ منسوب ہے، جسکو مریسیہ کہتے ہین،

(۴) بشر بن ولید کندی، امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی اور ان کی کتب و امالی کی روایت کی اور معتصم کے زمانے مین بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور سنہ ۲۳۸ھ مین وفات پائی، وہ امام محمدؒ سے بغض رکھتے تھے، اور حسن بن مالکؒ ان کو اس سے

رد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ امام محمد نے یہ کتابیں تصنیف کیں تم صرف ایک ہی مسئلہ ایجاد کردو، وہ فقہ میں وسیع العلم اور عبادت گزار تھے،

(۵) عیسیٰ بن ابان بن صدقہ قاضی، امام محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور محدث تھے، بصرہ میں ۲۲۱ھ میں وفات پائی،

(۶) محمد بن سماعہ تمیمی، لیث بن سعد، ابو یوسف اور امام محمد سے روایت حدیث کی، اور امام ابو یوسف، امام محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ کی تعلیم پائی اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے نوادر مسائل لکھے، ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی اور ۱۹۲ھ بغداد میں مامون کے قاضی مقرر ہوئے، جب ان کا انتقال ہوا تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ اہل الرائے میں ریحانۃ الفقہاء کا انتقال ہوا،،

(۷) محمد بن شجاع الثلجی، حسن بن زیاد سے فقہ سیکھی اور علم میں کمال حاصل کیا، اپنے زمانہ میں عراق کے فقیہ تھے، اور زہد و عبادت کے ساتھ فقہ و حدیث میں مقدم خیال کیے جاتے تھے، ۲۶۶ھ میں وفات پائی، اور تصحیح الآثار، کتاب النوادر، اور کتاب المضاربۃ وغیرہ اُن کی تصنیفات میں ہیں، وہ معتزلہ کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے، اور اہلحدیث کے نزدیک ضعیف الروایہ تھے، چنانچہ اُنھوں نے اُن پر بہت سی جرحین کی ہیں،

(۸) ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی، امام محمد سے فقہ سیکھی اور اصول و امالی کے مسائل لکھے، دوسری صدی کے بعد وفات پائی،

(۹) ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائے البصری، وسعت علم اور کثرت فہم کی بنا پر انکو رائے کہا گیا جسطرح ربیعۃ الرائے کہا جاتا ہے، امام ابو یوسف اور زفر سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور شروط اور احکام الوقف میں اُن کی ایک تصنیف ہے، ۲۴۵ھ میں وفات پائی،

(۱۰) ابو جعفر احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصریہ محمد بن سماعہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابو جعفر طحاویؒ کے اُستاد ہیں سنہ ۲۸۰ھ مین وفات پائی اور ایک کتاب تصنیف کی جسکا نام مجج ہے،

(۱۱) احمد بن عمر بن الشہیر بالخصاف انھون نے اپنے باپ سے اور انھون نے حسن بن زیاد سے تعلیم حاصل کی وہ فرائض کے عالم، حساب کے ماہر اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے عالم تھے، اور مہدی باللہ کیلیے کتاب الخراج تصنیف کی اور کتاب الحیل، کتاب الوصایا کتاب الشروط، اور کتاب الوقف وغیرہ اُن کی تصنیفات سے ہین انھون نے سنہ ۲۶۱ھ مین وفات پائی،

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی المصری سنہ ۱۸۲ھ مین بصرہ مین پیدا ہوے اور ہلال الرائے سے فقہ تعلیم حاصل کی اپنے زمانہ کے لوگون مین مذہب مین سب سے بڑے فقیہ تھے، کتاب الشروط، کتاب المحاضر والسجلات کتاب الوثائق والعہد لکھی اور امام شافعی نے امام ابو حنیفہؒ کا جو رد کیا ہے اس کی تردید مین ایک بڑی کتاب لکھی اُنھون نے سنہ ۲۷۰ھ مین وفات پائی،

(۱۳) قاضی ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز عیسی بن ابان اور ہلال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی کتاب المحاضر والسجلات، کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض انکی تصنیفات سے ہین سنہ ۲۹۲ھ مین وفات پائی،

(۱۴) ابو سعید احمد بن الحسین البردعی انھون نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ بواسطہ اپنے باپ دادا کے اور ابو علی دقاق سے بواسطہ موسی بن نصیر کے محمد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور سنہ ۳۱۷ھ مین حجاج کے ساتھ واقعہ قرامطہ مین مقتول ہوئے اُنھون نے اہل ظاہر کے

امام داؤد بن علی کے ساتھ ایک مناظرہ کیا ہے،

(۱۵) ابو جعفر احمد بن محمد ابن سلامہ ازدی طحاوی اس دور میں متاخرین کے امام گذرے ہیں، سنہ ۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور پہلے امام شافعی کے شاگرد مزنی سے تعلیم حاصل کی جو ان کے ماموں تھے، اس کے بعد قاضی ابو جعفر احمد بن ابی عمران کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور اُن سے فقہ سیکھی، پھر شام میں قاضی القضاۃ ابو خازم کے پاس گئے اور اُن سے علم حاصل کیا، وہ اخبار و حدیث کے امام تھے، اور اپنی تصانیف کے ذریعہ سے جن کا تذکرہ بعد کو کیا جائیگا اپنے معاصرین پر تفوق حاصل کیا،

دوسرے امام، امام مالکؒ ہیں

اُن کا نام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر ہے، ان کا سلسلہ نسب یمنی قبیلہ ذی اصبح تک منتہی ہوتا ہے، اُن کے اجداد میں سے ایک شخص مدینہ میں آئے اور وہاں آباد ہو گئے، اُن کے دادا ابو عامرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں ہیں، اور بدر کے سوا تمام غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں، امام مالکؒ مدینہ میں سنہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور علمائے مدینہ سے تحصیل علم کی، چنانچہ سب سے پہلے عبد الرحمن بن ہرمز کے شاگرد ہوئے اور ایک طویل مدت تک بلا شرکت غیرے اُن سے علم حاصل کرتے رہے، اور نافع مولی بن عمر اور ابن شہاب زہریؒ سے بھی تعلیم حاصل کی، فقہ میں اُن کے شیخ ربیعہ بن عبد الرحمن المعروف بربیعۃ الرائے ہیں، جب اُن کے شیوخ نے اُن کو فقہ و حدیث کی اجازت دیدی تو روایت و فتوی کی مسند پر بیٹھے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک ستر شیوخ نے یہ شہادت نہ دیدی کہ میں اس کا اہل ہوں اس مسند پر نہ بیٹھا،

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ علم حدیث کے امام ہیں اور ان کی روایت

قابل اعتماد ہے اُن کے شیوخ، ہمسر اور اُن کے بعد کے لوگ اسپر متفق ہین، یہان تک کہ بعض لوگون کا قول ہے کہ صحیح ترین حدیث وہ ہے جو امام مالک حضرت ابن عمر رضی سے بواسطہ نافع کے روایت کرتے ہین، اسکے بعد وہ سلسلۂ روایت ہے جو مالک سے شروع ہوکر بہ ترتیب زہری، اور سالم کے واسطہ سے حضرت ابن عمر تک پہونچتا ہے، پھر وہ سلسلہ ہے جسکی روایت امام مالک بہ ترتیب ابوالزناد، اور اعرج کے ذریعہ سے حضرت ابوہریرہ رضی سے کرتے ہین،

واقدی وغیرہ کہتے ہین کہ امام مالک کی مجلس علم نہایت باوقار تھی، اور وہ رعب و داب کے آدمی تھے، ان کی مجلس مین مجادلہ اور شور و شغب نہین ہوتا تھا، جب اُن سے کوئی سوال کیا جاتا تھا اور وہ سائل کو کوئی جواب دیتے تھے تو وہ اُن سے یہ نہین پوچھتا تھا کہ تم نے اس سوال کا جواب کس ماخذ سے دیا، حبیب نامی ایک شخص اُن کا کاتب تھا جس نے ان کی کتابین لکھی تھین، وہ طلباء کی جماعت کے سامنے اُن کتابون کو پڑھتا تھا لیکن حضار مین نہ کوئی شخص اُن کے قریب جا سکتا تھا، نہ اُن کی کتابون کو دیکھ سکتا تھا اور نہ اُن سے پوچھ گچھ کر سکتا تھا اور یہ سب اُن کے ہیبت وجلال کا نتیجہ تھا، حبیب جب غلطی کرتا تھا تو امام مالک رح اس کی تصحیح کر دیتے تھے، اور اُن کی عادت یہ تھی کہ اپنی کتابین کسی کو پڑھکر نہین سناتے تھے، لیکن یحیی بن بکیر کا بیان ہے کہ اُنھون نے امام مالک سے موطا چودہ بار سُنی اور زیادہ تر اُس کو امام مالک نے خود پڑھ کر سنایا اور بعض خود پڑھا،

ابی حنیفہ رح

امام مالک رح سے بہت سے اکابر محدثین نے حدیث کی تعلیم پائی اور بہتون نے ان کی تعلیم اُن کی تقلید کی، کیونکہ امام مالک مین دو وصف جمع ہو گئے تھے، ایک تو وہ محدث اہل ظاہر کے

اور مستنبط تھے، اس لیے پہلے وصف کے لحاظ سے اُن کے اکابر شیوخ مثلاً ربیعہ، یحییٰ بن سعید اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ اور اُن کے ہمسرون مین سفیان ثوریؒ لیث بن سعدؒ اوزاعیؒ، سفیان بن عیینہؒ اور امام ابی حنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسف اور اُن کے اکابر تلامذہ مین محمد بن ادریس شافعیؒ عبداللہ بن مبارکؒ اور محمد بن حسن شیبانیؒ وغیرہ نے اُن سے روایت حدیث کی اور دوسری حیثیت سے اُن کے ائمہ مذاہب مین جن کا ذکر عنقریب آئیگا کبار علما نے اُن سے مسائل فقہ سیکھے،

امام مالکؒ اپنے فتاوی مین اولاً کتاب اللہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن حدیثون پر جو اُن کے نزدیک صحیح ہوتی تھین اعتماد کرتے تھے، اور اس معاملہ مین اُن کا دار و مدار علمائے حجاز مین سے کبار محدثین پر تھا، جس خبر پر اہل مدینہ عامل تھے، بالخصوص ائمہ کے عمل کو جن مین مقدم ترین شخص عمرؓ ان تھے وہ نہایت اہمیت دیتے تھے، بلکہ حدیث کو بھی اس لیے رد کر دیتے تھے کہ اہل مدینہ نے اس پر عمل نہین کیا، بلکہ مختلف ملکون کے علما نے اس بارے مین اُن سے مخالفت کی ہے، اور امام لیث بن سعد نے اس بارے مین اُن کو جو خط روانہ کیا ہے ہم اوپر اسکو نقل کر آئے ہین، اور کتاب الام مین امام شافعیؒ نے اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے اُن کی تردید کی ہے، لیکن جب قرآن مجید کی نص یا حدیث نہین ملتی تھی تو وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے، جس طرح حنفیہ کی طرف استحسان ربیعہ بن عباسؓ کی گئی ہے، اسی طرح اُن کی طرف عمل بالمصالح المرسلہ کی نسبت بھی کیگئی ہے، کی اجازت مصالح کو استصلاح بھی کہتے ہین، اور مصالح مرسلہ ان مصالح کو کہتے ہین جن کے یہ شہادت ... اور اعتبار کی شہادت کسی نص معین نے نہین دی ہے، اور اُن پر عمل کرنے ... اسوقت ہوتا ہے جب وہ کسی نص یا قیاس کے مخالف ہو، مثلاً چوری کے

اقرار کے لیے کسی شخص کو مارنا امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہی لیکن اور لوگ اس مسئلہ مین اُن کے مخالف ہین کیونکہ دوسری مصلحت اس مصلحت کے معارض ہے اور وہ اُس شخص کی مصلحت ہے جسکو مارا گیا ہے کیونکہ وہ بعض اوقات بری ہوتا ہے، اور مجرم کو سزا نہ دینا ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے سے آسان ہے اگر یہ کہا جاے کہ اس طریقہ سے مال کا برآمد کرنا دشوار ہوجائیگا، تو اس طریقہ سے ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے کا دروازہ کھل جائیگا اس کی ایک مثال وہ عورت بھی ہی جس کا شوہر غائب ہوگیا اور اس کے مرنے اور جینے کی خبر معلوم نہین ہوتی اس نے چند سال انتظار بھی کرلیا، اور شوہر کی علحدگی سے نقصان اُٹھایا، نیز وہ عورت بھی ہے جسکو برسون سے حیض نہین آتا اور اس کی عدت رُک گئی، اور وہ نکاح نہ کرسکی ان دونون عورتون کے متعلق امام مالکؒ نے عمر کا لحاظ کیا ہے، اور اُن کا قول یہ ہی کہ پہلی عورت خبر کے نہ آنے کے چار سال بعد نکاح کرسکتی ہے، اور دوسری عورت کو مدتِ حمل یعنی نو ماہ کے گذر جانے کے تین مہینہ تک عدت مین بیٹھنا چاہیئے، اس لیے اس کا مجموعہ ایک سال ہوگا پہلی صورت مین ان لوگون نے زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا ہے، اور غائب شدہ شوہر کی مصلحت کو نظرانداز کردیا ہے، اور دوسری صورت مین بھی زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا ہے حالانکہ وہ اس نص صریح کے مخالف ہے،

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء اور مطلقہ عورتین تین حیض تک انتظار کرین،

اور وہ اب تک سن یاس کو نہین پہونچی ہو کہ مہینون کے حساب سے عدت گذارے

خلاصہ یہ کہ مصلحتِ مرسلہ اس مصلحت کو کہتے ہین جس سے کسی ایسے مقصد شرعی کی حفاظت کی جائے، جس کا مقصدِ شرعی ہونا کتاب، یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو، البتہ

اس کے قابلِ اعتبار ہونے کی شہادت کوئی اصل معین نہ دے سکے، بلکہ اس کا مقصود ہونا ایک دلیل سے نہیں بلکہ دلائل کے مجموعہ حالات کے قرائن اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو، یہی وجہ ہے کہ اسکو مصلحت مرسلہ (یعنی غیر معینہ) کہتے ہین، اس کی پیروی کرنے مین کوئی اختلاف نہین ہے، البتہ جب کوئی دوسری مصلحت اس کی معارض ہوتی ہے تو جیسا کہ ہم نے استحسان کے متعلق بیان کیا ہے، ان دونون مصلحتون کے ترجیح دینے مین اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، (مستصفی غزالی مین دیکھو مصالح مرسلہ کی فصل کیونکہ وہ نہایت عمدہ ہے)

جب ہم امام مالک رح کے مذہب کی کتابون پر بحث کرینگے تو ان کے بہت سے مسائل کا تذکرہ کرین گے،

امام مالک رح نے مدینہ ہی مین قیام کیا اور وہان سے کسی دوسرے شہر مین نہین گئے، یہی وجہ ہے کہ اُن کی بیشتر حدیثین اہلِ حجاز کی روایت کردہ ہین اور اُن کی مؤطا مین حجازیون کے سوا اور لوگون کا ذکر کم آتا ہے،

لوگ سفر کرکے اُن کے پاس آئے، اور اُن سے حدیث اور مسائل سیکھے، یہان تک کہ اُنھون نے ۱۷۹ھ مین وفات پائی، زیادہ تر اُن کے پاس مصری اور مغربی یعنی اہلِ افریقہ اور اہلِ اندلس سفر کرکے آئے، اور ان ہی لوگون نے تمام شمالی افریقہ اور اندلس مین اُن کے مذہب کی اشاعت کی، اُس کے بعد اُن علماء کے ذریعہ سے جن کا تذکرہ ہم کرینگے بصرہ، بغداد اور خراسان مین اُن کا مذہب پھیلا،

مصریون مین جو لوگ اُن کے پاس سفر کرکے آئے، اور وہی لوگ اُن کے مذہب کا ستون ہین اُن کے نام حسب ذیل ہین،

(۱) ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم قرشی جو اُن کے آزاد شدہ غلام تھے، امام مالک رح

لیث بن سعدؒ، سفیان بن عیینہؒ، سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کے طبقہ مین ان کے علاوہ اور لوگون سے روایت حدیث کی اور امام مالکؒ اور امام لیثؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، وہ ۱۴۸ھ مین امام مالکؒ کے پاس آئے، اور اُن کی وفات تک اُن کی خدمت مین رہے، امام مالکؒ اُن کو خط مین عبد اللہ بن وہبؒ فقیہ مصر" اور "ابو محمد مفتی" لکھتے تھے، اور ان کے سوا یہ اور کسی کو نہین لکھتے تھے، اُن کے متعلق اُن کا یہ قول تھا کہ "ابن وہب عالم ہے" محمد بن عبد الحکم کہتے ہین کہ وہ امام مالکؒ کے بارے مین سب سے زیادہ ثقہ ہین، اور وہ ابن القاسمؒ سے بڑھ کر فقیہ ہین، البتہ تورع کی وجہ سے وہ فتوی نہین دیتے تھے، اصبغ بن وہب کہتے ہین کہ "تلامذہ امام مالکؒ مین وہ سنن و آثار کے سب سے بڑے عالم ہین، البتہ اُنھون نے ضعفا سے روایت کی ہے" وہ دیوان علم کہے جاتے تھے، اور اُن کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جسکو امام مالکؒ نے جھڑکی نہ دی ہو، کیونکہ وہ اُن کی تعظیم اور محبت کرتے تھے، ابن وہب کہتے ہین کہ "اگر خدا نے امام مالکؒ اور امام لیثؒ کے ذریعہ سے مجھے نہ بچایا ہوتا تو مین ہلاک ہو جاتا" لوگون نے کہا "کیونکر" بولے "مین نے اس کثرت سے حدیث کی روایت کی کہ اُس نے مجھے حیرت مین ڈالدیا لیکن مین ان کو امام مالکؒ اور امام لیثؒ کے سامنے پیش کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ "اسکو لے لو اور کچھ چھوڑ دو" وہ ۱۲۵ھ مین پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ مین بمقام مصر وفات پائی،

(۲) ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن القاسم العتقی جو اُن کے آزاد کردہ غلام تھے، امام لیثؒ، ابن الماجشونؒ اور مسلم بن خالدؒ وغیرہ سے روایت حدیث کی تقریباً ابن وہبؒ کے دس سال بعد امام مالکؒ کی طرف سفر کیا اور بہت دنون تک اُن کی صحبت مین رہے اور مالکؒ کے علم کو دوسرون کے علم کے اختلاط سے محفوظ رکھا، یہان تک کہ امام مالکؒ کے

بارے مین سب سے زیادہ ثقہ ہو گئے، امام مالکؒ سے ان کے اور ابن وہب کے متعلق سوال
کیا گیا تو فرمایا کہ ابن وہب عالم اور ابن القاسم فقیہ ہین۔ خود ابن وہب نے ابو ثابت سے
بیان کیا کہ اگر تم امام مالک کی فقہ چاہتے ہو تو ابن القاسم کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ وہ صرف
انھین کی صحبت مین رہے اور ہم نے دوسرون سے بھی فائدہ اُٹھایا، یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہین
کہ ابن القاسم علم مالک کے سب سے بڑے عالم اور اس بارے مین سب سے زیادہ قابل اعتماد
تھے، اُنھون نے مصر مین سنہ ۱۹۱ھ مین وفات پائی،

(۳) اشہب بن عبد العزیز القیسی العامری الجعدی امام مالک اور امام لیث وغیرہ
سے روایت حدیث کی اور امام مالک اور مدنی اور مصری علما، سے فقہ کی تعلیم پائی،
امام شافعی فرماتے ہین کہ مین نے اشہب سے بڑا فقیہ نہین دیکھا اور ابن القاسم کے بعد وہی
مصر کے پیشوا تسلیم کیے گئے، سحنون سے سوال کیا گیا کہ ابن القاسم اور اشہب مین زیادہ
فقیہ کون ہے؟ تو بولے کہ وہ دونون گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑون کے مثل تھے، کبھی یہ بازی لیجاتا
تھا اور کبھی وہ، اشہب سنہ ۱۴۰ھ مین پیدا ہوے اور سنہ ۲۰۴ھ مین بمقام مصر وفات پائی،

(۴) ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم بن اعین بن لیث امام مالک، لیث بن سعد، ابن عیینہ
اور ابن لہیعہ وغیرہ سے حدیث سنی، وہ ایک صالح، ثقہ، امام مالک کے مذہب کے محقق،
صادق، عاقل اور حلیم شخص تھے، اور اشہب کے بعد مصر کے پیشوا قرار پائے، مصر مین
عبد الحکم کی اولاد نے وہ جاہ و ترقی حاصل کی جو کسی کو حاصل نہین ہوئی تھی، وہ امام
شافعی کے دوست تھے، اور جب آئے تھے تو اُنھین کے یہان اُترے تھے، وہ اُن کے
ساتھ نہایت لطف و مدارات سے پیش آئے تھے، اُنھون نے امام شافعیؒ ہی کے
یہان وفات پائی، اور اپنے اور اپنے لڑکے کے لیے اُن کی کتابین لکھین اور اپنے فرزند

محمد کو اُن کے ساتھ ملحق کر دیا، ابن القاسمؒ ابن وہبؒ اور اشہبؒ نے ابن عبد الحکمؒ کو وصیت کی، وہ ۱۵۵ھ مین پیدا ہوئے اور ۲۱۴ھ مین مصر مین وفات پائی،

(۵) اصبغ بن الفرج الاموی جو اُن کے آزاد کردہ غلام تھے، امام مالکؒ سے حدیث سننے کیلیے مدینہ کا سفر کیا لیکن اُن کے عین وفات کے دن مدینہ مین پہونچے، اس لیے ابن القاسمؒ ابن وہبؒ اور اشہبؒ سے تعلیم حاصل کی، اُن سے حدیث سُنی اور ان کے ساتھ فقہ سیکھی، وہ ابن وہبؒ کے بزرگ ترین شاگرد اور اُن کے منشی اور مخصوص لوگون مین تھے، اشہبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہمارا پیشوا کون ہوگا؟ بولے اصبغ بن الفرج ابن اللباد کہتے ہین کہ مجھ کو فقہ کا جو طریقہ بھی معلوم ہوا وہ اصبغ ہی کے اصول سے معلوم ہوا، اشہبؒ اور اُن کے علاوہ اُن کے اور شیوخ کے ساتھ اُن سے بھی فتوی پوچھا جاتا تھا، ابن معینؒ کا قول ہے کہ تمام خلق اللہ مین ابن اصبغ امام مالکؒ کی رائے کے سب سے بڑے عالم تھے، ایک ایک مسئلہ کرکے اُس کو جانتے تھے،

(۶) محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکمؒ اپنے باپ اور ابن وہبؒ اور اشہبؒ اور ابن قاسمؒ وغیرہ تلامذۂ مالکؒ سے حدیث سُنی اور امام شافعیؒ کی صحبت مین رہے اُن سے تعلیم حاصل کی اور اُن کی کتابین لکھین، اُن کے باپ نے اُن کو امام شافعی کے ساتھ ملحق کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ اُن سے اور اشہبؒ سے پڑھین اور وہ اور لوگون سے زیادہ ان کی فقہ سے واقف تھے، ابن حارثؒ کہتے ہین وہ علماے فقہ مین کامل اور اہل نظر تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اور جس مذہب کے مقلد تھے اس پر مناظرہ کرتے تھے اور حجت لاتے تھے، علم فقہ حاصل کرنے کے لیے لوگ مغرب اور اندلس سے اُن کے پاس سفر کرکے آتے تھے اور مصر کے پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے ۱۸۲ھ مین پیدا ہوے اور ۲۶۸ھ مین وفات پائی،

(٧) محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری المعروف بابن المواز، ابن الماجشون اور ابن عبد الحکم سے فقہ کی تعلیم پائی اور اصبغ پر اعتماد کیا اور بچپن میں ابن قاسم سے روایت کی، مصر میں اُن کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے اور فقہ اور فتوی میں وہ ایک عالم راسخ تھے، ١٨٠ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ٢٦٩ھ میں وفات پائی،

اہل افریقہ اور اہل اندلس میں امام مالک کے تلامذہ حسب ذیل تھے،

(١) ابو عبد اللہ زیاد بن عبد الرحمن القرطبی الملقب بشبطون امام مالک سے موطا سنی، اور فتاوی کے متعلق بھی انھوں نے اُن سے سنکر ایک کتاب مرتب کی جو سماع زیاد کے نام سے مشہور ہے، وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں جن میں لیث بن سعد اور ابن عیینہ شامل ہیں، زیاد پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقیہانہ حیثیت سے موطا کو امام مالک سے سنکر اندلس میں داخل کیا، اسکے بعد یحیی بن یحیی نے اُن کی تقلید کی، اہل مدینہ زیاد کو فقیہ اندلس کہتے تھے اور انھوں نے امام مالک کی طرف دو سفر کیے تھے، ١٩٣ھ میں وفات پائی،

(٢) عیسی بن دینار اندلسی، سفر کرکے آئے اور ابن قاسم سے سنا اور ان پر اعتماد کیا، اور اندلس کو واپس گئے، قرطبہ میں فتاوے انھیں کے پاس آتے تھے، اور اُن کے زمانے میں کوئی شخص اُن پر ترجیح نہیں رکھتا تھا، اور مشرق سے واپس آنے کے بعد وہی قرطبہ کے پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے، ابن قاسم اُن کی تعظیم کرتے تھے، اور فقہ و ورع میں اُن کے مداح تھے، اُن کے ہمسروں میں کوئی شخص اندلس میں اُن سے زیادہ فقیہ نہیں خیال کیا جاتا تھا، ابن یمین کہتے ہیں کہ ہمارے اہل مصر کو انھی نے مسائل سکھائے، یحیی بن یحیی کی جلالت شان کے باوجود وہ اُن سے زیادہ فقیہ تھے، جب وہ ابن القاسم سے رخصت ہوئے

تو اُنھون نے تین کوس تک اُن کی مشایعت کی، لوگون نے اسپر اعتراض کئے تو بولے کہ تم اسپر مجھے ملامت کرتے ہو کہ مین نے ایک ایسے شخص کی مشایعت کی جس نے اپنے بعد اپنے سے زیادہ فقیہ اور زاہد شخص کو اپنا قائم مقام نہین چھوڑا، انھون نے ۲۱۲ھ مین بمقام طلیطلہ وفات پائی،

(۳) یحییٰ بن یحییٰ لکثیر اللیثیؒ جو اُن کے آزاد کردہ غلام تھے، ابتداءً زیاد بن عبدالرحمنؒ سے موطاء امام مالکؒ سُنی اُس کے بعد ۲۸ سال کے سن مین سفر کیا، اور امام مالکؒ سے موطا سُنی، البتہ کتاب الاعتکاف کے چند ابواب مین اُن کو شک پیدا ہوا، تو زیاد سے اُن کی روایت کی، وہ ۱۷۹ھ مین امام مالکؒ سے ملے تھے، اور اسی سن مین انھون نے وفات پائی، انھون نے ایک دوسرا سفر بھی کیا ہے جس مین صرف ابن القاسم سے فقہ سیکھی، وہ اندلس مین بہت سا علم لیکر واپس آئے، اور عیسیٰ بن دینار کے بعد اندلس کے فتاوی کا مرجع اُن کی راے رہ گئی، اندلس مین امام مالکؒ کا مذہب صرف یحییٰؒ اور عیسیٰؒ کے ذریعہ سے پھیلا، یحییٰ کو علمی حیثیت سے اُن کے علم پر ترجیح حاصل تھی، ابن سبابہ کہتے ہین عیسیٰ بن دینارؒ اندلس کے فقیہ اور اس کے عالم ابن حبیب اور اس کے عاقل یحییٰ تھے، اندلس کی علمی ریاست اُن ہی کے حصے مین آئی، اور اُنھون نے ۲۳۴ھ مین وفات پائی،

(۴) عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السلمیؒ، ان کا خاندان طلیطلہ کا باشندہ تھا، پہلے اُن کے دادا سلیمان قرطبہ مین آئے، پھر اُن کے باپ فتنۃ الربض مین بیرہ آئے، اُنھون نے اندلس مین تعلیم حاصل کی، پھر ۲۰۸ھ مین سفر کیا اور ابن ماجشونؒ مطرف عبداللہ بن عبدالحکم اور اسد بن موسیٰ وغیرہ سے حدیث سنی اور بہت سا علم حاصل کرکے ۲۱۶ھ مین

اندلس واپس آئے اور ہیرہ مین قیام کیا، اُن کے علم و روایت کا شہرہ ہوا تو امیر عبدالرحمن بن عبدالحکم نے ان کو قرطبہ مین بلا لیا اور وہان کے مفتیون کے طبقہ مین جگہ دی، اور وہ یحییٰ بن یحییٰ کے ساتھ جو وہان کے مشاورہ و مناظرہ کے سردار تھے مقیم رہے، اور ان دونون مین سخت تعلقات قائم ہو گئے، یحییٰ نے اُن سے پہلے وفات پائی، اور اُن کے بعد وہ تنہا پیشوا ہو گئے، عبدالملک امام مالک کے مذہب پر فقہ کے حافظ تھے لیکن حدیث کے عالم اور اس کے صحیح و ضعیف کے ماہر نہ تھے، امامت فقہ کے ساتھ وہ ادیب بھی تھے، اور ابن موازنے اُن کے علم و فقہ کی تعریف کی ہے، سنن و فقہ مین وہ کتاب الواضحہ کے مؤلف ہین اور اس کے علاوہ اُن کی مختلف تصنیفات ہین، انھون نے سنہ ۲۳۹ھ مین وفات پائی،

(۵) ابوالحسن بن زیاد تونسی، مالک ثوری، اور لیث بن سعد وغیرہ سے حدیث سُنی، اور اُن کے زمانے مین افریقہ مین ان کا مثل نہ تھا، ان سے اسد بن الفرات اور سحنون وغیرہ نے حدیث سُنی، اور انھون نے امام مالک سے موطا اور دوسری کتابونکی روایت کی، اور فقہ مین وہ سحنون کے اُستاد تھے، اور سحنون اہل افریقہ مین کسی کو ان پر ترجیح نہین دیتے تھے، قیروان کے اہل علم جب کسی مسئلہ مین اختلاف کرتے تھے تو اسکو علی بن زیاد کی خدمت مین لکھ کر بھیجدیتے تھے کہ وہ ان کو صحیح بات بتائین، سحنون کہتے ہین کہ اگر مصریون کی طرح علی بن زیاد کو طلب علم کا شوق ہوتا تو اُن مین سے کوئی ان سے نہ چھوٹتا اور اُن مین سے کوئی اُن کے ساتھ نہ رہتا، انھون نے سنہ ۱۸۳ھ مین وفات پائی،

(۶) اسد بن فرات، ان کا خاندان نیشاپور کا رہنے والا تھا اور وہ دیار بکر مین حران مین پیدا ہوے، تونس مین نشو و نما پائی، اور علی بن زیاد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اسکے

مشرق کا رُخ کیا اور امام مالکؒ سے موطا وغیرہ کو سنا، اس کے بعد عراق گئے، اور
ابو یوسفؒ، محمد بن حسنؒ، اسد بن عمرؒ اور اصحاب ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم پائی، امام ابو یوسفؒ
موطاے امام مالکؒ انھین سے پڑھی اور مدونہ کو جسکا ذکر عنقریب آئے گا انھین نے
تالیف کیا، انھون نے ۲۱۳ھ مین محاصرۂ سرقوسہ مین وفات پائی جبکہ وہ اُسکے سپہ سالار اور قاضی تھے،

(۷) عبد السلام بن سعید التنوخی الملقب بسحنونؒ وہ خاندانی طور پر شامی یعنی
حمص کے رہنے والے تھے، اُن کے باپ حمص کی فوج کے ساتھ آئے، اور قیروان کے
مشائخ بالخصوص تونس کا سفر کرکے علی بن زیادؒ سے علم حاصل کیا، اُس کے بعد مصر آئے
اور مصری علما مین جو لوگ امام مالکؒ اور بلاد مغرب کے طالب العلمون کے درمیان واسطہ
تھے، مثلاً ابن قاسمؒ اور ابن وہب وغیرہ سے حدیث سُنی، پھر مدینہ مین آئے، اور امام
مالکؒ کی وفات کے بعد وہان کے علما سے ملاقات کی اور ۱۹۱ھ مین افریقہ واپس ہوئے،

ابو العرب کہتے ہین کہ سحنونؒ ثقہ، حافظ علم اور فقیہ تھے، ان مین چند خصائل
ایسے مجتمع تھے جو اُن کے سوا اور کسی مین نہین پائے جاتے تھے، یعنی، فقہ، پرہیزگاری
کامل، حق گوئی، زہد فی الدنیا، موٹا جھوٹا کھانا پہننا اور فیاضی کسی قسم کا شاہی عطیہ
قبول نہین کرتے تھے، اور بسا اوقات اپنے تلامذہ کو ۳۰ دینار یا اس کے مثل دیتے تھے،

ابن قاسمؒ کا قول ہے کہ افریقہ سے ہمارے یہان سحنونؒ جیسا شخص کوئی نہین آیا، وہ
افریقہ مین آئے تو لوگ اُن کے گرویدہ ہوگئے، اور نئے زمانے کا آغاز ہوا جس نے اس کے پہلے
کی باتین مٹا دین اُن کے تلامذہ اہل قیروان کا چراغ تھے، مدونہ کی تصنیف اُنھین نے کی اور اہل
قیروان اسپر اعتماد رکھتے ہین، وہ ۲۳۴ھ مین جب کہ ان کا سن ۷۴ سال کا تھا افریقہ
کے قاضی ہوئے اور مرتے دم تک اس عہدے پر ممتاز رہے، وہ قضارت کے زمانے

مین اپنے لیے بادشاہ سے وظیفہ اور صلہ نہین لیتے تھے، البتہ اپنے عملہ کیلئے اہل کتاب کے جزیہ سے لیتے تھے، جب فریق مقدمہ باہم سخت کلامی یا گواہون سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے تو اُن کو سزا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب گواہون سے چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو وہ کیونکر شہادت دینگے، اگر فریق مقدمہ گواہ پر کسی عیب یا جرح کا الزام لگاتا تھا، یا کہتا تھا کہ مجھ سے گواہون کے بارے مین پوچھیئے کیونکہ وہ ایسے ہین تاکہ وہ اُن کے مجروح ہونے کا سوال کر سکین تو وہ اس کی تادیب کرتے تھے اور اُس سے کہتے تھے کہ مین اس بارے مین تجھ سے بے نیاز ہون اور یہ میرا کام ہے، تیرا نہین، وہ طلاق وعتاق کی ناجائز قسمون پر لوگون کی تادیب کرتے تھے تاکہ وہ خدا کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائین، وہ فسق پر تادیب کرتے تھے، اور جو شخص اس کا مستحق ہوتا تھا اسکو بازار سے نکلوا دیتے تھے، لوگ اپنے اپنے نام رقعون مین لکھکر دیتے تھے جو اُن کے سامنے پیش کیے جاتے تھے، اور وہ اُن مین سے ایک ایک کو الگ الگ بلاتے تھے، البتہ اگر کوئی مجبور یا ستم رسیدہ شخص آتا تھا تو اس کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی، انھون نے ۲۴۰ھ مین وفات پائی،

یہ لوگ اکابر علماء مین ہین، جنھون نے مغربی ممالک مین امام مالکؒ کے مذہب کی اشاعت کی، لیکن مشرقی ممالک مین کوئی شخص ایسا نہین پیدا ہوا جس نے امام مالکؒ کو دیکھا ہو اور اُن سے فقہ پڑھی ہو، البتہ ایسے لوگ مشرق مین بھی پیدا ہوئے جنھون نے نہ امام مالکؒ کو دیکھا تھا نہ اُن سے سُنا تھا، مثلاً

(۱) احمد بن معدل بن غیلان العبدی الفقیہ المتکلم، وہ عبد الملک بن ماجشونؒ اور محمد بن مسلمہؒ کے تلامذہ مین تھے اور ادیب، فصیح مذہب مالکؒ کے فقیہ، زاہد، دیندار اور عبادت گذار تھے، عراق مین امام مالکؒ کیلیئے اُن سے بلند رتبہ اور اہل حجاز کے مذہب کا ماہر اُن سے

بڑھ کر کوئی نہ تھا اور مشرقی شہروں میں ان ہی کے ذریعہ سے امام مالک کا مذہب پھیلا،

(٢) قاضی ابو اسحاق اسمعیل بن اسحاق بن اسمعیل بن حماد بن زید بصرہ میں پیدا ہوئے، بغداد میں توطن اختیار کیا اور وہیں حدیث سُنی اور ابن المعدل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، وہ کہتے تھے کہ میں لوگوں پر دو آدمیوں کے ذریعہ سے فخر کرتا ہوں، ایک ابن معدل جو مجھ کو فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، دوسرے ابن المدینی جو مجھے حدیث پڑھاتے ہیں، عراق کے مالکیوں نے اُن ہی سے فقہ کی تعلیم پائی، ابوبکر بن خطیب کہتے ہیں کہ اسمعیل فاضل، عالم اور امام مالک کے مذہب کے فقیہ تھے، اُن کے مذہب کی شرح و تلخیص کی اور اُن کے لیے حجت لائے، اور مسند اور علوم قرآن کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں، اور امام مالک، یحییٰ بن سعید الانصاری اور ایوب سختیانی کی حدیثیں جمع کیں، ابوالولید الباجی نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو درجہ اجتہاد کو پہونچے، اور اُن میں بہت سے علوم جمع ہو گئے بیان کیا ہے، کہ امام مالک کے بعد یہ درجہ صرف قاضی اسمعیل کو حاصل ہوا، وہ بغداد کے قاضی مقرر ہوئے، اور ایک ہی وقت میں اُن کی ذات میں تمام علوم جمع ہو گئے، اور اُن سے پہلے وہ کسی کی ذات میں جمع نہ ہوئے، مدائن، نہر اور انات کے وہ قاضی مقرر ہوئے، اور اخیر میں قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا، ابو عمرو الدانی کہتے ہیں کہ اسمعیل ٢٢ سال تک اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ وہ کچھ اوپر پچاس سال تک قاضی رہے، اُن کی متعدد تالیفات ہیں جن میں عنقریب بعض کا ذکر آئے گا، وہ سنہ ٢٠٠ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ٢٨٢ھ میں وفات پائی،

اور اہل مدینہ میں امام مالک کے سب سے بڑے شاگرد ابو مروان عبد الملک بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمۃ الماجشون ہیں، جو قریش میں بنو تیم کے آزاد شدہ غلام تھے، ماجشون

نارسی لفظ ہے جسکے معنی گلابی کے ہین، چونکہ اُن کے چہرے پر سُرخی تھی، اس لیے ان کا یہ
ام رکھا گیا، عبد الملکؒ فقیہ و فصیح تھے، اُن سے پہلے فتوی کا دار و مدار اُن کے باپ پر تھا،
ور اُن کے بعد تا وفات اُن پر رہا، وہ اپنے زمانے مین اہل مدینہ کے مفتی تھے اپنے
پ اور امام مالکؒ وغیرہ سے فقہ کی تعلیم پائی، جب امام شافعیؒ اُن سے مذاکرہ کرتے تھے
لوگ اکثر اُن کی گفتگو نہین سمجھتے تھے، کیونکہ امام شافعی نے بدوؤن مین ہذیل سے اور
عبد الملکؒ نے بدوؤن کے قبیلہ کلب مین اپنے ماموؤن سے ادب سیکھا تھا، قاضی یحیی بن اکثم
کہتے ہین کہ "عبد الملک ایک ایسا دریا ہے، جسکو ڈول گدلا نہین کرتے" سحنونؒ نے
اُن کی تعریف کی ہے اور اُن کو ترجیح دی ہے، اور وہ کہتے ہین کہ مین نے ان کی طرف
سفر کرنے کا ارادہ کیا اور ان کتابون کو ان پر پیش کرنا چاہا تاکہ وہ اُن مین سے جس کی اجازت
دین اُس کو جائز رکھون اور جسکو رد کردین اسکو رد کردون، ابن حبیب نے ان کی بہت تعریف
کی ہے اور اکثر تلامذۂ مالک پر اُن کو سمجھ مین بلند خیال کرتے تھے، اُن سے بہت سے لوگون
اور بڑے بڑے ائمہ مثلاً احمد بن المعدل، ابن حبیب اور سحنون نے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے،
اور اُنھون نے ۲۱۲ھ مین وفات پائی،

یہ لوگ اکابر تلامذۂ مالکؒ ہین، اور ان کے مذہب کے شائع کرنے والون مین ہین،
اور اُن کو امام مالک سے وہی نسبت ہے جو ایک شاگرد کو اُستاد سے اور ایک راوی کو
مستنبط سے ہوتی ہے، لیکن یہ لوگ امام مالکؒ سے بہت کم اختلاف رکھتے ہین اور اگر کہین
اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خود اس مسئلہ کی روایت مین امام مالکؒ
سے اختلاف ہوتا ہے، یا جو نصوص اُن سے مروی ہین اُن کے سمجھنے مین اختلاف پیدا
ہوجاتا ہے، کبھی کبھی ابن وہب اور ابن القاسم اُن سے اختلاف کرتے ہین، اور یہ جیسا کہ

ہم نے بیان کیا ہے بہت کم ہے،

تیسرے امام، امام شافعیؒ ہین،

اُن کا نام ونسب ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی ہے جو بنو المطلب مین عبدمناف سے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام شافعیؒ کی نوین پشت مین تھے، اُن کی ماں یمنی اور قبیلہ ازد سے تھین جو نہایت ذہین تھین،

امام شافعیؒ عسقلان کے صوبے مین بہ مقام غزہ ۱۵۰ھ مین پیدا ہوئے، غزہ اُنکے آباء واجداد کا وطن نہ تھا، بلکہ اُن کے باپ ادریس وہان کسی ضرورت سے آئے تھے اور وہین اُنکا انتقال ہوگیا اور اُن کے فرزند محمد وہین پیدا ہوئے، پیدائش کے دوسال بعد اُن کی والدہ اُن کے آبائی وطن مکہ مین اُن کو لے آئین اور وہین بحالت یتیمی اُنھون نے اپنی ماں کی سرپرستی مین نشو ونما پائی اور بچپن ہی مین قرآن مجید حفظ کرلیا، پھر بادیہ مین ہذیل کے یہان جو افصح العرب تھے گئے اور اُن کے بہت سے اشعار یاد کئے، اُس کے بعد ادب وفصاحت سیکھ کر واپس آئے اور شیخ الحرم ومفتی الحرم مسلم بن خالد الزنجی کی شاگردی کی اور وہان سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے، یہانتک کہ اُنھون نے ان کو فتوے دینے کی اجازت دی، اس کے بعد اُنھون نے امام مالک بن انسؒ امام دار الہجرت کے پاس اُن سے ایک سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی، اُنھون نے خط لکھدیا تو اُنھون نے مدینہ کا سفر کیا، اور امام مالکؒ کے پاس آئے، وہ موطا یاد کرچکے تھے، اور اسکو امام مالکؒ کے سامنے پڑھا، اور اُن کی قرأت ان کو بہت پسند آئی، امام شافعی نے اُس زمانے مین مسلم بن خالد کی فقہ اور دو بلند رتبہ اشخاص یعنی سفیان بن عیینہ محدث مکہ اور امام مالک بن انس محدث مدینہ کی حدیثین حاصل کین اہل حجاز کی

حدیث کا سلسلہ انہی دونون بزرگون پر منتہی ہوتا ہے اور یہی دونون اُن کے سب سے بڑے
شیوخ مین ہین لیکن ان کے علاوہ انھون نے اور لوگون سے بھی روایتین کی ہین،

امام شافعیؒ دولت مند شخص نہ تھے، اس لیے اُنھون نے مجبوراً حصول معاش کیلیے
کوئی کام تلاش کیا، مصعب بن عبداللہ القرشی قاضی یمن کی مدد سے اُن کو یمن مین ایک
کام مل گیا اور وہ اُسپر مقرر ہوگئے، اور اُس سے مدتون شرف حاصل کرتے رہے، اس وقت
ہارون رشید خلیفہ تھا، اور آل عباسؓ اور آل علیؓ مین سخت عداوت قائم تھی اور ہارون
علویون اور ان کے معاونین کی حرکات سے سخت خائف اور چوکنا رہتا تھا اور صرف
تہمت و شبہہ سے اُس پر مواخذہ کرتا تھا، امام شافعی پر بھی تشیع کا الزام تھا اور بلاد یمن
بہت سے شیعون کا مرکز تھا، جو خود عباس کی [illegible] مین سے تھے اور قوم کے افراد مین شیعی
پروپگنڈا پھیلاتے تھے، چنانچہ ہارون رشید تک ان شیعون کا جن کے ساتھ امام شافعی
بھی تھے معاملہ پہونچایا گیا اور اس نے اُن کو ۱۸۴ھ مین طلب کرلیا، کہا جاتا ہے کہ مطرف
بن مازن قاضی صنعا نے امام شافعی کو اس الزام مین شامل کیا اور حماد بربری ان لوگون کو
عراق مین لایا اور یہ لوگ رشید کے پاس شہر رقہ مین حاضر ہوئے،

اگر رشید کے حاجب فضل بن ربیع کی مدافعت سے امام شافعی کی برآت نہ ثابت
ہوئی ہوتی تو وہ اُس الزام کی وجہ سے بڑے خطرے مین پڑجاتے، امام شافعی نے اس
الزام سے بچنے کے لیے جو فقرے کہے وہ یہ ہین کہ "کیا مین اُس شخص کو چھوڑ سکتا ہون جو یہ
کہتا ہے کہ مین اس کے چچا کا لڑکا ہون (رشید) اور اس شخص کی طرف رجوع کرسکتا ہون
جو یہ کہتا ہے کہ مین اس کا غلام ہون" (امام شیعہ) رشید پر اس فقرہ کا سخت اثر ہوا اور اُسنے
ان کی رہائی کا حکم دیا اور اُن کو صلہ عطا کیا،

اسی موقع پر امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی سے میل جول پیدا کیا اور فقہاے عراق کی کتابون سے واقفیت حاصل کی اور طریقۂ اہلحدیث پر ان معلومات کا اضافہ کیا، اُنھون نے امام محمد بن الحسنؒ سے مناظرات بھی کیے، جن کی خبر رشید کو ملی تو اُن سے بہت خوش ہوا اور امام شافعیؒ کی کتابین اِن مناظرات سے بھری ہوئی ہین امام شافعیؒ عراق سے حجاز کو واپس آئے، اور ایک مُدّت تک مکہ مین رہ کر افادہ و استفادہ کرتے رہے، اسوقت مکہ ایک ایسی جگہ تھی جہان تمام ملکون کے علما آتے رہتے تھے اور امام شافعیؒ اُن سے ملتے تھے، اُن سے مناظرہ کرتے تھے، اُن سے یہ اور اِن سے وہ اخذ کرتے تھے، یہان تک کہ وہ ۱۹۵ھ مین رشید کی وفات اور عبد اللہ الامین کے خلیفہ ہونے کے بعد دوبارہ عراق مین آئے، اور اس آمد مین علماے عراق کی ایک جماعت نے انکی شاگردی اختیار کی اور اُن سے کسب علم کیا اور یہین انھون نے اُن کو وہ کتابین املا کرائین جو اُنھون نے اپنے مذہب عراقی یا مذہب قدیم پر لکھی تھین، اس آمد مین وہ محمد بن ابی حسان الزیادی کے یہان اُترے تھے، اور دو سال تک قیام کیا تھا، امام محمد بن حسنؒ کا انتقال ہوچکا تھا اور عراق مین تلامذۂ امام ابو حنیفہؒ مین اسوقت حسن بن زیاد لولوی تھے، لیکن امام شافعیؒ جسطرح امام محمد بن الحسنؒ کے ساتھ معروف مناظرہ تھے اُن سے مناظرہ نہین کرتے تھے، اس کے بعد وہ حجاز کو جبکہ بغداد مین اُن کو کافی شہرت حاصل ہوچکی تھی اور بہت سے علما اُن کے طریقہ کو قبول کرچکے تھے، واپس آئے، پھر ۱۹۸ھ مین تیسری بار عراق مین آئے اور وہان چند مہینے قیام کرکے مصر کا سفر کیا اور فسطاط مین بطور ایک معزز مہمان کے عبد اللہ بن عبد الحکم کے یہان اُترے، اُس وقت مصریون مین امام مالکؒ کا مذہب پھیلا ہوا تھا، اور اکثر علماے مصر کا یہی مذہب تھا، اور تلامذۂ مالک مین جن لوگون نے اُن کا کلام سنا اور اُن سے روایت کی تھی

عبداللہ بن عبدالحکم اور اشہب باقی رہ گئے تھے،

مصر مین امام شافعی کی قابلیت اور اُن کی کلامی مقدرت کا اظہار ہوا اور انھون نے اپنے مصری تلامذہ کو اپنی جدید کتابین املا کرائین اور یہی اُن کا مصری یا جدید مذہب ہے، وہ مصر مین برابر مقیم رہے، یہان تک کہ ۲۰۴ھ مین وفات پائی اور مقبرہ بنی عبدالحکم مین مدفون ہوئے اور موت وحیات دونون مین مصری اُن کو بزرگ سمجھتے رہے، یہان تک کہ وہ پہلے حجازی تھے، اور اب مصری ہوگئے، امام شافعیؒ پہلے امام ہین جنھون نے متصل سفر کرکے بذات خود اپنے مذہب کی اشاعت کی اور خود اپنے تلامذہ کو اپنی کتابین املا کرائین، اُن کے علاوہ دوسرے کبار ائمہ کو یہ بات حاصل نہین ہوئی، امام شافعی کے مذہب کی بنیاد اُن کے رسالۂ اصولیہ مین مدون کی گئی ہے، وہ ظواہر قرآن سے استدلال کرتے ہین یہانتک کہ کسی دلیل سے یہ ثابت ہوجائے کہ ظاہر قرآن مراد نہین، اُس کے بعد حدیث کو لیتے ہین اور خبر واحد پر عمل کرنے کی جب اُس کا راوی ثقہ ہو سخت حمایت کرتے ہین اور جب حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بہ سند متصل پہونچ جائے، تو امام مالکؒ کی طرح اُس کے بعد وہ کسی عمل کی جو حدیث کی تائید کرتا ہو، اور اہل عراق کی طرح شہرت حدیث کی شرط نہین لگاتے، حدیث کی اس تائید کی بنا پر ان کو اہلحدیث مین نہایت حسن قبول حاصل ہوا، یہان تک کہ اہل بغداد اُن کو ناصر السنت کہتے تھے، وہ احادیث صحیحہ کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہین جس نگاہ سے قرآن مجید کو دیکھتے ہین اور دونون کو واجب الاتباع سمجھتے ہین، حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہین اور اُن کے نزدیک اجماع کے معنی یہ ہین کہ اُس کے خلاف کا علم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، اُن کے نزدیک اجماع کا علم ناممکن ہے، لیکن جب کوئی دلیل منصوص موجود نہین ہوتی تو وہ قیاس پر ہین

شرط کے ساتھ عمل کرتے ہین کہ اُس کیلئے کوئی اصل معین موجود ہو، اور اہل عراق جس چیز کو استحسان اور مالکی جس چیز کو استصلاح کہتے ہین اُنھون نے اُس کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے، البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہین جو اس کے قریب قریب ہے،

امام شافعی کی ذات چونکہ حجازیون اور عراقیون کی فقہ اور بدوؤن کی فصاحت کا مجموعہ تھی، اس لیے وہ مناظرہ اور خوبی تحریر مین یکتا تھے، اور اُن کی تحریر اس زمانے کے فصیح ترین انشاپردازون مثلاً جاحظ وغیرہ سے کم درجہ نہین رکھتی تھی،

تلامذۂ شافعی و رواۃ مذہب شافعی

امام شافعی کے تلامذہ عراق اور مصر دونون مین موجود تھے، چنانچہ اُن کے عراقی شاگردون کے نام حسب ذیل ہین،

(۱) ابوثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادی، اُن کی فقہ کا دار و مدار رائے پر تھا، اور اہل عراق کے قول کو لیتے تھے، لیکن جب امام شافعی بغداد مین آئے تو اُن سے تعلیم حاصل کی، وہ اگرچہ امام شافعی کے مقلد نہین ہین بلکہ جب ان کو کوئی دلیل ملجاتی ہے تو اُن کی مخالفت کرتے ہین لیکن اُن کا شمار ائمہ فقہائے شافعیہ مین ہے اُن کی چند مخصوص رائین ہین، ان کا ایک خاص مذہب ہے اور اُن کے پیرو بھی ہین، لیکن اُن کا مذہب بہت دنون تک قائم نہ رہ سکا، ابوعمر بن عبدالبر کہتے ہین کہ "وہ اپنی مرویات مین ثقہ اور حسن النظر ہین، لیکن اُن کے چند شاذ مسائل ہین جن مین اُنھون نے جمہور سے اختلاف کیا ہے" اور لوگون نے اُن کو ائمۂ فقہا مین شمار کیا ہے، اُنھون نے جن مسائل مین جمہور یا امام شافعیؒ سے علٰحدگی اختیار کی ہے وہ حسب ذیل ہین،

(۱) تمام فقہا کے نزدیک قرض وصیت پر مقدم ہے، لیکن ابو ثور نے خدا کے ظاہر قول کی بنا پر وصیت کو مقدم کیا ہے،

من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین   وصیت یا قرض کے بعد

(۲) کسی خریدے ہوئے مال میں عیب نکل آنے پر واپس کرنے کا اختیار رضامندی کے ساتھ صرف گفتگو سے حاصل ہو سکتا ہے، یا ایسے فعل سے جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ رضامندی ہے، لیکن امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ اختیار فوراً حاصل ہوتا ہے،

(۳) جب دو آدمی قبلہ کے رُخ میں اجتہاد کریں اور دونوں کے اجتہاد کا نتیجہ ایک دوسرے سے مختلف ہو تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اقتدا کر سکتا ہے، اور ہر ایک اُسکی جہت کی طرف نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن یہ اُن کے علاوہ اور لوگوں کے قول کے مخالف ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے،

ابن ثور نے سنہ ۲۴۰ھ میں (اور ابنِ خلکان کے قول کے مطابق سنہ ۲۴۶ھ میں) وفات پائی،

(۲) احمد بن حنبل اور اُن کا حال مستقلاً آگے آئے گا،

(۳) حسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی البغدادی وہ مذہبِ قدیم کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ہیں، اور کتاب عراقی انھیں کی طرف منسوب ہے، امام شافعیؒ کی مجلس میں وہی قرأت کرتے تھے، اور اُن کی قرأت کے ذریعہ سے احمد، ابو ثور، اور کرابیسی نے سماعت کی ہے وہ سواد کے ایک گاؤں زعفرانیہ کی طرف منسوب ہیں، اس کے بعد بغداد کے بعض دروب میں قیام کیا اور وہ اُن کی طرف منسوب ہو گیا، زعفرانی نے سفیان بن علیہ اور امام شافعی وغیرہ سے حدیث سنی، اور مسلمؒ کے علاوہ امام بخاریؒ وغیرہ

ائمۂ حدیث نے اُن سے روایت کی، امام شافعی کو ان کی فصاحت بہت پسند تھی یہان تک کہ اُن کے متعلق فرماتے تھے کہ "مین نے بغداد مین ایک ایسے نبطی کو دیکھا جو عربی معلوم ہوتا ہے اور اُس کے مقابل مین مین نبطی نظر آتا ہون" انھون نے ۲۶۰ھ مین وفات پائی،

(۴) ابو علی الحسین بن علی الکرابیسی، انھون نے پہلے عراقیون کے مذہب کے مطابق فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی اور اُن سے اور اُن کے علاوہ اور لوگون سے حدیث سُنی، امام شافعیؒ نے اُن کو زعفرانی کی کتابون کی اجازت دی، لوگون نے ان سے روایت کرنے مین اجتناب کیا ہے کیونکہ مسئلہ لفظ یعنی اس کہنے کی وجہ سے کہ "میرا قرآن کے الفاظ کو پڑھنا مخلوق ہے" امام احمد بن حنبل نے ان کو مطعون کیا ہے اور یہ ایک عجیب بات ہے محمد بن عبد اللہ الصیرفی الشافعی کہتے ہین کہ حسین کرابیسی اور ابو ثور سے عبرت حاصل کرو کیونکہ حسین علم و حفظ مین ممتاز ہین اور ابو ثور علم مین اُن کے عشر عشیر بھی نہین لیکن مسئلہ لفظ کی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے اُن کے بارے مین کلام کیا اور وہ پست ہو گئے، لیکن ابو ثور کی تعریف کی تو وہ بلند رتبہ ہو گئے،

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبد العزیز البغدادی المتکلم، وہ بغداد مین امام شافعی کے کبار تلامذہ مین تھے، پھر احمد ابن ابی داؤد کے شاگرد ہو گئے، اور ان کی رائے کا اتباع کیا، ابو عاصم کہتے ہین کہ وہ حافظون، زاہدون اور مفتیون مین سے ایک ہین، چونکہ اُنکی آنکھ مین خرابی تھی اس لیے امام شافعیؒ نے اپنی کتابون کی قرأت سے اُن کو منع کیا، معتزلہ کے خیالات کی پیروی نے ان کو اپنے درجہ سے گرا دیا تھا، ابن سبکی کہتے ہین کہ وہ بہت سے قابلِ اعتراض مسائل کے قائل تھے، مثلاً ان کے نزدیک طلاق بالصفات

جائز نہین کیونکہ جب نکاح متعہ اس لیے جائز نہین کہ وہ ایک ایسا عقد ہی جو ایک صفت کے ساتھ معلق ہے، اسی طرح طلاق بالصفت بھی عقد معلق ہے" ابن سبکی کہتے ہین کہ یہ ایک باطل قول ہی، اور اُس سے خرق اجماع ہوتا ہی اور یہ ظاہر ہے کہ اُس قول کے مثل ہے جسکی ابن حزم نے محلی وغیرہ مین تصریح کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتدا ہوگی تو تجھ کو طلاق ہے، یا اُس نے اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اِس قول سے نہ سرِدست طلاق واقع ہوگی اور نہ اُس وقت جب مہینہ کا آغاز ہوگا اور غالباً اس مسئلہ مین ظاہر یہ سب سے الگ ہین،

امام شافعیؒ کے عراقی تلامذہ سے جن لوگون نے فقہ کی تعلیم پائی اُن کے نام حسب ذیل ہین،

(۷) داؤد بن علی امام اہل الظاہر، ہم ان کا تذکرہ خاص طور پر کرینگے،

(۷) ابو عثمان بن سعید الانماطی، انھون نے مزنی اور ربیع سے علم حاصل کیا، اور بغداد مین ان ہی کے ذریعہ سے امام شافعیؒ کی کتابین مشہور ہوئین اور ابن سریج نے ان ہی سے فقہ سیکھی، انھون نے ۲۸۸ھ وفات پائی،

(۸) ابو العباس احمد بن عمر بن سریج، حسن زعفرانی وغیرہ سے حدیث سنی، اور ابو القاسم الانماطی سے فقہ سیکھی اور تمام تلامذہ شافعیؒ یہان تک کہ مزنی پر بھی اُن کو ترجیح دیجاتی تھی، شیخ ابو حامد اسفرائینی کہتے ہین کہ "ہم ابو العباس کے ساتھ ظواہر فقہ مین چلتے ہین، دقائق فقہ مین نہین چلتے" وہ پہلے شخص ہین جنھون نے مناظرہ کی ابتدا کی اور لوگون کو جدل کا طریقہ سکھایا، ان کی بہت سی تصنیفات ہین، جنکی تعداد چارسو بیان کی جاتی ہے، ان مین اور داؤد بن علی ظاہری اور اُن کے بیٹے محمد کے درمیان

نہایت مشہور مناظر ہوے اور انھون نے ۳۰۶ھ مین وفات پائی،

(۹) ابو العباس احمد بن ابی احمد الطبری الشہیر با بن القاص، ابن سریج سے فقہ سیکھی اور وہ مشہور کتابون مثلاً تلخیص، مفتاح، اور ادب القاضی وغیرہ کے مصنف ہین، اور اصول فقہ مین اُن کی ایک کتاب ہے، وہ بہت بڑے امام تھے، ۳۳۵ھ مین وفات پائی،

(۱۰) ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، ہم اِن کا تذکرہ خاص طور پر کرینگے،

امام شافعی کے مصری تلامذہ حسب ذیل ہین،

(۱) یوسف بن یحییٰ البویطی المصری، وہ امام شافعیؒ کے مصری تلامذہ مین سب سے بڑے تھے، امام شافعیؒ سے فقہ پڑھی، اور اُن سے اور عبد اللہ بن وہبؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، اُن کی ایک مشہور مختصر ہے جس کا اختصار انھون نے امام شافعی کے کلام سے کیا ہے، امام شافعی فتوی مین اُن پر اعتماد کرتے تھے، اور جب اُن کے پاس کوئی مسئلہ آتا تھا تو اُن کے حوالے کر دیتے تھے، اور اپنی موت کے بعد اُن کو اپنے تمام تلامذہ کا خلیفہ بنایا اور اُن کے حلقۂ درس سے بہت سے ائمہ نکلے، اور مختلف شہرون مین جا کر تمام ملک مین امام شافعیؒ کے علم کی اشاعت کی، انھون نے فتنۂ خلق قرآن مین قید ہو کر بغداد مین ۲۳۱ھ مین وفات پائی،

(۲) ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی المصری، وہ ۱۷۵ھ مین پیدا ہوے، اور جوان ہو کر تحصیل علم مین مصروف ہوئے، اور حدیث کی روایت کی، یہان تک کہ ۱۹۹ھ مین جب امام شافعی مصر مین آئے، تو اُن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابو اسحٰق شیرازی کہتے ہین کہ "وہ زاہد، عالم، مجتہد، مناظر، اور معانی دقیقہ کی تہ مین ڈوبنے والے تھے" امام شافعیؒ نے

اُن کی نسبت فرمایا کہ "مزنی میرے مذہب کا حامی ہے" جن کتابون پر امام شافعیؒ کے مذہب کا
دارومدار ہے وہ انہی کی لکھی ہوئی ہین اور خراسان عراق اور شام کے بہت سے علمار نے
اُن سے علم حاصل کیا، اور اُنھون نے ۲۶۴ھ مین وفات پائی،

مزنی کبھی کبھی اپنے استاد کے مذہب کی مخالفت کرتے ہین اور اپنے لیے نئی راہین
اختیار کرتے ہین، لیکن شافعیہ ان اختیارات کو مذہب مین نئے اقوال نہین خیال کرتے
اور وہ زیادہ بھی نہین ہین،

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار المرادی جو اُن کے آزاد کردہ غلام اور جامع عتیق
مین موذن تھے، ۱۷۴ھ مین پیدا ہوئے اور امام شافعیؒ کی خدمت مین حاضر ہو کر
اُن سے بہ کثرت روایتین کین، وہ اُن کی کتابون کے راوی ہین اور اپنی روایت مین
نہایت ثقہ خیال کیے جاتے ہین، یہان تک کہ مزنی اگرچہ علم دین اور بزرگی مین نہایت
بلند رتبہ ہین، اور جو روایت کرتے ہین وہ قواعد کے مطابق ہوتی ہی تاہم جب ربیع اور مزنی
کا کسی روایت مین تعارض ہوتا ہے تو امام شافعیؒ کے تلامذہ ربیع ہی کی روایت کو مقدم
سمجھتے ہین، لوگ امام شافعی کی کتابون کے پڑھنے کے لیے اطراف ملک سے اُن کے
پاس سفر کر کے آتے تھے، اُنھون نے ۲۷۰ھ مین وفات پائی،

(۴) حرملہ بن یحییٰ بن عبد اللہ التجیبی ۱۶۶ھ مین پیدا ہوئے وہ بہت بڑے امام
تھے، ابن وہبؒ سے بہت زیادہ حدیثین روایت کین اور امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی اور
اُن کے مذہب مین کتابین تصنیف کین، اُن کے متعلق اشہب کا قول ہے کہ "وہ اہل مسجد
مین بہترین شخص ہین" اُنھون نے ۲۴۳ھ مین وفات پائی،

(۵) یونس بن عبد الاعلی الصدفی المصری ۱۷۰ھ مین پیدا ہوئے اور سفیان

بن عیینہ اور ابن وہبؒ وغیرہ سے حدیث سُنی اور امام شافعیؒ سے فقہ حاصل کی مصر مین ان پر علمی ریاست کی انتہا ہوئی، اور امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ اُنھون نے کہا کہ مین نے مصر مین یونس بن عبد الاعلی سے زیادہ عاقل کسی کو نہین دیکھا،، اُنھون نے ۲۶۴ھ مین وفات پائی،

(۹) ابو بکر محمد بن احمد المعروف با بن الحداد مزنی کے وفات کے دن پیدا ہوے وہ حفظ قرآن مین یکتا تھے فقہ مین امام زمانہ اور لغت مین ایک وسیع دریا تھے، معانی وفقیہ کی تہ تک پہونچنے، اور فروع مولدہ کے استخراج مین لوگون کا اجماع ہے کہ وہ یکتا تھے اور اس مین کوئی شخص اُن کی گرد تک کو نہین پہونچا، فقہ مین کتاب الباہر اور کتاب ادب القضاۃ وغیرہ اُن کی تصنیفات مین ہین، وہ مصر کی زینت اور علم قضا کے بہت بڑے ماہر تھے اُنھون نے ۳۴۵ھ مین وفات پائی،

تلامذۂ شافعیؒ مین یہی لوگ مشہور ترین ہین، اور اُن کی تصنیفات کے ذریعہ سے لوگون نے انھین کے ذریعہ سے امام شافعیؒ کا علم حاصل کیا، ان کے علاوہ اور بھی بہ کثرت لوگ ہین، اور تلامذۂ مالکؒ کی طرح ان لوگون نے بھی امام شافعی سے بہت کم اختلاف کیا ہے،

چوتھے امام احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ہین ۱۶۴ھ مین پیدا ہوے اور ہشیم، اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کے طبقہ مین اکابر محدثین سے حدیث سُنی اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور اُن کے طبقہ کے لوگون نے اُن سے امام روایت کی چونکہ اُنھون نے نہایت کثرت سے حدیثین حفظ کین، اس لیے اپنے زمانہ مین اہلحدیث کے امام ہوگئے، امام شافعی کہتے ہین کہ "مین بغداد سے نکلا تو وہان احمد بن حنبل سے زیادہ افضل زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ کسی شخص کو نہین چھوڑا، امام شافعیؒ جب بغداد مین آئے تو امام احمد

بن حنبل نے اُن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ اُن کے بغدادی شاگردون مین سب سے بڑے ہین اُس کے بعد خود اجتہاد کیا اور وہ اُن اہلِ حدیث مجتہدین مین ہین جو امام شافعیؒ کی طرح صحیح السند ہونے کی حالت مین خبرِ واحد پر بلا شرط عمل کرتے ہین اور اقوالِ صحابہؓ کو قیاس پر مقدم کرتے ہین امام احمدؒ کا شمار فقہا سے زیادہ اہلِ حدیث مین ہے اُنھون نے مسند تصنیف کی ہے جو چالیس ہزار سے زیادہ حدیثون پر مشتمل ہے اور اُن کے بیٹے عبداللہ نے ان سے اسکی روایت کی ہے اور اصول مین اُن کی کتاب طاعۃ الرسول کتاب الناسخ والمنسوخ اور کتاب العلل ہے

امام احمد بن حنبل سے لوگون نے اُن کے مذہب کی روایت کی ہے اُن مین مشہور تر لوگ حسب ذیل ہین

(۱) ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی المعروف بالاثرم انھون نے فقہ مین اپنی کتاب السنن امام احمد کے مذہب پر تصنیف کی ہے اور اسپر حدیث سے بھی شواہد لائے ہین

(۲) احمد بن محمد بن الحجاج المروزی، انھون نے بھی شواہد حدیث کے ساتھ کتاب السنن تصنیف کی ہے

(۳) اسحاق بن ابراہیم المعروف با بن راہویہ المروزی وہ امام احمدؒ کے بہت بڑے شاگرد ہین، اور انھون نے بھی فقہ مین کتاب السنن تصنیف کی ہے

مسئلہ خلق قرآن کی آزمایش مین صرف امام احمد بن حنبلؒ ہی نے ثابت قدمی ظاہر کی کیونکہ مامون نے مسئلہ خلق قرآن کی جو دعوت دی اسکو بہت سے اہلحدیث نے قبول کرلیا لیکن سنہ ۲۱۸ھ سے جس مین مامون کی دعوت شروع ہوئی سنہ ۲۳۳ھ تک جسمین متوکل نے اس دعوت کو چھوڑدیا، اور لوگون کو عقائد ورائے مین آزادی دی امام

امام احمد بن حنبل بالکل ثابت قدم رہے، اور رائے کی صحت اور غلطی سے قطع نظر کر کے اس استقلال سے اُن کو امام العلما کا شرف اور درجہ حاصل ہوا، کیونکہ معتقدات کی حفاظت کے لیے تکلیف برداشت کرنا انسان کے لیے شرف کا بہترین زیور ہے، امام احمد بن حنبل نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی،

یہ چار ون ائمہ جمہور اہل اسلام کے وہ ائمہ ہین جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی، اُنکی تدوین کی گئی اور وہ باقی رہے،

ائمۂ شیعہ

اس دور مین شیعون کے دو مذہبون نے شہرت حاصل کی یعنی شیعہ زیدیہ اور شیعہ امامیہ،

زیدیہ زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ کی طرف منسوب ہین جنھون نے کوفہ مین ہشام بن عبد الملک کے مقابلہ مین بغاوت کی، اور اُن مین سے بہت سے لوگون نے خلافت کے لیے بنو امیہ اور بنو عباس کے مقابلہ مین علم بغاوت بلند کیا اور بلاد طبرستان اور بلاد یمن مین بعض کامیابیان بھی حاصل کین

اس مذہب کے اصول کی رُو سے اُن کے ائمہ مین اجتہاد کی شرط ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ ان مین بہ کثرت ائمہ پیدا ہوئے جو فقہ مین اصحاب الرائے تھے، اور اس دور مین اُن کے سب سے بڑے امام الداعی الی اللہ الامام الناصر للحق الحسن بن علی بن الحسن بن زید بن عمر بن علی بن الحسنؓ بن علیؓ تھے، جنھون نے مذہب زیدیہ کے متعلق بہت سی کتابین تصنیف کین، جن کی ترتیب کتب فقہ کے مطابق دی گئی تھی، مثلاً کتاب الطہارۃ اور

کتاب الاذان الخ

ان ہی ائمہ مین امام الداعی الی الحق الحسن بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی رض تھے جو بہت بڑے عالم تھے، اور بلادِ طبرستان پر حملہ کیا اور سنہ ۲۵۰ھ مین اُسپر قابض ہوگئے، اور اس پر برابر قابض رہے یہان تک کہ سنہ ۲۷۰ھ مین وفات پائی، انھون نے فقہ مین کتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ تصنیف کی ان ائمہ مین ایک قاسم بن ابراہیم العلوی الرسی بلادِ یمن مین صاحب صعدہ تھے، سنہ ۲۴۶ھ سنہ ۲۸۰ھ زیدیۂ قاسمیہ اُن ہی کی طرف منسوب ہین، اور کتاب الاشربہ اور کتاب الایمان والنذور اُن کی تصنیفات مین ہین،

ان ہی ائمہ مین سے ہادی یحییٰ بن الحسن بن القاسم بن ابراہیم امام صعدہ سنہ ۲۸۰ھ سنہ ۲۹۸ھ ہین اور زیدیہ ہادویہ ان ہی کی طرف منسوب ہین اور فقہ مین ان کی ایک جامع کتاب ہے،

اس دور کے بہت سے علما اور محدثین امامت کے متعلق مذہب زیدیہ رکھتے تھے، اور بلادِ یمن کا بڑا حصہ زیدیہ شیعہ ہے اور شیعون کے مذاہب مین یہ مذہب جمہور کے مذاہب سے بہت زیادہ قریب ہے، کیونکہ زیدیہ اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے زیادہ امامت کا مستحق سمجھتے ہین لیکن وہ شیخین کی تنقیص نہین کرتے،

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے سب سے بڑے امام اُس دور مین امام ابوعبداللہ جعفر الصادق تھے جو سادات اہلبیت سے تھے، اور اپنی حق گوئی کی وجہ سے صادق کا لقب پایا تھا، وہ سنہ ۸۰ھ مین پیدا ہوے اور امام مالک بن انس، امام ابوحنیفہ، اور بہت سے علماے مدینہ نے اُن سے روایت کی، البتہ امام بخاری نے اُن کی حدیث کی تخریج نہین کی، اُن کے باپ ابوجعفر محمد باقر کا ذکر

اوپر گذر چکا ہے اور شیعہ امامیہ کی فقہ کا دارومدار ان ہی دونون بزرگون پر ہے، اس دور مین ان کے سب سے بڑے مؤلف ابوالنضر محمد بن مسعود العیاشی اور ابو علی محمد بن احمد بن الجنید ہین اور زرارہ بن اعین کو بھی جو فقہ، حدیث، کلام اور تشیع مین شیعون کے بہت بڑے شخص ہین شیعون مین بہت بڑی شہرت حاصل ہے وہ ابوجعفر باقرؓ کے شاگرد تھے، اور اُن کے لڑکے حسین بن زرارہؓ اور حسن بن زرارہؓ ابو عبد اللہ جعفر صادقؓ کے شاگرد ہین۔

اس مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ ائمہ معصوم ہین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلعم کے وصی ہین، آپ نے اُن کو شریعت کے ظاہر و باطن کی تعلیم دی، اور انھون نے جس شخص کو امامت مین اپنا خلیفہ بنایا اُسکو اس کی تعلیم دی، یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک ائمہ کے اقوال خود شارع کی نصوص کے مثل ہین اور احکام اجتہاد اور راے سے نہین معلوم ہو سکتے صرف امامِ معصوم کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ اجماع عام اور قیاس کو یہ لوگ شرعی اصول نہین سمجھتے، اجماع کو تو اس لیے کہ جو شخص ائمہ مین سے نہین ہو اُسکے قول کا کوئی اثر نہین، اور قیاس ایک راے ہے، اور دین راے سے حاصل نہین ہو سکتا، یہ لوگ تقیہ کے بھی قائل ہین یعنی مخالفین کے شر سے بچنے کیلیے انسان اپنے عقیدہ کے خلاف دوسرے عقیدہ کا بھی اظہار کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ان کے ائمہ سے روایتین مختلف ہوتی ہین تو وہ اپنی کتابون مین اس روایت کو جو جمہور کی راے کے مطابق ہوتی ہین تقیہ پر محمول کرتے ہین، اور یہ اُس صورت مین ہوتا ہے، جب اُن پر اعتراض کیا جاتا ہے، استنباطِ احکام پر سیاست کا جو اثر پڑا ہے اُس کا ثبوت یہ ہے کہ شیعہ امامیہ کا اسپر اتفاق ہے کہ میراث مین بھتیجی چچا زاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے، حالانکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا

دار و مدار قرابت پر ہی اس لیے انسان جسقدر میت سے قریب تر ہوگا وہ اُس کے دور کے قرابتدار سے اُس کی وراثت کا زیادہ مستحق ہوگا یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک حقیقی چچا زاد بھائی وراثت مین ماموں سے مؤخر ہی لیکن وہ اسکو چچا پر اس لیے مقدم کرتے ہین کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ رسول اللہ صلعم کی وراثت مین حضرت عباسؓ پر مقدم قرار پائین

اُن کی جو رائین جمہور کی رایوں کی مخالف ہین وہ حسب ذیل ہین

(١) بھانجی کا نکاح خالہ کے نکاح کی حالت مین اس کے اذن کے بغیر نہین ہوسکتا اور بھانجی کے نکاح کی حالت مین خالہ کا نکاح اس کے اذن کے بغیر جائز ہے اور یہی حال پھوپھی اور بھتیجی کا بھی ہے

(٢) یہ لوگ نصرانیہ اور یہودیہ کے نکاح کو حرام سمجھتے ہین اور جس آیت سے اسکی حلت ثابت ہے اُس کو خداوند تعالی کے اس قول سے منسوخ سمجھتے ہین وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

(٣) مریض طلاق نہین دے سکتا البتہ نکاح کر سکتا ہے اس لیے اگر اس نے نکاح کرکے بی بی کے ساتھ مباشرت کی تو یہ جائز ہے اور اگر مباشرت نہ کی اور اسی مرض مین مر گیا تو اس کا نکاح باطل ہے اور عورت کو نہ مہر ملیگی نہ میراث

(٤) رضاعت سے نکاح کی حرمت صرف ان شرائط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت کا جس نے ایک ہی مرد کے نطفہ سے بچہ جنا ہو پورے ایک دن اور ایک رات یا متصل پندرہ بار دودھ پیا ہو اور اُن کے درمیان کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو

(٥) کتاب و سنت مین جس طلاق کا حکم ہے اس کی صورت صرف یہ ہے کہ جب عورت حائضہ ہو کر پاک ہو جائے تو مرد اس کے جماع کرنے سے پہلے دو عادل گواہوں کے سامنے ایک طلاق دے پھر جب تک اسکو تین حیض نہ آجائین وہ اُس سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر

اس نے رجعت کرلی تو وہ اُس کے پاس رہیگی اور اُس کے بعد اسکو دو طلاقون کا حق حاصل ہوگا اور اگر رجعت سے پہلے تین حیض گذر گئے تو اسکو اپنے اوپر اختیار حاصل ہوگا اور شوہر اگر منگنی کرنے والون کے ساتھ چاہے تو اُس سے منگنی کرسکتا ہی، اور اب اگر اُس نے نکاح کرلیا تو وہ اُس کے پاس رہیگی اور اس کو دو طلاقون کا حق حاصل ہوگا اور اُس کے علاوہ جو تھا وہ طلاق نہ تھا،

(۶) اگر کسی شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ "تو مجھپر حرام ہے" یا اسکو طلاق بائن یا طلاق بتّہ دی یا بریہ یا خلیہ کہا تو یہ کچھ نہین، طلاق صرف یہ ہے کہ عدت سے پہلے جب عورت حیض سے پاک ہوجائے تو اُس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے کہے کہ "تجھ کو طلاق ہے" یا تو عدت مین بیٹھ اور اس سے طلاق مرادلے اور اُسپر دو عادل آدمی گواہی دین،

(۷) ایک مجلس مین تین طلاق صرف ایک طلاق خیال کیئے جائین گے،

اس کے علاوہ اور بہت سی رائین ہین جنکو وہ اپنے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہین،

فنا شدہ مذاہب

فقہا کے مذاہب مین بعض فقہا ایسے ہین جن کے مذہب کے پیرو موجود تھے اور اُنھون نے ایک زمانے تک اُن کے مذہب کی پابندی کی پھر اس کے بعد جو دوسرے مذاہب پیدا ہوے وہ اس پر غالب ہوگئے، اور اُس کے پیرو ذن کا خاتمہ ہوگیا، چنانچہ ان مذاہب کے مشہور ائمہ حسب ذیل ہین،

(۱) ابو عبدالرحمٰن بن محمد الاوزاعی، اوزاع یعنی قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ یا دمشق مین باب الفرادیس کے راستے پر ایک گانون ہے ابو عمرو نے ان لوگون مین قیام کیا،

تو اُن ہی کی طرف منسوب ہوگئے، ورنہ اُن کا اصل خاندان سبی عین التمر سے تعلق رکھتا ہے؛ لیکن خود اوزاعی بعلبک مین ۸۸ھ مین پیدا ہوے اور جوان ہونے کے بعد علم حدیث کی تحصیل مین مصروف ہوئے اور عطا بن ابی رباح اور زہری اور اُن کے طبقہ کے لوگون سے روایت کی اور خود اُن سے اکابر محدثین نے روایت کی، امام اوزاعی بہت بڑے ادیب اور انشاپرداز تھے، اور اُن کے رسائل مشہور ہین، ولید بن مزید کہتے ہین کہ مین نے ان سے کوئی بہتر ین کلمہ ایسا نہین سُنا جسکے سننے والے کو اس کی ضرورت پیش نہ آئے کہ وہ اُن کی سند سے اسکو لکھ لے اور مین نے اُن کو کبھی قہقہہ مارکر ہنستے ہوے نہین دیکھا" ان کا ایک قول یہ ہے کہ "جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے تو اُن پر مناظرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اُن کو عمل سے روک دیتا ہے" اُن کا قول ہے کہ "اُن فقہا پر افسوس ہی جو عبادت کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے فقہ سیکھتے ہین اور جو چیزین شبہ کی وجہ سے حرام ہین اُن کو حلال کرلیتے ہین" اُن کے استقلال کے مشہور مقامات مین وہ گفتگو ہے جو اُنھون نے عبداللہ بن علی کے ساتھ اسوقت کی جب وہ شام مین آئے اور بنوامیہ کو قتل کیا، چنانچہ جب وہ اپنی فوج مین جنکی تلوارین کھنچی ہوئی تھین موجود تھے تو اُنھون نے اوزاعیؒ کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ بنوامیہ کے خون کے بارے مین تم کیا کہتے ہو؟ اُنھون نے کہا "تم مین اور اُن مین معاہدے تھے، اور تمھین اُن کو پورا کرنا چاہیئے تھا" اُس نے کہا کہ "یہ فرض کرلو کہ ہمارے درمیان معاہدہ نہین ہے" وہ کہتے ہین کہ مین گھبرایا اور کشت وخون کو گوارا نہ کیا اور یہ خیال کیا کہ مین خدا کے سامنے کھڑا ہون، اب مین نے اُس سے کہا کہ "اُن کا خون تجھپر حرام ہے" وہ برہم ہوا اور غصہ سے اُس کی آنکھین نکل آئین اور گردن کی رگین پھول گئین، اور اُس نے

کہا "کیون؟" مین نے کہا کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ بجز تین صورتون کے مسلمانون کا خون حلال نہین ہے، ایک تو یہ کہ بیاہا آدمی زنا کرے، دوسرے یہ کہ جان کے بدلے مین جان لی جاوے، تیسرے یہ کہ ایک شخص دین کو چھوڑ دے" اُس نے کہا کہ کیا ہماری حکومت دینی نہین ہے؟" مین نے کہا "کیونکر؟" اُس نے کہا "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لیے وصیت نہین کی تھی؟" مین نے کہا "اگر آپ اُن کے لیے وصیت کرتے تو وہ دو حکم نہ مقرر کرتے" اب وہ چُپ ہو گیا اور غصے مین بھر گیا، اُسپر مجھے خیال ہوا کہ میرا سر میرے آگے گرے گا، لیکن اُس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ "اس کو نکالو" اور مین نکل آیا،

امام اوزاعیؒ اُن محدثین مین سے تھے جو قیاس کو پسند نہین کرتے، اور اہل شام کا عمل اُن کے مذہب پر تھا، اور وہ شام کے قاضی تھے، پھر بنو امیہ کی اولاد مین جو لوگ اندلس گئے، اُن کے ساتھ امام اوزاعی کا مذہب بھی اندلس مین گیا، پھر تیسری صدی کے نصف حصے مین امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے مین شام مین اور امام مالکؒ کے مذہب کے مقابلہ مین اندلس مین اس مذہب کا چراغ بجھ گیا، امام اوزاعی نے ۱۵۷ھ مین وفات پائی،

(۲) ابو سلیمان داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی المعروف بالظاہری ۲۰۲ھ مین کوفہ مین پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہ اور ابو ثورؒ وغیرہ سے علم حاصل کیا، وہ امام شافعیؒ کے سخت حامی تھے، اور اُن کی مدح و فضائل مین دو کتابین لکھین، اور بغداد مین انہیر علمی ریاست کا خاتمہ ہو گیا، اُس کے بعد اُنھون نے خود اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کیا، جسکی بنیاد یہ ہے کہ وہ ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرتے ہین، جب تک کتاب و سنت کی کسی دلیل یا اجماع سے یہ نہ ثابت ہو کہ ظاہر کتاب و سنت مراد نہین، لیکن اگر کوئی نص نہ ملے تو ان کا

عمل اجماع پر ہوتا ہے، اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں، اُن کا قول ہے کہ خود عموم کتاب وسنت سے ہر مسئلہ کا جواب نکل آتا ہے؛

امام داؤد ظاہری نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں بہت سی ابواب فقہ میں ہیں اور بہت سی اصول میں، مثلاً کتاب ابطال التقلید، کتاب ابطال القیاس، کتاب خبر الواحد، کتاب الخبر الموجب للعلم، کتاب الحجۃ، کتاب الخصوص والعموم، کتاب المفسر والمجمل وغیرہ، اُن کے بیٹے محمد نے اُن سے علم حاصل کیا اور اُن کے مذہب پر چلے، وہ فاضل ادیب، شاعر، اخباری اور ظرفاء و مستندین میں سے تھے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں؛

امام داؤد کے مقلد اور اُن کے مذہب پر کتابیں لکھنے والے ابو الحسن عبد اللہ بن احمد بن محمد بن المغلس ہیں اور اُن کے وقت میں داؤدیوں کی ریاست کا اُن پر خاتمہ ہو گیا اور بعد کو بھی کوئی شخص اُن کا مثل نظر نہ آیا، وہ تمام لوگوں کے نزدیک فاضل عالم صادق ثقہ اور متقدم تھے، اُنھوں نے سنہ ۳۲۴ھ میں وفات پائی؛

لوگ پانچویں صدی کے نصف حصے تک امام داؤد کے مذہب کا اتباع کرتے رہے اُس کے بعد اُس کا چراغ گل ہو گیا، انھوں نے بہت سی رایوں میں جمہور کی مخالفت کی ہے اور یہ اختلاف قیاس و رائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے، یعنی ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی سنہ ۴۵۶ھ کی کتاب المحلی میں اس قسم کے بہت سے مسائل دیکھے ہیں جن میں بعض یہ ہیں؛

(۱) طلاق صرف تین الفاظ اور اُن کے مشتقات سے واقع ہوتی ہے طلاق، تسریح، اور فراق، بشرطیکہ ان الفاظ سے کوئی شخص طلاق کی نیت کرے، لیکن اگر ان الفاظ کے متعلق کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے طلاق مراد نہیں لی تو فتوی میں اسکی تصدیق کیجائیگی

لیکن طلاق اور مشتقات طلاق کے متعلق قضاءت مین تصدیق نہین کی جائے گی اور طلاق کے علاوہ بقیہ الفاظ کے متعلق قضاءت مین بھی تصدیق کی جائے گی ان الفاظ کے علاوہ جو الفاظ ہین مثلاً "خلیہ" "بریہ" "تو بری ہے" "مین نے تجھکو بری کیا" "تیری رسی تیری گردن پر ہے" "مین نے تیرے خاندان پر یا خاندان کے علاوہ کسی اور پر ہبہ کیا" اور تحریم تخئیر اور تملیک اُن کے ذریعہ سے طلاق نہ فتوی مین واقع ہوگی نہ قضاءت مین خواہ طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے

(۲) طلاق مین وکالت جائز نہین

(۳) اگر ایک غائب شخص اپنی بی بی کو طلاق دے تو یہ طلاق نہ ہوگی اور وہ جسطرح پہلے اس کی بی بی تھی اسیطرح اُسکی بی بی رہے گی اگر ان مین سے ایک مر گیا تو دونون مین وراثت جاری ہوگی اور زوجین کے تمام حقوق دونون کے درمیان قائم رہین گے چاہے وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ تین طلاق ہو یا اس سے کم البتہ جب وہ اسکو طلاق کا پیغام روانہ کرے اور عورت اُس کے بھیجے ہوے شخص کی خبر کی تصدیق کرے یا اسکی شہادت فیصلہ مین قبول کر لی جائے تو اگر عورت حاملہ ہوگی تو ایسے طہر کے ساتھ پاک ہوگی کہ اس نے اُس مین اُن کے ساتھ جماع نہین کیا ہے تو اس پر طلاق پڑجائے گی

(۴) اگر ایک شخص نے بغیر قصد طلاق محض زبان کی لغزش سے طلاق دیدی اور اُسپر گواہ قائم ہو گئے تو اُس کے متعلق طلاق کا فیصلہ کردیا جائیگا لیکن اگر گواہ نہ قائم ہوے بلکہ وہ فتوی حاصل کرنے کے لیے آیا تو اس کے لیے طلاق لازم نہ ہوگی

(۵) طلاق کی قسم لازم نہین ہے چاہے اس قسم کو پورا کرے چاہے نہ کرے اس کے ذریعہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، طلاق وہی ہوگی جسکا حکم خداوند تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے، اور قسم بھی وہی ہے جس کا حکم خداوند تعالی نے رسول اللہ کو

ذریعہ سے دیا ہے،

(۶) قسم ہی کا حال طلاق بالصفۃ کا بھی ہے اور ان سب سے طلاق واقع نہ ہوگی، طلاق صرف وہی ہے جسکا خداوند تعالی نے حکم دیا، اور اُس کی تعلیم دی، اور وہ حکم یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل اور تجاوز عن حدود اللہ ہے

(۷) اگر ایک شخص نے کہا کہ جب مہینہ شروع ہوگا تو تجھ کو طلاق ہے، یا اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس سے طلاق نہ ہوگی نہ اب نہ اُس وقت جب مہینے کا آغاز ہوگا،

(۸) اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کو طلاق کا اختیار دیدیا تو چاہے وہ طلاق لیلے یا نہ لے اس کو طلاق نہ ہوگی

(۹) اگر ایک عورت نے اپنے شوہر کو ناپسند کیا اور اس کے دل مین خوف پیدا ہوا کہ وہ اس کا حق نہ ادا کرسکے گی یا یہ کہ شوہر اُس سے بغض رکھے گا اور اس کا حق نہ ادا کریگا، تو وہ اس کو فدیہ دیکر اُس سے الگ ہوسکتی ہے اور اگر شوہر راضی ہوگیا تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے، ورنہ میان بی بی کو اسپر مجبور نہین کیا جاسکتا، صرف اُن کی رضامندی سے یہ معاملہ طے ہوسکتا ہے، اور فدیہ بجز دونون مذکورہ وجہون مین سے ایک یا دونون کے اجتماع کے بغیر جائز نہین، اور اگر ان دونون کے علاوہ فدیہ دیا گیا تو وہ باطل ہے اور مرد نے عورت سے جو رقم لی ہے وہ اسکو واپس کردی جائے گی، اور وہ پہلے ہی کی طرح اسکی بی بی رہے گی اور صرف شوہر اُس پر ظلم کرنے سے روکا جائیگا، اور عورت اپنی تمام مملوکات کو فدیہ مین دے سکتی ہے اور وہ طلاق رجعی ہوگی بجز اس صورت کے کہ وہ اسکو تین طلاق دے یا تین طلاق کے آخر تک طلاق دے، یا وہ غیر موطوءہ ہو اور اگر اس نے عدت کے زمانے مین رجعت کرلی تو یہ جائز ہے، عورت پسند کرے یا نہ کرے، اور عورت سے شوہر نے جو

رقم لی ہے وہ واپس کر دیگا،

(۱۰) طلاق اور رجعت دو عادل گواہون کے بغیر جائز نہین،

معلوم ہوتا ہے کہ بغداد مین علمار کو رائے اور استنباط کی عام آزادی حاصل تھی اور وہ اُس سے پورا فائدہ اُٹھاتے تھے، اور دوسرے فقہار کی مخالفت سے ان کو کوئی ضرر نہین پہونچتا تھا، لیکن اندلس مین علمار کو یہ آزادی حاصل نہ تھی کیونکہ وہان کے علمار نے ابن حزم کو اُن رایون کی بنا پر جو اُنھون نے اپنے مذہب کے خلاف اختیار کی تھین اپنا آماجگاہ بنالیا اور امرار کے دلون مین اُن کے خلاف شورش پیدا کی اور اُن کو اُن سے ڈرا کر اُن کو خوف زدہ کرنا چاہا، لیکن وہ خوف زدہ نہ ہوے، اور اپنی رائے سے باز نہ آئے، کیونکہ وہ ایک بہت بڑے شخص تھے، اور ہر بڑا شخص اپنے عقیدہ کے لیے تکلیف اُٹھاتا ہے، لیکن ہم اسوقت ان کی رائے کی صحت اور غلطی سے بحث کرنا نہین چاہتے، صرف گذشتہ زمانے کی ایک حالت بیان کرنا چاہتے ہین،

مین نے طبقات الشافعیہ سبکی مین ظاہریہ کی رائے کے متعلق ایک فصل اس بحث پر دیکھی ہے کہ فروعات مین اُن کی رائے کا اعتبار ہوسکتا ہے یا نہین؟ اُنھون نے اس کے متعلق تین قول بیان کیے ہین،

(۱) عموماً اُن کا اعتبار ہے اور یہی قول صحیح ہے،

(۲) عموماً ان کا اعتبار نہین اور استاد ابو اسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے،

(۳) قیاس جلی کی مخالف رایون کے سوا ان کی اور رایون کا اعتبار ہے،

ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ امام داؤد ظاہری قیاس جلی کے منکر نہین،

صرف قیاس خفی کے منکر ہین، اور ابن سبکی نے اُن کے ایک رسالہ کی جس کا نام اصول ہے ایک عبارت بھی نقل کی ہے جسکے الفاظ یہ ہین کہ "قیاس کے ساتھ حکم کرنا ضروری نہین اور استحسان ناجائز ہے" اس کے بعد وہ فرماتے ہین کہ یہ جائز نہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو حرام کر دین پھر اسکے علاوہ دوسری چیز کو ایک شخص اس لیے حرام کرے کہ وہ اس کے مشابہ ہے، البتہ اگر آپ اس علت کو بتا دین جسکی وجہ سے حرمت ہوئی ہے تو ہو سکتا ہے، مثلاً آپ یہ کہین کہ گیہون کے بدلے مین گیہون اس لیے حرام کیا گیا کہ وہ ناپ کر فروخت ہوتا ہے، اور اُس کپڑے کو دھو ڈالو کیونکہ اس مین خون لگا ہوا ہے، اور اُس کو مار ڈالو کیونکہ وہ سانپ ہے، کیونکہ اُس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے جس وجہ سے حکم دیا تھا اُسکو بتا بھی دیا تھا، اور جو حکم ایسا ہو اسکو بلا چون وچرا مان لینا چاہیے، اور اُس کے علاوہ جو ہے اُس سے خاموشی اختیار کی ہے، اور وہ اُن چیزون مین داخل ہے جو معاف کر دی گئی ہین، گویا جس حکم کی علت بتصریح بیان کر دی گئی ہے اسکو وہ قیاس نہین کہتے،

(۳) ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری،

۲۲۴ھ مین آمل طبرستان مین پیدا ہوئے، اور تحصیل علم اور تمام شہرون کی سیاحت کی اور اس قدر علم حاصل کیا کہ اُن کے معاصرین مین کوئی ان کا شریک فن نہ تھا، وہ کتاب اللہ کے حافظ، اصول صحابہؓ و تابعینؒ کے ماہر، ایام الناس اور ان کی تاریخ کے عالم تھے، ان کی تصنیفات مین وہ مشہور تاریخ ہے کہ عربی تاریخون مین کوئی تاریخ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہین نیز وہ تفسیر ہے کہ اب تک اس کے مثل دوسری تفسیر نہین لکھی گئی کتاب تہذیب الآثار بھی ان ہی کی تصنیف ہے لیکن اُنھون نے اسکو پورا نہین کیا، اُن کی ایک کتاب اختلاف الفقہاء بھی ہے، مین نے مصر کے کتبخانہ مین اس کا ایک قلمی ٹکڑا دیکھا تھا جو سبع علم

اور بہت بڑی عقل پر دلالت کرتا تھا،

اُنھون نے ابتدا مین ربیع بن سلیمانؒ سے مصر مین فقہ شافعیؒ پڑھی، اور یونس بن عبدالاعلیٰ اور بنی عبدالحکم سے فقہ مالکؒ حاصل کیا، اور ابو مقاتل سے رے مین اہل عراق کی فقہ سیکھی، اسکے بعد اُن کا علم وسیع ہوگیا اور اُن کا اجتہاد اس درجہ کو پہونچ گیا کہ اپنی فقہی کتابون مین اُنھون نے اپنا ایک خاص مذہب اختیار کرلیا، اِن کتابون مین ایک کا نام لطیف القول ہے، اور یہ وہ اقوال ہین جنکو اُنھون نے منتخب کیا ہے، اُن کی ایک کتاب کا نام خفیف ہے جسکو اُنھون نے وزیر مکتفی کی فرمائش سے لکھا ہے، اُس کے بعد کتاب البسیط شروع کی اور اس مین کتاب الطہارۃ کو لکھا، اور اکثر صلاۃ کی اُس سے تخریج کی اور کتاب الحکام والمحاضر والسجلات کی اُس سے تخریج کی،

اُن کے وہ تلامذہ جنھون نے اُن کے مذہب کے موافق فقہ کی تعلیم پائی حسب ذیل ہین،

(۱) علی بن عبد العزیز بن محمد دولابی، اُنھون نے تلامذۂ داؤد بن مغلس متقدم الذکر کے رد مین ایک کتاب لکھی ہے، اور کتاب افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کی تصنیف ہے،

(۲) ابو بکر محمد بن احمد بن محمد بن ابی الثلج الکاتب

(۳) ابو الحسن احمد بن یحییٰ المنجم المتکلم، کتاب المدخل الی مذہب الطبری ونصرۃ مذہبہ، کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الرد علی المخالفین ان کی تصنیفات سے ہین،

(۴) ابو الحسن الدقیقی الحلوانی،

(۵) ابو الفرج المعافی بن زکریا النہروانی وہ امام ابو جعفر طبری کے مذہب، اُنکی

کتابون کے حفظ مین یکتا ہین، اس کے ساتھ بہت سے علوم کے ماہر اور زود کاوت، حافظہ اور حاضر جوابی مین معروف ہین، امام طبری کے مذہب کے مطابق فقہ مین بہت سی کتابین تصنیف کی ہین،

یہ مذہب پانچوین صدی کے نصف حصہ تک مشہور اور معمول بہ رہا ہے،

یہ وہ مشہور مذاہب ہین جنپر ایک زمانہ تک عمل کیا گیا، اُس کے بعد اُن کے جاننے والون کا خاتمہ ہوگیا اور اُن کے آثار صرف کتابون مین محفوظ رہ گئے، ان کے علاوہ اور بھی بیشمار ائمہ ہین جو خود اجتہاد کرتے تھے لیکن اُن کے مذہب کی اشاعت کے لیے اُن کو مقلد میسر نہین ہوئے مثلاً اہل مصر کے امام اور امام مالکؒ کے دوست لیث بن سعد جن کی نسبت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ وہ امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ ہین، لیکن اُن کے تلامذہ نے اُن کا نام اونچا نہین کیا، اور بھی بہت سے ائمہ ہین جن کی تاریخ کے استقصار کی گنجائش صفحات کاغذ مین نہین،

خلاصہ یہ کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا، اس مین تقلید کا اثر نہ تھا، بالخصوص ائمہ کے طبقۂ اولی کے تلامذہ مین تو تقلید کا شائبہ تک نہین پایا جاتا تھا، اس کے بعد کے طبقات مین بے شبہہ تقلید کی تھوڑی سی خوشبو پائی جاتی ہے لیکن اُن مین سے جب کوئی شخص اجتہاد اور استنباط کی قدرت پاتا ہے تو وہ فوراً زائل ہو جاتی ہے، اور آزادی رائے نہایت وسعت کے ساتھ پائی جاتی تھی، اُس کے بعد ہم ایک فصل مین مذاہب اربعہ کی اشاعت اور جمہور اہل اسلام کے لیے اُن کی پابندی کا سبب بیان کرین گے،

(۹) تفریع مسائل،

اس دور سے پہلے فقہ نہایت سادہ تھی کیونکہ جو واقعات پیش آتے تھے وہ اُن کے

متعلق حکم کے اظہار تک محدود تھی اور فقہا فرضی مسائل پر کوئی حکم صادر نہین کرتے تھے، لیکن اس دور مین فقہا نے نہایت وسعت کے ساتھ مسائل ایجاد کیے، اور اُن کے احکام مستنبط کیے، جن مین اہلِ عراق کو سب پر تفوق حاصل تھا، ان لوگون نے قوتِ تخئیل پر اعتماد کیا اور لوگون کے لیے ہزارون ایسے مسائل نکالے جن مین بعض کا وجود ممکن ہے اور بعض ایسے ہین کہ نسلین گذر جائین گی لیکن کوئی شخص اُن کے وجود کو محسوس نہ کرسکے گا اور مختلف ممالک کے وہ فقہا جو قیاس کو فقہ کا ایک اصول سمجھتے تھے، اس معاملہ مین فقہائے عراق کے دست نگر تھے

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اُنھون نے تین چیزون کو سیکڑون مسائل کی بنیاد قرار دیا ہے، اور اُن کے جواب دینے مین نہایت مشقت کی ہے یعنی غلام اور اُن کے تصرفات بی بی اور اس کی طلاق، قسم اور قسم شکنی، غلامون کے بارے مین بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہ کثرت اُن کے قبضہ مین تھے، اور اسی کثرت نے اُن کے خیالات کو اُن کی طرف مبذول کرایا، یہی وجہ ہے کہ معاملات کا کوئی باب ایسا نہین ہے جس کے اکثر مسائل کی بنیاد لونڈی اور غلام پر نہو، بیع، اجارہ، شرکۃ، رہن، وصیت اور عتق وغیرہ سب مین ان ہی کے متعلق مسائل نظر آئین گے،

لیکن عورت اور اُس کے طلاق کے متعلق مین نے اُس اصل پر غور کیا جس نے طلاق کے اُن مسائل کی طرف فقہا کو توجہ دلائی تو مجھے اس کے معلوم کرنے مین کامیابی نہوئی، اگر ایک ہذیانی آدمی سے بھی مسائل کے وقوع کا تصور ہوسکے تو اُنھون نے اس کا جواب تیار کرلیا ہے اور اگر مفتی یا قاضی سے اُن کا سوال کیا جائے تو اُن کو جواب دینے مین کوئی توقف نہ ہوگا، رہی یہ بات کہ ان مسائل کے وجود کا تصور مشکل ہے تو اس سے

تعجب اور بڑھ جاتا ہے، اور اُن پر جو وقت صرف کیا گیا اس پر سخت افسوس ہوتا ہے'
مین نے امام محمد بن حسنؒ کی کتاب جامع الکبیر مین پڑھا ہے کہ اگر ایک شخص کے تین بی بیان
ہون جن مین ایک کا نام زینب دوسری کا عمرہ، اور تیسری کا حمادہ ہو اور اس نے کسی کے
ساتھ مباشرت نہ کی ہو اور وہ زینب سے کہے کہ اگر مین تجھ کو طلاق دون تو عمرہ کو طلاق
ہوجائے گی' پھر اُس نے عمرہ سے کہا کہ اگر مین تجھ کو طلاق دون تو حمادہ کو طلاق ہوجائیگی
پھر اُس نے حمادہ سے کہا کہ اگر مین تجھ کو طلاق دون تو زینب کو طلاق ہوجائے گی' اس کے
بعد اُس نے زینب کو طلاق دی' تو اُس کو یہ طلاق ہوجائے گی' اور عمرہ کو قسم شکنی سے
طلاق واقع ہوگی' لیکن ان دونون کے علاوہ اور کسی عورت کو طلاق نہ ہوگی' اور اگر
اُس نے زینب کو طلاق نہ دی بلکہ عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ کو یہ طلاق ہوجائے گی' اور حمادہ
قسم شکنی سے مطلقہ ہوگی' اور زینب پر کوئی طلاق نہ پڑے گی' اور اگر اُس نے عمرہ کو طلاق نہ دی
بلکہ حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ پر یہ طلاق پڑے گی اور زینب قسم شکنی سے مطلقہ ہوگی' اور عمرہ پر قسم شکنی
کی وجہ سے دوسری طلاق پڑجائیگی کیونکہ اُسنے زینب کے متعلق قسم شکنی کی اسلیئے اس قسم شکنی کی وجہ سے
مطلقہ ہوجائے گی' لیکن اگر اس نے کسی عورت کو کوئی طلاق نہ دی بلکہ کہا کہ "تم مین سے کسیکو
طلاق ہے" پھر قبل اس کے کہ وہ بیان کرے کہ اس نے کس عورت کو طلاق دی وہ
مرگیا تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا، وراثت نہ ملے گی' اور زینب اور حمادہ کو ایک پورا مہر اور
ایک چوتھائی مہر ملے گا جو اُن کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوجائے گا، میراث بھی اُن کو
نصف ملے گی جو اُن کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوجائے گی' اور نصف وراثت ورثا
کو ملے گی' کیونکہ عمرہ ہر حالت مین مطلقہ ہوگی' اور ایک حالت مین زینب اور حمادہ دونون
پر طلاق پڑے گی اور ایک حالت مین صرف ان مین سے ایک مطلقہ ہوگی' اس لیے ایک

حالت مین ان کو ایک مہر اور دوسری حالت مین ڈیڑھ مہر ملیگا، اس لیے اُن کو ایک مہر اور اس کا چوتھائی حصہ ملے گا، لیکن وراثت تو ایک حالت مین ایک کو ملیگی اور ایک حالت مین ان دونون مین سے کسی کو نہ ملے گی اس لیے نصف میراث دونون مین نصف نصف تقسیم ہو جائے گی،

اس کے بعد دوسرے مسئلہ مین اُن بی بیون کو جن کے ساتھ اُس نے مباشرت نہین کی ہے، چار فرض کیا ہے، اور حساب اور کسور کو زیادہ کر دیا ہے،

اور مین نے امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی کتاب الام مین پڑھا ہے،

طلاق بالحساب

امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ اگر ایک شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہو جسکے قبل یا جس کے بعد ایک ہے تو اسپر دو طلاق پڑ جاسے گی، لیکن اگر اُس نے کہا کہ مین نے ایک طلاق مراد لی ہے، اور اُسکے پہلے اور بعد سے طلاق مراد نہین لی ہے تو فیصلہ مین اُسکا اعتبار نہین کیا جائیگا، لیکن فیما بینہ وبین اللہ اعتبار کیا جائیگا، اور اگر اُس نے بی بی کو ایک طلاق دیکر پھر رجعت کر لی اسکے بعد کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جسکے پہلے ایک ہے، اور اُس نے کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اُس کے پہلے مین اس کو ایک طلاق دے چکا تھا تو قسم لینے کے بعد فیصلہ مین بھی اس کی بات مان لیجائے گی اور اگر کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جس کے بعد ایک ہے، پھر خاموشی اختیار کر لی اور کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس طلاق کے بعد تجھ کو ایک وقت کے بعد ایک طلاق دون گا یا تجھ کو صرف اُسی وقت کے بعد وہ طلاق دون گا تو فیصلہ مین اُس کا اعتبار نہین کیا جائیگا، اور فیما بینہ وبین اللہ کیا جائیگا، اگر کسی شخص نے

اپنی بی بی سے کہا کہ تیرا بدن، یا تیرا سر یا تیرا پانون یا تیرا ہاتھ یا اس کے کسی اور عضو یا اُسکی انگلی یا اُس کے کسی پور کا نام لیا تو عورت کو طلاق پڑجائے گی؛ اور اگر اس سے کہا کہ تیرے بعض کو طلاق ہے؛ یا تیرے کسی جزو کو طلاق ہے؛ یا ہزار جزو مین سے کسی جزو کا نام لیا تو اسکو طلاق پڑجائے گی؛ کیونکہ طلاق کے اجزا نہین کیے جاتے، اور اگر اُس سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق کے دو نصف حصہ کے برابر طلاق ہے تو اسپر صرف ایک طلاق پڑے گی، البتہ اگر وہ دو طلاق مراد لے، یا یہ کہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ نصف اُس کے حکم سے جو تھا واقع ہو اور نصف آ...کے حکم سے جو تھا نئے سرے سے دیجائے گی تو دو طلاق پڑجائے گی؛ اسی طرح اگر اس سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق کی تین تہائی یا چار چوتھائی طلاق ہے ان مین سے ہر ایک ایک طلاق سمجھی جائیگی کیونکہ ہر طلاق دو نصف یا تین تہائی یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے، البتہ اگر وہ اُس سے زیادہ کی نیت کرے تو وہ لفظ کے ساتھ نیت کرنے سے واقع ہوجائے گی؛ اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کی طرف دیکھا اور اُس کے ساتھ ایک ایسی عورت ہے جو اس کی بی بی نہین ہے، پھر کہا کہ تم مین سے ایک کو طلاق ہے؛ تو شوہر ہی کے قول کا اعتبار کیا جائیگا، اگر اس نے کہا کہ اُس نے اپنی بی بی کو مراد لیا تھا تو اُسپر طلاق پڑجائیگی، اور اگر اُس نے اجنبیہ کو مراد لیا تھا تو اس کی بی بی کو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے کہا کہ اُس نے اجنبیہ کو مراد لیا تھا تو اس سے قسم لی جائے گی؛ اور اُسکی عورت ایسی حالت مین ہوگی کہ اُس پر طلاق واقع نہ ہوگی؛ اور اگر اُس نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق دو مین ہے تو اُسکو ایک طلاق ہوجائے گی؛ اور اُس کے قول "دو مین" کے متعلق سوال کیا جائیگا، اور اگر اس نے کہا کہ مین نے کوئی نیت نہین کی تھی تو اسکو صرف ایک طلاق ہوگی؛ الخ

اسی طرح اُنھون نے اور بھی خیالی اور عجیب صورتین بیان کی ہین؛ حالانکہ کتاب الام کا

اکثر حصہ خیالی مسائل سے الگ ہی،

کتاب المدونہ بھی جو امام مالکؒ سے منقول ہے طلاق کے متعلق بہت سے مسائل مین اس سے کم نہین ہے کیونکہ امام محمد بن الحسن کی کتابین اسکی اصل ہین،

رہے نذر و قسم تو وہ ایک دریاے ناپیدا کنار ہے تم کو اُس مین حیرت انگیز تنوع نظر آئے گا گویا قسم کی جسقدر خیالی صورتین ہو سکتی تھین اُن فقہا نے اُن کو سامنے رکھ لیا ہے اور اُس کے جواب دیے ہین حالانکہ اُس مین یقیناً بہت سی چیزین ایسی ہین جن کے رسم و رواج مین مختلف ممالک کے لحاظ سے اختلاف ہو جاتا ہی کاش قسم غلامون کی آزادی کو اور طلاق کے مسائل مین اس درازنفسی کا سبب مجھ کو معلوم ہو سکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلی صدی کے اواخر مین بیعت پر قسم لینے کا جو طریقہ پیدا ہوا اُس نے اُس پر اثر ڈالا ہو گا چنانچہ ایک معاہدے مین جو دوسری صدی مین کیا گیا ہے یہ الفاظ مذکور ہین،

اگر تم نے اس مین کسی چیز کو بدلا، یا معاہدہ شکنی کی، یا اُس چیز کی مخالفت کی جس کا تم کو امیرالمومنین نے حکم دیا، اور اس کتاب مین تم کو اس کا پابند بنایا تو تم خدا، رسول اور تمام مسلمانون کی ذمہ داری سے بری ہو گئے، اور تم مین سے آج ہر شخص کے پاس جو مال ہے یا پچاس سال تک وہ اُس سے فائدہ اُٹھائے گا وہ مسکینون پر صدقہ ہی اور تم مین سے ہر ایک کیلیے پچاس سال تک مکہ کے بیت الحرام کی طرف بطور نذر واجب کے چلنا ہو گا، خدا صرف اُس کے پورے کرنے کو قبول کرے گا، اور تمھارا ہر غلام یا تم مین سے ہر شخص پچاس سال تک جس غلام کا مالک ہو گا وہ آزاد ہے، اور اسکی ہر عورت کو تین طلاقین قطعی طور پر پڑ جائین گی اس مین کسی قسم کی استثنا نہین ہی،

اور دوسرے معاہدے کے یہ الفاظ ہین،

اگر ہین نے تبدیلی پیدا کی الخ تو خدا سے اس کی ولایت سے اُس کے دین سے اور محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہو گیا اور قیامت کے دن خدا سے کافر مشرک ہو کر ملون گا اور
آج میرے پاس جو عورت ہو یا تیس سال تک مین اُس سے نکاح کرون گا اس کو تین قطعی
طلاقین ہو جائین گی الخ

کیا بیعت کے ان معاہدون مین بی بی غلام اور نذر شدہ مال کے داخل کرنے کا
اثر اُن ابواب کے مسائل کی کثرت تفریع پر نہین پڑسکتا؟

جو لوگ اس قسم کی قسمین لیتے تھے، تمام ائمہ نے اُن کے اغراض کی تائید نہین کی،
چنانچہ امام مالک بن انسؓ اور اہل حجاز نے اس قول کے ساتھ کہ "مجبور کردہ شخص پر قسم نہین ہے"
اُن کی مخالفت کی، گو ابو جعفر منصور کے عہد مین ان کو اسپر سزا دی گئی اور یہ یقینی ہو کہ یہی اسکا
سبب تھا، امام شافعیؒ نے بھی اس قول کے ساتھ کہ "جو عورت نکاح مین نہین آئی،
اُس کے طلاق کی قسم کھانا بالکل بے اثر ہے" اُن سے اختلاف کیا، اور ہم کو یہ معلوم نہین
کہ اس کی وجہ سے اُن کو کوئی صدمہ پہونچا، کیونکہ وہ ابو جعفر جیسے مستبد شخص کے زمانے مین
نہ تھے، امام داؤدؒ نے بھی اس قول کے ساتھ کہ "غیر خدا کی قسم بالکل بے قیمت و بے اثر ہے"
ان کی مخالفت کی، اور دوسرے لوگون نے بھی اس قول کے ساتھ کہ "قسم مین استثنار جائز ہو
گو وہ چند دنون کے بعد ہو" اُن سے اختلاف کیا جسکے معنی یہ ہین کہ قسم کھانے کے بعد اگر
وہ "انشاء اللہ" کا لفظ کہدے تو قسم کی کوئی قیمت باقی نہ رہ جائے گی، ایک بار منصور سے کہا گیا
کہ استثنار فی الیمین کے جواز مین امام ابو حنیفہ تمھارے دادا ابن عباس سے اختلاف کرتے
ہین، چنانچہ ابو جعفر نے اُس کے بارے مین اُن سے پوچھا تو اُنھون نے کہا کہ جو شخص اس
استثنار کو جائز رکھتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ تیرے سپہ سالارون پر تیری بیعت کی پابندی لازم

نہین ہی کیونکہ وہ تیری بیعت پر قسم کھائین گے، پھر نکل کر استثنا کر لین گے، اس لیے یہ قسم اُن کے لیے لازم نہ ہوگی، اسپر ابوجعفر امام ابوحنیفہ رح سے خوش ہوا،

رسول اللہ صلعم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رض کی بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے جس کا نام ان لوگون نے مبایعہ رکھا ہے اس کا مقابلہ کرو تو تم کو دونون زمانون مین قوم کی روح مین عظیم الشان فرق نظر آئے گا، کیونکہ پہلے زمانہ مین یہ لفظ کہ "مین تم سے بیعت کرتا ہون" ہر چیز کو شامل ہو جاتا تھا اس لیے بیعت کرنے والا نقض بیعت یا اس کی خلاف ورزی کی کوئی گنجائش نہین پاتا تھا کیونکہ وہ شریف تھا اور اس نے وفا پر اپنے شرف کو رہن کر دیا تھا اور اصحاب بیعت حجاجیہ اور منصوریہ ایسے لوگ تھے جن کے معاہدے پر صرف اسوقت اعتماد کیا جا سکتا تھا جب اسپر مال کے ضائع، عورتون کے مطلقہ اور غلامون کے آزاد ہونے سے مدد لی جائے، اور اُن سب کو دین کا پابند کیا جائے لیکن اس کے ساتھ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جن بیعتون مین ان ذرائع سے کام لیا گیا اُن مین اکثر بیعتون کے کرنے والون نے اُن کو پورا نہین کیا اور اصحاب شروط کے ایسے حیلے اُن کے پاس موجود تھے جنھون نے اُن کو اس تنگ دائرے سے باہر نکال دیا،

ان تفریعات کا سلسلہ ابواب عبادات تک بھی پہونچا اور تم کو عبادات کے متعلق بھی بہت سی ایسی صورتین ملسکتی ہین جن کا عقل انکار کرتی ہے اور اُن کے وجود کی تصدیق نہین کرتی لیکن ان بزرگون نے اپنے بعد کے لوگون کو غور و فکر کرنے سے نجات دیدی اور ان کے لیے مسائل کی صورتین وضع کین اور اُن کے جواب تحریر کیے،

امام محمد رح کی کتاب المبسوط بہت بڑی کتاب ہے جو چھ ضخیم حصون مین لکھی ہوئی ہے اور ہر جلد کے اوراق کی تعداد بہ تقطیع کامل پانچسو ہے، اور ان سب مین مسائل کی تفصیل ہے

تو اب تم خود غور کرو کہ اُس کے مسائل کی تعداد کیا ہو گی؟ جبکہ مختصر قدوری مین جیسا کہ لوگون کا بیان ہے بارہ ہزار مسئلے ہین تو مبسوط مین کس قدر مسائل ہونگے، حالانکہ مختصر قدوری اُسکے دسوین حصّے کے برابر بھی نہین ہے بے شبہ یہ بہت بڑا سرمایہ ہے، اور اُس سے ان بزرگونکی جد وجہد کی مقدار کا پتہ چلتا ہے،

مین نے اپنے سامنے امام محمدؒ کی مبسوط اور امام شافعیؒ کی کتاب الام کی ایک ایک جلد ایک ہی موضوع کے متعلق رکھین اور ایک بار اس کو اور ایک بار اسکو دیکھنا شروع کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام شافعیؒ لکھتے ہین تو پڑھنے والون سے یہ چاہتے ہین کہ وہ اُس اصول کو سیکھے اور جانے جس سے استنباط کیا گیا ہے، اور مجتہد اپنے اجتہاد سے جس نتیجہ تک پہونچا ہے، اس پر جو اعتراضات ہوتے ہین وہ اُن کے جواب دینے کے طریقے بیان کرتے ہین، اس لیے اگر پڑھنے والے کا مقصد جواب مسئلہ کا معلوم کرنا نہ ہو تو وہ بکثرت اُس کے مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہین، اور اس غرض کو اُنھون نے پورا کر دیا ہے، لیکن امام محمدؒ شاگرد کے لیے لکھتے ہین اور اس کو مسائل کے جواب سکھاتے ہین اس لیے وہ فروعات کا ماہر ہو کر نکلتا ہے اور اُس کے دل مین کسی فرع کا تصور نہین آتا جسکو وہ لکھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اُس کی نظر سے نہ گذرے یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والے کا وقت اُس مین اُسی قدر صرف ہوتا ہے کہ اسکو اپنے مسئلہ کا جواب مل جائے، مین اس وقت یہ فیصلہ کرنا نہین چاہتا کہ کہ اس قدر فروعات فقہیہ کی کثرت صحیح ہے یا غلط؟ مین تم کو صرف یہ سمجھانا چاہتا ہون کہ تفریع مسائل اس دور کا ایک خاصہ ہے، اور صحابہؓ و تابعینؒ کا یہ طریقہ نہ تھا بلکہ جو مسئلہ پیدا نہین ہوتا تھا اُس کے جواب دینے کو وہ لوگ بُرا سمجھتے تھے اور آئندہ کے دونون دورون مین تم کو اُس کا نتیجہ معلوم ہو گا،

مسائل الحیل

تاریخی واقعات مین سب سے عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مذہبی مقنن ایسے مسائل فرض کرے اور لوگون کو ان کی تعلیم اس غرض سے دے کہ وہ احکام شرعیہ سے کیونکر نجات حاصل کرسکتے ہین؟ ایک وکیل کے متعلق جو لوگون کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے یہ بات سمجھ مین آسکتی ہے، کیونکہ وہ قانونی حیلون کے ذریعہ سے ایک مجرم کی رہائی کی تدبیر کرتا ہے، اور کبھی کبھی اُس کو اس کا کمال بھی خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اُس کو بہت زیادہ وسعت دے اور لوگون کے لیے قانونی حیلون کے ذریعہ سے دوسرون کے حقوق کا باطل کرنا آسان کردے تو یہ اس کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل خیال کی جائے گی، اور وہ بھی جس چیز کو دینی خیال کرتا ہے اُس کے ابطال کے لیے ایسے حیلے نہ کریگا، ایسی حالت مین اگر ہم ایک مذہبی آدمی کو دینی احکام کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے پائین تو ہم پر کیا اثر پڑیگا؟ لیکن ہم کو اس دور مین ایک ایسا شخص ملتا ہے جس نے لوگون کے لیے ایک کتاب تصنیف کی جسکا نام کتاب الحیل رکھا اور اہل حدیث نے نہایت سختی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، یہان تک کہ اُس کے مصنف کو شیطان کہا اور اسپر فسق وفجور کے داغ کا نشان لگایا لیکن اُس کے مصنف کا نام نہ معلوم ہوسکا، لوگون نے اہل عراق مین سے بعض اصحاب الرائے پر اس کا الزام لگایا لیکن یہ تعیین نہ کرسکے کہ وہ کون ہے؟ اس کے بعض مسائل سے اُس کے مصنف کی بھی کمزوری کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ جو شخص ایک مسلمان کیلیے فریضۂ زکوٰۃ کے چھوڑ دینے مین آسانی پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب سال قریب ختم کے ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنا مال اپنے لڑکے یا بی بی پر ہبہ کردو، پھر اُس سے اپنے اوپر ہبہ کرا لو

کیونکہ اب نیا سال شروع ہو جائے گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس کی نسبت تمھارا کیا خیال قائم ہو سکتا ہے؟ مسائل حیل مین جرم کے لحاظ سے یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے ورنہ اس مین اسقاطِ شفعہ کے متعلق بہت سے مسائل ہین، اور پابندیِ قسم سے آزاد ہونے کی مثالین تو اور بھی زیادہ ہین خدا کی قسم ایک ایسا مذہب جو اُس مطلقہ عورت کو وراثت دلواتا ہے جس کا شوہر حالتِ مرض مین اس غرض سے طلاق دیتا ہے کہ اُسکو وراثت نہ ملے حیلہ و فریب سے بالکل الگ ہے، البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ مسائل کی جو کثرت ہوئی اور طرح طرح کے جو مسائل وضع کیے گئے اُس نے کمزور مذہب کے لوگون کو اسپر آمادہ کیا کہ کلام ائمہ کی مدد سے حیلے تراشین لیکن اُن کے دل مین یہ بات نہ تھی کہ اس غرض کے لیے اُن کے مسائل استعمال کیے جائین گے، غالباً ہم اپنے اصل مقصد یعنی تاریخ سے الگ ہو گئے، کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی جو روایت کی گئی ہے اسلیے ہم اس سے بالکل گذر نہین جا سکتے تھے، علامہ ابن قیم جوزی نے اپنی کتاب اعلام الموقعین مین اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، اگر تم چاہو تو اُس کو دیکھ سکتے ہو،

(۱۰) احکام مین کتابون کی تدوین،

ہم نے جن ائمہ کا تذکرہ کیا، اُن سب کے لیے کتابین مدون کی گئین جن سے وہ احکام معلوم ہوتے ہین جن کو اُنھون نے مستنبط کیا، اکثر تو ان کتابون کو اُن کے تلامذہ نے مدون کیا ہے اور بعض کتابون کو خود اُن ائمہ نے مدون کیا اور اپنے تلامذہ کو املا کرایا ہے، چنانچہ ہم ان کتابون کا تذکرہ کرتے ہین جو اُن مذاہب کی بنیاد خیال کی جاتی ہین،

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے اُن کے سب سے بڑے شاگرد امام ابویوسفؒ نے کتابیں تصنیف کیں، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ اُن کی اصول وامالی کی کتابوں میں کتاب الصلاۃ اور کتاب الزکاۃ آخر کتب فقہ تک ہیں،

ان کے علاوہ اُن کی حسب ذیل کتابیں ہیں،

(۱) املار، قاضی بشر بن ولید نے اس کی روایت کی ہے اور امام ابویوسفؒ کی تفریعات ۳۶ کتابوں پر مشتمل ہے،

(۲) کتاب اختلاف الامصار،

(۳) کتاب الرد علی مالک بن انسؒ

(۴) کتاب الخراج، اسکو انھوں نے ہارون رشید کے نام بطور ایک خط کے لکھا ہے،

(۵) کتاب الجوامع، اسکو انھوں نے یحییٰ بن خالد کے لیے تالیف کیا ہے جو چالیس کتابوں پر مشتمل ہے، اور اس میں لوگوں کے لیے اختلاف اور معمول بہ رائے کا تذکرہ کیا ہے،

لیکن اُن کی کتابوں میں ہم کو صرف کتاب الخراج مل سکی ہے، جو مصر میں چھاپی گئی ہے، وہ اُس کی ابتدا میں فرماتے ہیں،

امیر المومنین نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ اس کے لیے ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جس پر خراج، عشور، صدقات اور جزیہ وغیرہ کے متعلق جن پر غور کرنا اور عمل کرنا ضروری ہے عمل کیا جائے

اور اُس سے امیر المومنین کا مقصد یہ ہے کہ اس کی رعایا سے ظلم دور کیا جائے اور اُن کے معاملے کی اصلاح ہو، خداوند تعالیٰ امیر المومنین کو توفیق دے ٹھیک راستے پر چلائے، اسپر اس کی مدد کرے اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہو اس سے اُسکو محفوظ رکھے، امیر المومنین نے مجھ سے یہ چاہا ہے کہ وہ جس چیز پر عمل کرنا چاہتا ہے اُس کے متعلق مجھ سے جس چیز کا سوال کیا ہے، اُس کی تفسیر و تشریح کروں، چنانچہ میں نے اُسکی تفسیر و تشریح کی،

یہ کتاب نہایت عمدہ اور اُس زمانہ کا ایک سرمایہ ہے،

اُن کی تصنیفات میں ہم کو کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ بھی ملی ہے جسمیں اُنھوں نے اپنے ان دونوں استادوں کے بہت سے اختلافی مسائل بیان کیے ہیں اور وہ خود کبھی امام ابو حنیفہؒ سے اتفاق کرتے ہیں اور کبھی ابن ابی لیلیٰؒ کی رائے لیتے ہیں، امام شافعیؒ نے اس کتاب کو لیا ہے، اور ان تینوں اماموں (ابو حنیفہؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابو یوسفؒ) کی رائے کی روایت کرنے کے بعد اُن کے متعلق اپنی ترجیحی رائے کو ذکر کرتے ہیں، اور بسا اوقات اُن کی رایوں کے مخالف خود اپنی ذاتی رائے اختیار کرتے ہیں،

اس کتاب کے یہ چند مسائل ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب استنباط کا دارمدار رائے پر ہے اس کا کیا طریقہ ہے؟

صناع کا تاوان

(۱) ایک آدمی نے درزی کو کپڑا دیا اور اُس نے اُس کی قبا سی دی، لیکن کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تجھ کو قمیص کا حکم دیا تھا، اور درزی نے کہا کہ تم نے مجھ سے قبا کی فرمائش کی تھی، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا قول قبول کیا جائیگا،

اور درزی کپڑے کی قیمت دیگا اور امام ابو یوسفؒ بھی اسی راے کو لیتے ہین لیکن ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک درزی کا قول قبول کیا جائیگا، اور اگر درزی کے پاس سے کپڑا ضائع ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر اور اسی طرح دھوبی اور رنگریز وغیرہ پر بجز اس صورت کے کہ اُنھون نے خود ضائع کیا ہو کوئی تاوان نہین ہے لیکن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہین کہ گو انھون نے بذات خود ضائع نہ کیا ہو لیکن جو چیز اُنکے پاس ضائع ہوئی وہ اس کا تاوان دینگے امام ابو یوسف کہتے ہین کہ وہ تاوان دین گے مگر کسی اتفاقی حادثہ کی صورت مین نہین۔

امام شافعیؒ کہتے ہین کہ جو شخص اجیرون سے تاوان دلواتا ہے، وہ اسکو عاریت پر قیاس کرتا ہے جس کا تاوان لیا جاتا ہے، وہ کہتے ہین کہ عاریت کا تاوان اس لیے لیا جاتا ہے کہ عاریت لینے والے کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے جب تک وہ اسکو محفوظ طریقہ پر واپس نہ کردے، وہ اس کا تاوان دیگا اور وہ مثل سلف کے ہے، قاضی شریح بھی دھوبی سے تاوان لینے کی طرف گئے ہین چنانچہ انھون نے ایک ایسے دھوبی سے تاوان دلوایا جس کا گھر جل گیا تھا اُس نے کہا کہ آپ مجھ سے تاوان دلواتے ہین حالانکہ میرا گھر جل گیا ہے، بولے اگر کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا اُس سے اپنی اجرت نہ لیتا لیکن جو لوگ ان سے تاوان نہین دلواتے وہ اسکو ودیعت پر قیاس کرتے ہین عطاؔ سے یہ روایت ثابت ہے کہ اُنھون نے کہا کہ کاریگر اور اجیر پر ضمانت نہین ہے البتہ اجیرون اور کاریگرون نے جس چیز کو خود ضائع کردیا ہو اُس کے متعلق کوئی سوال نہین ہے، اور جس طرح ایک امانت دار آدمی اس امانت کی ضمانت دیتا ہے جسکو اُس نے خود ضائع کردیا ہو، اسی طرح یہ لوگ بھی ضمانت دین گے اور ضائع کرنے کا جرم کسی سے معاف نہ ہوگا اسی طرح اگر انھون نے زبردستی سے ضائع کیا ہو تو وہ تاوان دین گے، ربیع کہتے ہین

کہ میرے خیال مین امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ کاریگر پر بجز اس صورت کے کہ اس نے خود ضائع کیا ہو تاوان نہین ہے، لیکن کاریگرون کے خوف سے وہ اس کا اظہار نہین کرتے تھے

مشتری کے پاس زمانۂ خیار مین فروخت شدہ چیز کا ضائع ہو جانا۔

اگر کسی شخص نے ایک چیز اس شرط پر خریدی کہ بائع کو ایک دن تک واپس لینے کا اختیار ہوگا اور خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا اور وہ اُس کے پاس ضائع ہو گئی تو امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ خریدار کو قیمت[1] کا تاوان برداشت کرنا پڑیگا، کیونکہ اُس نے بیع کی شرط پر اسکو لیا ہے اور یہی امام ابو یوسف کی بھی راے ہے لیکن ابن ابی لیلی کہتے ہین کہ وہ اس صورت مین امین ہے، لیکن اگر خریدار کو واپس کرنے کا اختیار رہا اور وہ اُسکے پاس ضائع ہو جائے تو دونون کے قول مین جس ثمن[1] پر اُس نے خریدا ہے وہ اُس پر بطور تاوان کے پڑیگی اور امام شافعی کہتے ہین کہ وہ اُس کی قیمت کو تاوان مین دیگا، ہم ثمن کو بطور تاوان کے اس لیے نہین دلواتے کہ اس مین بیع مکمل نہین ہوئی ہے اور تاوان سے اسکو بری اس لیے نہین کرتے کہ اُس نے اسکو بیع پر لیا ہے جس کا عوض خریدار سے لیگا، اس لیے ہم فروخت شدہ چیز کا تاوان دلوائین گے، وہ اس کا امین نہین ہو سکتا کیونکہ آدمی اُس چیز کا امین ہوتا ہے جس کا وہ نہ مالک ہوا اور نہ اُس سے کوئی نفع عاجل و آجل اُٹھائے صرف اُس کو اصل مالک کے فائدہ کے لیے نہ کہ اپنے فائدے کے لیے اپنے پاس روک رکھے، چاہے واپسی کا اختیار بائع کو ہو یا مشتری کو اس مین دونون برابر ہین کیونکہ بیع کے مکمل ہونے سے پہلے وہ چیز تلف ہو گئی،

[1] قیمت مال کی اصل قیمت کو کہتے ہین [1] اور ثمن وہ ہے جو بائع و مشتری مین طے ہو جائے،

(شفعہ)

ایک شخص نے ایک مکان خریدا اور اس مین ایک عمارت تعمیر کی، اس کے بعد شفیع نے بذریعہ شفعہ کے اس کا مطالبہ کیا، امام ابو حنیفہؒ کہتے ہین کہ شفیع مکان لے لیگا، اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا، اور امام ابو یوسفؒ کی بھی یہی راے ہے لیکن ابن ابی لیلیٰؒ مکان اور تعمیر عمارت دونون شفیع کو دلواتے ہین اور اس کو تعمیر عمارت کی قیمت اور مکان کا ثمن ادا کرنا ہوگا ورنہ اسکو شفعہ کا حق حاصل نہ ہوگا، اور امام شافعیؒ کہتے ہین کہ اگر کسی شخص نے کسی مکان کا ایک حصہ خریدا، پھر اُس کی تقسیم کی، اور نئی عمارت بنائی، اب شفیع نے بذریعہ شفعہ کے اس کا مطالبہ کیا تو اس سے کہا جائیگا کہ اگر تم چاہو تو مکان کا ثمن اور نئی عمارت کی جو قیمت آج ہے ادا کردو ورنہ شفعہ سے باز آؤ، اس کے سوا کوئی صورت نہین ہے، کیونکہ اس نے عمارت زبردستی نہین بنائی ہے، اس لیے اس پر اس کا انہدام فرض نہین ہے

(ہمسایہ کا شفعہ)

امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ شفعہ کا حق پہلے اُس شریک کو حاصل ہے جس نے تقسیم نہین کی ہے، اُس کے بعد اُس شریک کو جس نے تقسیم کرلی ہے اور دونون کا راستہ ایک ہے، پھر متصل کے ہمسائے کو حق شفعہ حاصل ہے، اور جب بہت سے ہمسائے ہون اور اور اُن سب کا اتصال برابر درجہ کا ہو تو وہ شفعہ مین شریک ہین، ابن ابی لیلیٰ بھی امام ابو حنیفہ ہی کے قول کے قائل تھے، لیکن جب امیر المومنین ابو العباس نے اُن کو تحریری حکم بھیجا کہ شفعہ کا

فیصلہ صرف اُس شریک کے حق مین کرین جس نے تقسیم نہین کی ہے تو اُنھون نے اس حکم کو قبول کرلیا اور صرف اُس شریک کے حق مین فیصلہ کرنے لگے جس نے تقسیم نہین کی تھی، یہی قول اہل حجاز کا ہے اور یہی راے امام شافعی کی ہے[1]،

پوری کتاب اسی پسندیدہ روش پر لکھی گئی ہے، جس سے وہ طریقے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتے ہین جن کو ان ائمہ نے استنباط و انتقاد مین اختیار کیا ہے لیکن امام ابو حنیفہ رح کے اور اُن کے تلامذہ کے مذہب کے متعلق جس شخص کی کتابین ہمارے لیے محفوظ رہین وہ امام محمد بن حسن ہین جن کو ان مذاہب کی روایت کے ساتھ دوسرون پر تفوق حاصل ہے،

اُن کی کتابون کی دو قسمین ہین، ایک تو وہ جن کی اُن سے روایت کی گئی اور وہ اسقدر مشہور ہوئین کہ قلوب پر اُن کو اطمینان حاصل ہوگیا، اور یہ کتابین ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور ہین، اور دوسری وہ کتابین ہین جنھون نے یہ درجہ نہین حاصل کیا، اور ہم ان دونون قسم کی کتابون پر بحث کرتے ہین،

کتب ظاہر الروایۃ

مین پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جس مین وہ مسائل جمع کیے گئے ہین جن کو امام محمد سے اُن کے دو شاگردون یعنی عیسیٰ بن ابان اور محمد بن سماعہ نے روایت کیا ہے یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابون مین ہین جن مین پہلی کتاب کتاب الصلاۃ ہے لیکن اُسکی ہر کتاب مین ابواب نہین قائم کیے گئے تھے، اس لیے قاضی ابو طاہر محمد بن محمد الدباس نے اسکی تبویب

---

[1] مصنف نے کئی ورق مین اس قسم کے مسائل لکھے ہین لیکن ہم نے طوالت اور غیر دلچسپی کے خیال سے اُن کو قلم انداز کردیا ہے،

ترتیب کی تاکہ طلبا پر اس کا یاد کرنا اور پڑھنا آسان ہو جائے، امام محمد اس کتاب کے مسائل کی روایت امام ابو یوسف سے اور وہ امام ابو حنیفہ سے کرتے ہین، اور اس کتاب مین استدلال موجود نہین ہے،

دوسری کتاب جامع الکبیر ہے، جو جامع صغیر ہی کے مثل ہے، البتہ وہ اُس سے بڑی ہے،

تیسری کتاب مبسوط ہے جو اصل کے نام سے مشہور ہے، امام محمد کی تصنیفات مین یہ سب سے بڑی کتاب ہے، جسمین اُنھون نے اس قسم کے ہزارون مسائل جمع کیے ہین، جن کے جوابات امام ابو حنیفہ نے مستنبط کئے ہین اور ان مین بعض وہ مسائل بھی ہین جنمین امام ابو یوسف اور امام محمد نے اُن سے اختلاف کیا ہے، اس کتاب مین اُن کی عادت یہ ہے کہ اسکو وہ اُن آثار سے شروع کرتے ہین جو اُن کے پاس موجود ہوتے ہین، پھر اُس کے مسائل بیان کرتے ہین اور اکثر اُن مسائل پر خاتمہ کرتے ہین جن مین امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلی نے اس باب کے مسائل مین اختلاف کیا ہے، اور اُن کے ایک شاگرد احمد بن حفص نے اُن سے اس کتاب کی روایت کی ہے، اور وہ احکام کی علت سے خالی ہے،

چوتھی کتاب سیر الصغیر ہے جسمین کتاب الجہاد کے مسائل ہین،

پانچوین کتاب سیر الکبیر ہے، اور وہ فقہ مین اُن کی آخری تصنیف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتابون کے راوی ابو حفص احمد بن حفص نے اُن سے اس کی روایت نہین کی ہے، کیونکہ ابو حفص کے عراق سے واپس آنے کے بعد اُنھون نے اُس کو تصنیف کیا ہے، اس لیے اُس کے کسی مسئلہ مین اُنھون نے امام ابو یوسف کا نام نہین لیا ہے، کیونکہ جب ان دونون کے درمیان سخت عداوت قائم ہو گئی ہے، اُس کے بعد اُنھون نے اس کتاب کو لکھا ہے،

اور جب وہ امام ابو یوسف سے کسی حدیث کی روایت کرنا چاہتے ہین تو کہتے ہین کہ "ثقہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی" اور جہان کہین یہ لفظ بولتے ہین اس سے امام ابو یوسفؒ کی ذات مراد لیتے ہین

امام محمد سے ابو سلیمان جوزجانی اور اسمٰعیل بن ثوابہ نے اس کتاب کی روایت کی ہے

چوتھی صدی کے آغاز مین ابو الفضل محمد بن احمد المروزی المعروف بالحاکم الشہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس مین امام محمد کی مبسوط کتابون کے مطالب بیان کیے، اُن کے مکرر مسائل کو حذف کر دیا، یہ ایک عمدہ قلمی کتاب ہے جو مصر کے کتبخانہ مین موجود ہے

امام محمد بن حسن کی کتابون مین ہم کو ایک اور کتاب ملی ہے جسمین اُنھون نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے اور امام شافعی نے کتاب الام مین اس کی روایت کی ہے اور اوسکے ہر مسئلہ پر یا تو اہل مدینہ کی تائید کے لیے یا امام ابو حنیفہ کی موافقت کے لیے اعتراضات کیے ہین

اس کتاب مین صرف وہ مسائل مذکور ہین جن مین امام ابو حنیفہ نے اہل مدینہ سے اختلاف کیا ہے اور اُن مین سے ایک مسئلہ یہ ہے

باب اُس شخص کا جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کیلیئے اس غرض سے پکڑ رکھتا ہے کہ وہ اُسکو قتل کر دے

اس شخص کے بارے مین جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے لیے پکڑ رکھتا ہے اور وہ ہتھیار کے ضرب سے اس کو اسی جگہ مار ڈالتا ہے امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ

کہ پکڑ رکھنے والے پر قصاص نہین ہے، قصاص صرف قاتل پر ہے، البتہ پکڑ لینے والے کو سزا دیجائے گی اور وہ قید خانہ مین بھیجدیا جائے گا لیکن اہل مدینہ کہتے ہین کہ اگر اُس نے اُس کو پکڑ لیا اور اس کا خیال ہے کہ وہ اسکو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے بدلے مین دونون قتل کیے جائین گے لیکن امام محمد بن حسن کہتے ہین کہ پکڑ لینے والا کیونکر قتل کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ اُس نے قتل نہین کیا ہے، اگر اُس نے اُس شخص کو پکڑ لیا اور اس کا خیال ہے کہ وہ اسکو قتل کرنا نہین چاہتا تو کیا تم لوگ پکڑ لینے والے کو قتل کر دوگے اگر وہ لوگ کہین کہ "نہین" ہم اُس کو صرف اس وقت قتل کرین گے جب وہ یہ گمان کرے کہ وہ اُس کو قتل کرنا چاہتا ہے"، تو ہم اُن سے کہین گے کہ ہمارے خیال مین تمھارے نزدیک پکڑ لینے والے پر قصاص اُس کے گمان کی بنا پر واجب ہے اور گمان غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی، کیا تمھارے خیال مین ایک شخص نے ایک شخص کا پتہ دیا اور اُس نے اُس کو قتل کر دیا اور جس نے پتہ دیا ہے اس کا خیال ہے کہ اگر وہ اسپر قدرت پائیگا تو اُس کو قتل کر دیگا تو کیا تم جس طرح پکڑنے والے کو قتل کرتے ہو پتہ دینے والے کو بھی قتل کروگے؟ کیا تمھارے خیال مین اگر ایک آدمی نے ایک شخص کو ایک آدمی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو کیا قاتل اور حکم دینے والا دونون قتل کیے جائین گے، کیا تمھارے خیال مین اگر ایک آدمی نے ایک عورت کو ایک شخص کے لیے روک رکھا، یہان تک کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا تو کیا ان دونون پر حد جاری کی جائے گی یا صرف اُس شخص پر حد جاری ہو گی جس نے زنا کیا ہے؟ اور اگر وہ دونون محصن ہون تو کیا دونون سنگسار کیے جائین گے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ پکڑ لینے والا قتل کیا جائے گا اُس کو چاہیئے کہ یہ کہے کہ ان دونون پر حد جاری کی جائے گی کیا تمھارے

خیال مین اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو شراب پلائی تو کیا دونون پر حدِ خمر جاری ہوگی،
یا صرف پینے والے پر؟ کیا تمھارے خیال مین اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ
کہ ایک شخص پر تہمت لگائے اور اُس نے اسپر تہمت لگا دی کیا دونون پر حد جاری ہوگی
یا صرف تہمت لگانے والے پر؟ تمھارے قول کے مطابق چاہیے کہ دونون پر حد جاری
ہو، حضرت علی بن ابی طالب رضؓ سے مروی ہے کہ انھون نے اُس شخص کے بارے
مین جس نے ایک شخص کو قصداً قتل کر دیا اور دوسرے نے اُس کو روک رکھا فرمایا کہ
قاتل قتل کیا جائیگا اور دوسرا قید رکھا جائے گا، یہان تک کہ مرجائے،

امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ خدا نے لوگون کو نفس فعل پر سزا دی ہے اور اُسی کے
لیے قصاص مقرر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتا ہے،

کتب علیکم القصاص فی القتلی	مقتولین کے بارے مین تم پر قصاص فرض کیا گیا،
ومن قتل مظلوما فقد جعلنا	اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو
لولیہ سلطانا	اقتدار عطا فرمایا،

اور جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہین اُن کے نزدیک یہ عام طور پر معلوم تھا کہ مقتول
کے ولی کا اقتدار نفس قاتل پر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس
شخص نے قتل کے ذریعہ سے کسی مسلمان کا خون گرایا اس کا قصاص اس کے ہاتھ مین
ہے، اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

الزانیۃ والزانی فاجلدوا	زانیہ اور زانی مین سے ہر ایک کو سو
کل واحد منھما مائۃ جلدۃ	کوڑے مارو،

اور فرمایا،

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ

جو لوگ پاکباز عورتون پر تہمت لگاتے ہین، پھر چار گواہ نہین پیش کرتے، اُن کو اسّی کوڑا مارو،

لیکن مجھے کوئی ایسا پیشوا نہین ملتا جس نے کسی کو ایسے فعل یا ایسے قول پر حد ماری ہو جسکو نہ اُس نے کیا ہے، نہ کہا ہے، اس لیے اگر کسی نے کسی کو کسی شخص کے لیے پکڑا اور اس نے اسکو قتل کر دیا تو اس کے بدلے مین قاتل قتل کیا جاے گا اور پکڑنے والے کو سزا دی جاے گی اور خدا کے فیصلے مین یہ جائز نہین کہ جب مین نے قاتل کو قتل کے بدلے مین قتل کر دیا تو پکڑنے والے کو پکڑ لینے کے بدلے مین قتل کرون، حالانکہ پکڑنا اور قتل کرنا دو مختلف چیزین ہین اور جس شخص نے اسکو قتل کیا اس نے خداوند تعالے کے حکم کو بدل دیا کیونکہ خداوند تعالی نے جب یہ فرمایا کہ

کتب علیکم القصاص فی القتلی

مقتولین کے بارے مین تم پر قصاص فرض ہو،

تو قصاص یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ اسی کے مثل کام کیا جاوے جو اس نے کیا ہے کیا یہان قتل واقع ہے جسکے بدلے مین قتل کیا جاے؟ یہان صرف پکڑ رکھنا ہے، اور پکڑ رکھنا ایک گناہ ہے جسمین قصاص نہین ہے، اس لیے اُس مین سزا دی جاے گی خواہ اُس نے اس لیے روک رکھا کہ وہ اسکو قتل کر دے یا قتل نہ کرے، اور اگر پکڑ رکھنا قتل کے قائم مقام ہوتا، جبکہ پکڑ لینے والا یہ نیت کرتا کہ محبوس قتل کر دیا جاے گا تو ایسی حالت مین یہ چاہیے کہ گو وہ قتل نہ کیا جاے لیکن پکڑ لینے والا قتل کر دیا جاے کیونکہ اس نے نیت کے ساتھ ایک ایسا کام کیا جسکو وہ قتل کے قائم مقام سمجھتا تھا لیکن یہ امام مالک بن انس اور امام محمد بن حسن کے قول کے خلاف ہے، اور امام محمد بن حسن امام مالک پر

جو اعتراضات کرتے ہین وہ سب بلکہ اُن سے زیادہ اُن پر وارد ہوتے ہین لیکن امام محمدؒ بھی دوسرے مواقع پر غفلت سے نہین بچتے اس لیے اُن پر بھی وہی اعتراضات ہوتے ہین جو انھون نے امام مالکؒ پر کیئے ہین' اس لیے وہ تمام دلائل جو اُنھون نے امام مالکؒ کے خلاف قائم کیے ہین' اُن کے خلاف قائم ہوجاتے ہین' اگر کوئی کہے کہ اس کی مثال کیا ہے؟ تو کہا جائیگا کہ امام محمدؒ کا قول ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ مارا اور قتل کیا اور اُن کی مددگار ایک ایسی جماعت ہے جو آواز تو سنتی ہے لیکن جن لوگون نے قتل کیا ہے ان کو نہین دیکھتی تو قاتلون کو تو قتل کے بدلے مین قتل کیا جائیگا اور مددگارون کو اس لیے قتل کیا جائیگا کہ اُن لوگون نے اُن کی قوت سے قتل کیا، امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ مین نے امام محمدؒ سے پوچھا کہ آپ کو اس کے بارے مین کوئی روایت بھی ملی ہو؟ تو انھون نے کوئی روایت بیان نہین کی' تو مین نے اُن سے کہا کہ کیا ایک ضعیف آدمی نے ایک طاقتور آدمی قتل کرنا چاہا اور دوسرے طاقتور آدمی سے کہا کہ اگر مین ضعیف نہ ہوتا تو فلان کو قتل کردیتا تو اس نے کہا کہ مین تمھارے لیے اُس کی مشکین باندھ دون گا چنانچہ اُس نے اس کی مشکین کسین' اس کے سینے پر بیٹھا اور اس کا کلہ ابھارا تاکہ اس کا حلق نمایان ہوجائے' پھر ضعیف کو چھری دیدی اور اُس نے اسکو ذبح کردیا تو کیا تم صرف ذبح کرنیوالے کو قتل کروگے' کیونکہ وہی قاتل ہے' اور اُس شخص کی مدد کی طرف جو قتل کا سبب تھا ملتفت نہ ہوگے کیونکہ سبب فعل سے مختلف ہے اور خدا صرف فعل پر مواخذہ کرتا ہے'؟ کیا اُس شخص نے اس کے قتل پر زیادہ مدد کی ہے' یا اُن مددگارون نے ان لوگون کے قتل پر جو راستے سے گذر رہے تھے؟ پھر اُن مددگارون کے متعلق تم کہتے ہو کہ اگر ایسی جگہ ہون جہان سے آواز نہ سُن سکتے ہون اور گو اُس جماعت کو دیکھتے ہون اور وہ اُنکو قوت پہونچاتے ہون'

تاہم اُن کو صرف سزا دیجائے گی، پھر جہان سے آواز سنتے ہون اُن پر کیون حد جاری ہوگی؟
امام محمدؒ نے جواب دیا کہ امام مالکؒ بھی مجھ سے متفق ہین اور اسی طرح وہ بھی کہتے ہین کہ مددگار قتل کیے جائین گے، مین نے کہا تو کیا ان سے تمھارے لیے تمھارے غیر پر حجت قائم ہوجائیگی؟
اگر تمھارا قول حجت نہین ہے، تو کیا ہمارے استاد امام مالکؒ کا اسی قسم کا قول جس پر تم اعتراض کرتے ہو حجت ہوگا؟ اُنھون نے کہا تو کیا تمھارا یہ قول نہین ہے؟ مین نے کہا نہین اور مین کسی عقلمند آدمی کو نہین پاتا جس کا یہ قول ہوا اور جو شخص اس کا قائل ہوا وہ کتاب اور قیاس معقول کے حکم سے نکل گیا اور تم نے جس چیز سے استدلال کیا ہے اس کا اکثر حصہ اُس کے لیے لازم ہوگا، تو اگر تم نے کسی چیز مین استدلال کیا یا اُن پر نکتہ چینی کی اور خود اُس سے بچ گئے تو یہ ہوسکتا ہی،

امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ قاتل قتل کیا جائیگا اور پکڑنے والے کو حبس دوام کی سزا دیجائے گی، لیکن امام محمدؒ حبس دوام کی سزا نہین دیتے، اس لیے اُنھون نے جس چیز سے استدلال کیا ہے اُسی کی مخالفت کرتے ہین،

پوری کتاب اسی طریقہ پر فریقین کی قوت استدلال کا نمونہ ہی، اور قانون کے طلبا کے پڑھنے کے قابل ہے،

امام محمدؒ کی ایک کتاب کتاب الآثار ہے، جس کا ذکر ابن ندیم نے نہین کیا ہی، لیکن ہم نے اُس کا قلمی نسخہ مصر کے کتبخانہ مین دیکھا ہے، اُنھون نے اس مین وہ آثار جمع کئے ہین جن سے ائمہ احناف استدلال کرتے ہین اور اُن کی اور بھی بہت سی کتابین ہین جو نوادر کے نام سے مشہور ہین، اور یہ وہ کتابین ہین جو اُن سے قابل اطمینان طریقہ

مروی نہین ہین، چنانچہ اُن کے نام یہ ہین،

(۱) امالی محمد فی الفقہ اور وہ کیسانیات کے نام سے مشہور ہے،

(۲) کتاب الزیادات،

(۳) کتاب زیادۃ الزیادات،

(۴) کتاب النوادر ابن رستم کی روایت سے،

امام محمد رحمہ اللہ ان اشخاص مین سے ہین جنھون نے موطا امام مالکؒ کی روایت امام مالکؒ سے کی ہے، وہ اس کی حدیثون کے بعد موافق یا مخالف امام ابوحنیفہؒ کے معمولات کو بتاتے ہین، اور اس سبب کو بیان کرتے ہین جسکی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا،

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ مین ایک مصنف حسن بن زیاد لولوئیؒ ہین جنھون نے کتاب المجرد لابی حنیفہ روایۃ، کتاب ادب القاضی، کتاب الخصال، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض اور کتاب الوصایا تصنیف کی ہے، لیکن حسن بن زیادؒ کی روایتون کا درجہ اعتبار امام محمد بن حسنؒ کی روایتون کے بعد ہے، کیونکہ امام محمدؒ پر پورا اعتماد کیا جاتا ہے،

ائمہ حنفیہ مین ایک مصنف عیسیٰ بن ابانؒ شاگرد امام محمد بن حسنؒ ہین جنھون نے کتاب الحج، کتاب خبر الواحد، کتاب الجامع، کتاب اثبات القیاس اور کتاب اجتہاد الرائے لکھی ہے،

ان ہی مین ہلال بن یحییٰ المعروف بہلال الرائےؒ اور ابوعبداللہ محمد بن سماعہؒ ہین، اور محمد بن سماعہؒ ان لوگون مین ہین جنھون نے امام محمد بن حسنؒ سے ان کی کتابون کی روایت کی ہے،

ان ہی مین ایک بزرگ احمد بن عمر بن مہیر المشہور بالخصافؒ ہین جنھون نے بہت سی کتابین تصنیف کین اور اُن کی سب سے بہترین کتاب وہ ہے جو اُنھون نے اوقاف کے متعلق لکھی ہے اور وہ مشہور و متداول ہے،

اس دور کا خاتمہ ایک عظیم الشان امام اور عظیم الشان مصنف امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلمۃ الازدی الطحاوی المصری پر ہوا جنھون نے حسب ذیل کتابین تصنیف کین،

(۱) کتاب اختلاف الفقہاء، یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے جسکو وہ مکمل نہ کر سکے،

(۲) کتاب شرح مشکل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تقریباً ہزار ورق مین ہے،

(۳) کتاب شرح معانی الآثار، ہم کو اس کتاب سے واقفیت حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو علم سے لبریز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین اس کو خوب یاد ہین، اور اسی کے ساتھ فقہار نے جو مذاہب اختیار کیے ہین اُن کے متعلق اُن کے اقوال و مستندات سے اُس کو پوری واقفیت حاصل ہے،

اُن کی اور کتابین بھی ہین جن کا ذکر ابن ندیم نے فہرست مین کیا ہے،

اس دور مین بھی کتابین تصنیف کی گئین لیکن ان مین سب سے مقدم امام محمدؒ کی کتابین ہین، اور امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے تلامذہ کے مذہب کی بنیاد ان ہی کتابون پر قائم ہے اور آئندہ دور مین علمار حنفیہ نے اُنھین کی شرح و توضیح کی ہے اور ان ہی پر اعتماد کیا ہے، اور اُن ہی سے فیضیاب ہوے ہین،

امام مالک بن انس امام مدینہ کے مذہب کے متعلق کتابین

امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا لکھی، اور اُن کے بہت سے تلامذہ نے اُن سے اُسکی

روایت کی لیکن اُن کی روایتون مین اختلاف ہے کسی مین کمی ہے اور کسی مین زیادتی ہے، البتہ موطا کی مشہور ترین روایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی رح کی روایت ہے اور ہم اسی نسخہ کو پڑھتے ہین، اور مصر مین یہی چھاپا گیا ہے، ایک اور موطا ہے جسکی روایت امام محمد بن حسن نے کی ہے اور وہ ہندوستان مین طبع ہوئی ہے،

اس کتاب مین امام مالک رح کی عادت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمہ مین ان احادیث کو ذکر کرتے ہین جو اُس کے متعلق ہوتی ہین پھر اُس کے متعلق اُن صحابہ رض یا تابعین رح کے آثار لاتے ہین، جن مین بہت کم مدینہ کے علاوہ اور کہین کے ہوتے ہین، کبھی کبھی اہل مدینہ کے عمل یا اُن کے امر متفق علیہ کو بھی بیان کرتے ہین چنانچہ اُن کی طرز تحریر کا نمونہ یہ ہے،

مریض کا طلاق

امام مالک ابن شہاب رح سے وہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف رح سے روایت کرتے ہین جو اس مسئلہ کے سب سے بڑے عالم تھے، اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف رض سے کہ عبدالرحمن بن عوف نے جبکہ وہ مریض تھے اپنی بی بی کو طلاقِ بتہ دی تو ان کی انقضائے عدت کے بعد حضرت عثمان بن عفان رض نے اُن کو اُن کی وراثت دلوائی،

امام مالک رح عبداللہ بن الفضل سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہین کہ ابن مکمل نے اپنی بی بیون کو حالت مرض مین طلاق دی تھی لیکن حضرت عثمان بن عفان رض نے اُن کو ان کی وراثت دلوائی،

امام مالک رح نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رح سے یہ کہتے ہوے سُنا کہ اُن کو معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رض کی بی بی نے اُن سے طلاق کی درخواست کی تو انھون نے

کہا کہ جب تمھین حیض آئے اور تم اس کے بعد پاک ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دو، لیکن اس کو اتنے وقت حیض آیا جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیمار ہوئے، اور جب وہ پاک ہوئی تو اُن کو اطلاع دی، چنانچہ اُنھون نے اس کو طلاق بتّہ یا ایک طلاق دی جس کے سوا اُس پر کوئی طلاق باقی نہ رہ گئی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس وقت بیمار تھے لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کی عدت کے گذرنے کے بعد اُس کو وراثت دلوائی،

امام مالکؒ یحییٰ بن سعیدؒ سے اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبانؒ سے روایت کرتے ہین کہ اُنھون نے کہا کہ میرے دادا حبانؒ کے پاس دو عورتین تھین ایک ہاشمیہ اور ایک انصاریہ چنانچہ اُنھون نے انصاریہ کو جو دودھ پلا رہی تھی طلاق دی اور اُس پر ایک سال گذر گیا اس کے بعد وہ مر گئے اور اس کو حیض نہ آیا اس لیے اس نے کہا کہ مین اُن کی وراثت پاؤنگی، مجھے حیض نہین آیا، چنانچہ ان دونون عورتون نے حضرت عثمانؓ سے اس کی مخاصمت کی، اور اُنھون نے اُس کے حق مین میراث کا فیصلہ کیا، اس پر ہاشمیہ نے حضرت عثمانؓ کو ملامت کی اور کہا کہ یہ تمھارے چچازاد بھائی کا کام ہے اور اُس نے اس سے ہماری طرف اشارہ کیا یعنی حضرت علی ابن ابی طالبؓ،

امام مالکؒ نے ابن شہابؒ کو کہتے ہوئے سُنا کہ اگر حالت مرض مین کسی نے اپنی بی بی کو تین طلاق دی تو وہ اس کی وارث ہوگی، امام مالکؒ کہتے ہین کہ اگر حالتِ مرض مین قبل مجامعت کے طلاق دی تو اس کو نصف مہر ملے گا، وراثت ملیگی، اور اُسکو عدت مین بیٹھنا نہ پڑے گا اور اگر مجامعت کے بعد طلاق دی تو اس کو پورا مہر اور پوری وراثت ملیگی، اور اس معاملہ مین ہمارے نزدیک باکرہ اور ثیبہ دونون برابر ہین۔

موطا اُن احادیث کا مجموعہ ہے جو امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہوئی ہین اور اُن کی تعداد تقریباً

پانچ سو ہے،

لیکن اُنھون نے جن مسائل کے جوابات دیے ہین اُن کو اُن سے اُن کے تلامذہ نے مدون کیا ہے، اور سب سے پہلے اسکو اسد بن فرات رح نے لکھا لیکن جو سوالات اُنھون نے امام محمد بن حسن رح فقیہِ عراق سے اخذ کیے اُن کو جیسا کہ شیخ علیش نے متن خلیل کی شرح مین بیان کیا ہے نہین لکھا، اس کے بعد عبد الرحمن بن القاسم رح نے اُن سے یہ سوالات کیے تو انھون نے امام مالک رح کی راے پر اُن کو جواب دیا اور جو لکھا اسکو قیروان مین لائے، اور اُن سے ان کو سحنون رح نے لکھا اور اُن کا نام اسدیہ تھا، پھر سنہ ۱۸۸ھ مین سحنون رح اس کو ابن قاسم رح کے پاس لائے، اور اُن کو اُن کے سامنے پیش کیا اور اس مین چند مسائل کی اصلاح کی، اور اسکو سنہ ۱۹۱ھ مین لیکر قیروان واپس آئے، اس کو تالیف کی شکل مین اسد بن الفرات نے پہلے اس طرح جمع کیا تھا اور تصانیف کی ترتیب پر اس کے ابواب اس طرح قائم کیے تھے کہ مسائل غیر مرتب تھے اور تراجم نہین قائم کیے گئے تھے، اس لیے سحنون نے اس کے اکثر حصے کو مرتب کیا اور اس کے بعض مسائل پر اُن آثار سے استدلال کیا ہے جنکی انھون نے موطا ابن وہب وغیرہ سے روایت کی تھی، لیکن اُس کے کچھ حصے ایسے رہ گئے کہ سحنون رح اس مین اس کام کو نہ کرسکے (قاضی عیاض سے) اُن کی تالیف کا نمونہ یہ ہے،

اہل صلاح اور اہل بدع کے پیچھے نماز

(کہا) اور کہا امام مالک رح نے کہ لوگون کی امامت وہ شخص کرے جو ان مین سب سے زیادہ عالم ہو بشرطیکہ اس کی حالت بہتر ہو، انھون نے کہا کہ سن کا بھی حق ہے تو مین نے

اُن سے کہا کہ وہ شخص جوان مین سب سے زیادہ قاری ہو؟ بولے کبھی وہ شخص قاری ہوتا ہے جو نہین؛ "نہین" سے ان کی یہ مراد ہے کہ اس کی حالت بہتر نہین ہوتی اور امام مالکؒ کہتے ہین اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا سب سے زیادہ مستحق سواری کا مالک ہے اور امامت کا سب سے زیادہ مستحق صاحب خانہ ہے جب لوگ اس کے مکان مین نماز پڑھین، البتہ جب وہ اُس کے متعلق اس کی اجازت حاصل کرین تو دوسرا شخص بھی نماز پڑھا سکتا ہے؛ مین نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ اسکو پسند کرتے ہین مین نے ابن قاسم سے کہا کہ اگر ایک اچھا قرآن پڑھنے والے نے اُس شخص کے پیچھے نماز پڑھی جو قرآن اچھا نہین پڑھتا تو اُس کے بارے مین امام مالکؒ کا قول کیا ہے؟ انھون نے کہا کہ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ جب امام نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی اور قرأت چھوڑ دی تو امام اور مقتدی دونون کی نمازین باطل ہوگئین اور گو وقت چلا گیا ہو لیکن وہ لوگ نماز کا اعادہ کرین گے؛ انھون نے کہا تو جو شخص قرآن اچھا نہین پڑھتا اس کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ سزاوار نہین ہے کہ ایسے شخص کی اقتدار کرے جو قرآن اچھا نہین پڑھتا، انھون نے کہا کہ مین نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ امام قدری کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے، تو اُنھون نے کہا کہ اگر تمھین یقین ہو تو اسکے پیچھے نماز نہ پڑھو، مین نے کہا کہ جمعہ بھی نہین، بولے اگر تمھین یقین ہو تو جمعہ بھی نہین، انھون نے کہا کہ میری راے یہ ہے کہ اگر تم اُس سے ڈرتے ہو تو اُس کے ساتھ نماز پڑھو اور ظہر کی صورت مین اس کا اعادہ کرو، امام مالکؒ کہتے ہین کہ اہل اہوا بھی اہل قدر کے مثل ہین، اُنھون نے کہا کہ مین نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ جب اُن سے اُس شخص کے نماز دہرانے کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ توقف کیا کرتے تھے،

اور اس کا جواب نہین دیتے تھے، ابن قاسم کہتے ہین کہ میرے نزدیک اس بارے مین اسکو وقت نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے، اُنھون نے کہا کہ امام مالک رح سے اس شخص کے بارے مین سوال کیا گیا جس نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جو ابن مسعودؓ کی قرأت کے ساتھ قرأت کرتا ہے، تو اُنھون نے کہا کہ وہ نکل جائے اُس کو چھوڑ دے اور اس کی اقتدا نہ کرے۔ اور امام مالک رح کہتے ہین کہ اہلِ بدعت کے ساتھ شادی بیاہ نہ کیا جائے، اُنکو سلام نہ کیا جائے اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اُن کے جنازے کی شرکت نہ کی جائے، اُنھون نے کہا کہ امام مالک رح نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جو ابن مسعودؓ کی قرأت کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ نکل جائے اور اُسکو چھوڑ دے، مین نے کہا تو امام مالک کے قول مین جب اُس نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تو کیا اس کا اعادہ اس پر فرض ہے؟ ابن القاسم نے کہا کہ جب انھون نے ہمارے لیے یہ کہا کہ وہ نکل جائے تو میری راے مین وہ وقت مین اور اُس کے بعد اُس کا اعادہ کرے۔

مدونہ کے مسائل کی تعداد ۳۶ ہزار تک پہونچتی ہے، اور مقلدینِ امام مالک رح کے نزدیک بھی مدونہ اساس علم ہے، اور مقلدینِ مالک رح مین جن لوگون نے کتابین لکھین اُنمین ایک عبد اللہ بن عبد الحکم المصری ہین، جنھون نے مختصر الکبیر تالیف کی اور اُس کے ذریعہ سے اشہب کی کتابون کا اختصار کیا اور مختصر الاوسط اور مختصر الصغیر لکھی جسمین صغیر کو تو موطا تک محدود رکھا لیکن اوسط کی دو قسمین ہین، جس کی روایت قرطیسی نے کی ہے اس مین آثار اضافہ ہے، برخلاف اُسکے جس کی روایت اُن کے بیٹے محمد اور سعید بن حسان نے کی ہے، کہا جاتا ہے کہ مختصر کبیر کے مسائل کی تعداد ۱۸۰۰۰ ہزار اور اوسط کی ۴۰۰۰ اور صغیر کی ۱۲۰۰۰ ہزار ہے،

ایک اصبغ بن الفرج ہیں جنہوں نے کتاب الاصول اور ابن القاسم سے اپنے سماع کی ۲۲ کتابیں تصنیف کیں،

اور محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے کتاب احکام القرآن کتاب الوثائق والشروط کتاب آداب القضاۃ، اور کتاب الدعوی والبینات تالیف کی،

اور محمد بن احمد العتبی القرطبی نے مستخرجہ تالیف کی جسمیں زیادہ تر روایات مردودہ اور مسائل شاذہ ہیں اُن کے پاس مسائل غریبہ آتے تھے، اور جب وہ اُن کو پسند کرتے تھے تو کہتے تھے کہ ان کو مستخرجہ میں داخل کرلو ابن وضاح کہتے ہیں کہ مستخرجہ میں غلطیاں بہت ہیں، اور محمد بن عبد الحکم کا قول ہے کہ میں نے اس کے اکثر حصے کو جھوٹ دیکھا اور ایسے مسائل پائے جن کی کوئی اصل نہیں، ابو محمد بن حزم الظاہری نے مستخرجہ کا ذکر کیا تو کہا کہ افریقہ میں اہل علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور اس کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہے یحیی بن عمر الکنانی نے ایک کتاب میں اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام منتخبہ رکھا ہے،

اور محمد بن سحنون نے اپنی مشہور کتاب جامع لکھی ہے اور اس میں علم و فقہ کی تمام شاخیں جمع کیں اس میں جو کتابیں ہیں ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے،

اور محمد بن ابراہیم عبدوسؒ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام المجموعہ علی مذہب مالک واصحابہ رکھا لیکن اس کے پورے کرنے سے پہلے وہ انتقال کرگئے،

اس دور میں مالکیہ کے سب سے بڑے مصنف دو ہیں ایک مشرق میں ان کا نام قاضی اسمٰعیل بن اسحاق ہے، جنہوں نے فقہ میں اپنی کتاب مبسوط تالیف کی اور ایک کتاب امام محمد بن حسنؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے رد میں لکھی،

دوسرے بزرگ مصر ہین جنکا نام محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری المعروف بابن المواز ہی، مالکیون نے فقہ مین جو کتابین تالیف کی ہین، ان مین اُن کی کتاب سب سے بڑی، سب سے زیادہ اصح المسائل اور سب سے زیادہ مبسوط ہے، اور قابسی نے اُس کو تمام امہات کتب پر مقدم کیا ہی،

امام شافعیؒ کے مذہب کے متعلق کتابین

صرف امام شافعیؒ ہی ایک ایسے امام ہین جن کی نسبت یہ معلوم ہی کہ اُنھون نے بذاتِ خود کتابین تصنیف کین جو اُن کے مذہب کے پیرون کے لیے سنگ بنیاد ہو گئین، اور اُنھین نے عراق و مصر مین اپنے شاگردون کو املا کرایا اور ان کی عراق کی کتابین اُن کا مذہبِ قدیم اور مصر کی کتابین اُن کا اصلاح شدہ مذہب جدید ہین، چنانچہ ان کتابون کے نام حسب ذیل ہین،

(۱) رسالۃ فی ادلۃ الاحکام، یہ ان کا ایک اصولی رسالہ ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہین،

(۲) کتاب الام، یہ وہ یکتا کتاب ہے جس کے مثل اُن کے زمانے مین کوئی کتاب اس اسلوبِ بدیع، دقتِ تعبیر اور قوتِ مناظرہ مین تصنیف نہین کی گئی، امام محمدؒ کی کتابون کی طرح وہ اس کتاب مین صرف مسائل کی تفصیل نہین کرتے، بلکہ مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہین، اور اکثر اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہین، اور اُن کے خلاف دلیل قائم کرتے ہین، اس کا نام ان کی کتاب قدیم بھی تھا، انکی تحریر کا نمونہ یہ ہی،

نماز کے متعلق کلام

انھون نے اس کی ابتدا مین تین حدیثین مع اُن کی سند کے روایت کی ہین،

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ملک حبش مین آنے سے پہلے ایسی حالت مین جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے تھے ہم لوگ آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ اُسی حالت مین ہم کو سلام کا جواب دیتے تھے، لیکن جب ہم لوگ ملک حبش سے پلٹے تو مین آپ کی خدمت مین سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا تو آپ کو نماز پڑھتے ہوے پایا اور سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہین دیا اس لیے میرے دل مین دور ونزدیک کے بہت سے خیالات پیدا ہوگئے اور مین بیٹھ گیا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو مین آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا جو تغیر چاہتا ہے کرتا ہے اور اب اس نے یہ تغیر کیا ہے کہ نماز مین بات چیت نہ کرو،

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت نماز پڑھ کے پلٹے، تو آپ سے ذوالیدینؓ نے کہا کہ آیا نماز کم کردی گئی یا آپ بھول گئے، آپ نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہین؟ لوگون نے کہا "ہان" اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوے اور بقیہ دو رکعتین پڑھین، اس کے بعد سلام کیا، پھر تکبیر کہی پھر پہلے سجدہ کے مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اُٹھایا پھر تکبیر کہی پھر پہلے سجدہ کے مثل یا اُس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اُٹھایا اور حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت مین مذکور ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی،

(۳) حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعتون کے بعد سلام کیا پھر اُٹھے اور حجرہ مین داخل ہوگئے، اب خرباق جن کے ہاتھ چوڑے تھے اُٹھے اور پکارے کہ یا رسول اللہ کیا نماز کم کردی گئی؟ آپ اپنی چادر گھسیٹتے ہوے غصہ مین نکلے اور لوگون سے پوچھا تو لوگون نے واقعہ کی خبر کی تو آپ نے

جو رکعت چھوڑ دی تھی اُس کو پڑھا، پھر سلام کیا، پھر دو سجدے کیئے پھر سلام کیا،

امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ ہم ان تمام حدیثون کو لیتے ہین اور کہتے ہین کہ جس شخص کو یہ یاد ہو کہ وہ نماز مین ہے اُس پر فرض ہو کہ اس مین بات چیت نہ کرے، اور اگر ایسا کیا تو اُس کی نماز ٹوٹ گئی اور اس کو نئے سرے سے دوسری نماز حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کی بنا پر پڑھنی چاہیئے، اور مین نے جن اہل علم سے ملاقات کی اُن مین کسی کو اس کا مخالف نہین پایا، لیکن جس شخص نے نماز مین بات چیت کی اور اس کا یہ خیال تھا کہ اُس نے نماز پوری کر لی یا یہ کہ وہ یہ بھول گیا کہ وہ نماز مین ہے، اور اس مین بات چیت کر لی، تو وہ اسی نماز پر ذوالیدینؓ کی حدیث کے رو سے قائم رہے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ جس شخص نے اس حالت مین بات چیت کی اُس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری حالت مین ہے اور نماز کے علاوہ دوسری حالت مین بات چیت کرنا مباح ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث کے مخالف نہین ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث بات چیت کرنیکے متعلق اجمالی ہے، اور حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد بات چیت کرنیوالے اور اُس شخص کی بات چیت مین جو یہ بھول گیا کہ وہ حالت نماز مین ہے یا اس شخص کی بات چیت مین جو یہ خیال کرتا ہے کہ اُس نے نماز پوری کر لی، جو فرق تھا اُس کو بیان کر دیا،

امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ بعض لوگون نے نماز مین کلام کرنے کے متعلق ہماری مخالفت کی ہے، اور اس مسئلہ مین ہمارے خلاف اس قدر دلائل جمع کیے ہین کہ اس کے سوا بجز مسئلہ یمین مع الشاہد اور دو مسئلون کے اور کسی مسئلہ مین اسقدر دلائل

جمع نہین کیے، چنانچہ مین نے اُن کو یہ کہتے ہوے سنا کہ "ذوالیدین کی حدیث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور آپ سے کوئی حدیث اُس سے اور حدیث
"العجماء جبار" سے زیادہ مشہور وارد نہین ہوئی ہے، اور یہ حدیث حدیث "العجماء جبار"
سے زیادہ ثابت ہے، لیکن حدیث ذوالیدین کی منسوخ ہے" مین نے ان سے
کہا تو کس چیز نے اُس کو منسوخ کیا؟ بولے "ابن مسعودؓ کی حدیث نے" تو مین نے کہا کہ
"جب دو حدیثین مختلف ہوتی ہین تو ان مین آخری حدیث کو ناسخ مانا جاتا ہے" انھون نے
کہا کہ "ہان" تو مین نے کہا کہ "کیا تم کو ابن مسعودؓ کی اس حدیث مین یہ یاد نہین ہے کہ
کہ ابن مسعودؓ مکہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ مین نے آپ کو
صحن کعبہ مین پایا اور حضرت ابن مسعودؓ نے پہلے ملک حبش کو ہجرت کی پھر مکہ کو لوٹے پھر
مدینہ کی طرف ہجرت کی پھر غزوۂ بدر مین شریک ہوئے؟ انھون نے کہا "ہان" تو
مین نے کہا کہ جب حضرت ابن مسعودؓ آپ کے پاس قبل ہجرت کے آئے پھر حضرت عمران
بن حصینؓ روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پیچھے ایک
شہتیر کے پاس آئے، تو کیا تم کو نہین معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
مسجد مین مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد نماز پڑھی؟ انھون نے کہا "ہان" تو مین نے
کہا کہ حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی
حدیث حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث کی ناسخ نہین ہے، اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہین کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی، تو انھون نے کہا کہ مین نہین جانتا
کہ حضرت ابوہریرہؓ کی صحبت کا زمانہ کیا ہے؟ مین نے کہا کہ حضرت عمرانؓ کی حدیث سے
جسکے متعلق ہمکو کوئی اشکال نہین ہے، ہم نے ابتدا کی ہے اور وہ کافی ہے، اور حضرت

ابوہریرہؓ خیبر مین آپ کی صحبت سے مشرف ہوے ہین، اور وہ کہتے ہین کہ مین نے مدینہ مین تین یا چار سال تک (ربیع کو شک ہے) آپ کا فیض صحبت اُٹھایا، اور آپ نے مدینہ مین اس قیام کے علاوہ جو حضرت ابن مسعودؓ کے آنے کے بعد کا مکہ مین رہا کئی سال تک قیام کیا، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بھی آپ کی صحبت مین رہے تو کیا یہ جائز ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اپنے بعد کی حدیث کی ناسخ ہو؟ اُنھون نے کہا "نہین" امام شافعیؒ کہتے ہین کہ مین نے اُن سے کہا کہ اگر ابن مسعودؓ کی حدیث ابوہریرہؓ اور عمران بن حصینؓ کے مخالف ہو، جیسا کہ تم کہتے ہو، اور ایسی حالت مین بالقصد بات چیت کرنا کہ تم جانتے ہو کہ تم نماز مین ہو، بعینہ ویسا ہو کہ تم نے ایسی حالت مین کلام کیا کہ تمھارا خیال ہے کہ تم نے نماز پوری کر لی یا نماز کو بھول گئے، تو ابن مسعودؓ کی حدیث منسوخ ہو گی اور نماز مین بات چیت کرنا مباح ہو گا لیکن نہ وہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ بلکہ اُس کی وجہ وہ ہے جو مین نے بیان کی کہ یہ یاد کر کے کہ متکلم نماز مین ہے، نماز مین بات چیت کرنا جائز نہین، اور اگر ایسی حالت مین بات چیت کی جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جب نسیان و سہو لاحق ہو جائے اور ایک شخص نے جس کا خیال ہے کہ چونکہ اس نے نماز پوری ادا کر لی ہے یا بھول گیا ہے اس لیے کلام مباح ہے بات چیت کی تو نماز فاسد نہ ہو گی، اُنھون نے کہا کہ تم روایت کرتے ہو کہ ذوالیدینؓ بدر مین شہید ہوئے، مین نے کہا جو کچھ بھی ہو، لیکن کیا عمران بن حصینؓ کی حدیث مین یہ نہین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے نماز مدینہ مین پڑھی تھی؟ اور مدینہ مین ابن مسعودؓ کی مکہ والی حدیث کے بعد ہے، اُنھون نے کہا ہان، مین نے کہا کہ جیسا تم چاہتے ہو تم نے جو کچھ بیان کیا اس مین تمھارے لیے حجت نہین ہے کیونکہ غزوۂ بدر آپ کے مدینہ مین آنے کے ۱۶ ماہ بعد پیدا ہوا، اُنھون نے کہا تو کیا ذوالیدین

وہی ہین جن کی نسبت تم نے روایت کی کہ وہ بدر مین شہید ہوے؟ مین نے کہا نہین، عمران ان کا نام خرباق بتاتے ہین اور اُن کو کوتاہ دست یا دراز دست کہتے ہین حالانکہ بدر مین ذوالشمالین شہید ہوے ہین، اور اگر دونون ذوالیدین بھی ہون تو ایک کا نام دوسرے کے نام کے مطابق ہوا ہوگا جیسا کہ نامون مین ہوا کرتا ہے، اب اس مذہب کے جاننے والون مین بعض نے کہا کہ ہمارے لیے ایک دوسری دلیل ہے، مین نے کہا وہ کیا؟ انھون نے کہا معاویہ بن حکم کا بیان ہے کہ انھون نے نماز مین بات چیت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز مین انسان کی کوئی بات جائز نہین، مین نے کہا یہ دلیل تمھارے لیے مضر ہے، مفید نہین، وہ بعینہ ابن مسعودؓ کی طرح روایت کرتے ہین، اور اسکی وجہ وہی ہے جو مین نے بیان کی، اُنھون نے کہا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے، مین نے کہا تو یہ تمھارے لیے مفید نہین اور ہم اس پر تم سے کلام کرتے ہین، اگر معاویہ کا معاملہ ذوالیدین کے معاملے سے پہلے تھا تو وہ منسوخ ہے، اور تمھارے قول مین تم پر یہ لازم آتا ہے کہ نماز مین کلام اسی طرح صحیح ہے جیسا کہ نماز کے علاوہ اور حالتون مین صحیح ہے، اور اگر اس کے ساتھ یا اُس کے بعد ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا تو اُس نے ایسی حالت مین کلام کیا کہ وہ یہ نہین جانتا تھا کہ کلام نماز مین حرام نہین ہے، اور اُس نے یہ بیان نہین کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اعادۂ نماز کا حکم دیا تو وہ ذوالیدین کی حدیث کے مثل ہے یا اس سے زیادہ کیونکہ اس نے اپنی حدیث مین قصداً کلام کیا، البتہ اس نے یہ بیان کیا کہ اس نے ایسی حالت مین کلام کیا کہ وہ یہ نہین جانتا تھا کہ کلام نماز مین حرام نہین ہے، انھون نے کہا جیسا کہ تم نے بیان کیا یہ بات ان کی حدیث مین ہے، مین نے کہا اگر جیسا تم نے بیان کیا ویسا ہی ہے تو وہ

تمھارے لیے مضر ہی اور اگر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ویسا ہی ہی، تو وہ تمھارے لیے مفید
نہین، اُنھون نے کہا کہ تو تم کیا کہتے ہو؟ مین نے کہا مین یہ کہتا ہون کہ وہ ابن مسعودؓ کی حدیث
کے مثل ہے اور ذوالیدینؓ کی حدیث کے مخالف نہین ہی، اُنھون نے کہا تو تم نے جب
حدیث ذوالیدین رضؓ سے تفریع کی تو تم نے مخالفت کی، مین نے کہا تو ہم نے اصل مین
اُن کی مخالفت کی؟ اُنھون نے کہا نہین بلکہ فرع مین، مین نے کہا تو تم نے ان کی نص
مین ان کی مخالفت کی اور جو شخص نص مین مخالفت کرے وہ تمھارے نزدیک اُس
شخص سے بُرا ہی جس نے ضعفِ نظر سے تفریع مین غلطی کی، اُنھون نے کہا ہان لیکن
ہر ایک معذور نہین ہی، مین نے کہا لیکن تم نے اس کی اصل و فرع دونون کی مخالفت کی
اور ہم نے اس کی اصل و فرع دونون مین سے ایک حرف کی بھی مخالفت نہین کی،
تو اُس کے اختلاف کی ذمہ داری تم پر ہے اور جو کچھ تم نے کہا کہ ہمنے اس کی مخالفت کی
تو ہم نے ان کی مخالفت نہین کی، اُنھون نے کہا تو مین تم سے سوال کرتا ہون تاکہ یہ
جان سکون کہ تم نے اُن کی مخالفت کی یا نہین؟ مین نے کہا سوال کرو، اُنھون نے
کہا تم اُس امام کے بارے مین کیا کہتے ہو؟ جو دو رکعت پڑھ کر واپس چلا پھر اس سے
بعض مقتدیون نے کہا کہ تم دو ہی رکعت پڑھ کر واپس چلے، تو اُس نے اور مقتدیون سے
پوچھا اور انھون نے اس کی تصدیق کی، مین نے کہا "جس مقتدی نے اسکو اسکی خبر دی
اور جن لوگون نے یہ گواہی دی کہ وہ سچ کہتا ہے اور اُن کو یہ یاد ہو کہ اُس نے اپنی نماز
پوری نہین کی اُن کی نماز فاسد ہے" انھون نے کہا کہ "تم یہ روایت کرتے ہو کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ موجود تھے اُنھون نے بھی آپکے
ساتھ نماز پوری کی، گو تم حدیث مین اس کا ذکر نہین کرتے" مین نے کہا "ہان" تو اُنھون نے

کہا کہ "تو تم نے اس کی مخالفت کی" مین نے کہا "نہین، ہمارے امام کی حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہے" انھون نے کہا "نماز اور امامت مین اُن کی حالت کیونکر جدا ہے" مین نے کہا کہ "خداوند تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے فرائض یکے بعد دیگرے نازل کرتا تھا، اور جو چیز آپ پر فرض نہین کی تھی اس کو فرض کرتا تھا اور بعض فرائض مین تخفیف کر دیتا تھا، اُنھون نے کہا "بیشک" مین نے کہا "ہم کو، تم کو اور کسی مسلمان کو اسمین شک نہین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہ سمجھ کر نماز سے واپس گئے کہ آپ نے نماز پوری کر لی" اُنھون نے کہا "بیشک" مین نے کہا کہ "جب آپ نے ایسا کیا تو ذوالیدین نہ جان سکے کہ نماز خداوند تعالیٰ کے کسی نئے حکم سے کم کر دی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے، اور اُن کے سوال مین خود یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے جب کہ انھون نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے؟" انھون نے کہا "بیشک" مین نے کہا کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرون سے پوچھا تو ذوالیدین رضی کی شہادت کو تسلیم نہین کیا" اُنھون نے کہا "بیشک" امام شافعی کہتے ہین کہ جب آپ نے ذوالیدین رضی کے سوا اورون سے پوچھا تو یہ احتمال ہے کہ آپ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کا کلام نہ سُنا ہو، اس لیے وہ بھی ذوالیدین رضی کے مثل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے اُن کے کلام کو تو سنا ہو لیکن رسول اللہ صلعم نے نہ سنا ہو، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہو اور اس بنا پر جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کلام کا اعادہ کیا تو وہ ذوالیدین رضی کے معنی مین ہوگا یعنی اس نے آپ کو اپنے قول سے کوئی بات نہین بتائی اور اسکو یہ معلوم نہ ہوا کہ نماز کم کر دی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان ہوا تو

آپ نے اس کا جواب دیا جس کے معنی ذوالیدین کے معنی تھے یعنی ان لوگون پر ان کا جواب فرض تھا کیا تم کو نظر نہین آتا کہ جب اُن لوگون نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اُن کے قول کو قبول کر لیا اور نہ آپ نے کلام کیا نہ اُن لوگون نے یہان تک کہ سب نے اپنی نماز پڑھی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تو خدا کے فرائض ختم ہو چکے اس لیے اس مین کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہین ہو سکتی، انھون نے کہا "ہان" تو مین نے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ فرق ہے، تو جو لوگ اُن کے پاس تھے، انھون نے کہا کہ یہ ایک کھلا ہوا فرق ہے، اس کی وضاحت کی وجہ سے کوئی عالم اس کی تردید نہین کر سکتا، اُنھون نے کہا کہ تمھارے بعض شاگردون کا قول ہے کہ آدمی خود نماز کے متعلق جو کلام کرے وہ اس کی نماز کو فاسد نہین کرتا، مین نے کہا کہ ہمارے خلاف اس قول سے استدلال ہو سکتا ہے جو ہم کہین نہ کہ ہمارا غیر کہے، انھون نے کہا کہ مین نے تمھارے متعدد تلامذہ سے گفتگو کی تو انھون نے اس سے استدلال نہین کیا، اور اُنھون نے کہا کہ عمل اُسی پر ہے، مین نے کہا کہ مین نے تو تم کو بتا دیا کہ عمل کے کوئی معنی نہین، اور ہمارے غیر کے قول سے تم ہمارے خلاف استدلال نہین کر سکتے، انھون نے کہا بیشک، تو مین نے کہا تو جس چیز مین تمھارے لیے حجت نہین اُس کو چھوڑ دو اور مین نے اُن سے کہا کہ تم نے ذوالیدین کی حدیث کی مخالفت مین غلطی کی حالانکہ وہ ثابت ہے اور تم نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ تم نے یہ خیال قائم کیا کہ ہم اور وہ لوگ جو اس کے قائل ہین نماز مین کلام، جماع اور کھانا حلال سمجھتے ہین، حالانکہ نہ ہم نے نہ ان لوگون نے اسکو ہرگز حلال نہین کیا، حالانکہ خود تمھارا خیال ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر نماز پوری کرنے سے پہلے سلام پھیر دے اور اُسکو یہ یاد ہے کہ اس نے نماز پوری نہین کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی،

کیونکہ تمھارے خیال مین بے محل سلام کلام ہے، اور اگر اُس نے یہ خیال کرکے سلام پھیر دیا کہ اس نے نماز پوری کرلی تو وہ اسی نماز کو پڑھ لے، تو اگر تمھارے خلاف اُس کے سوا اور کوئی دلیل بھی نہو تو یہی کافی ہے اور ہم خدا کا شکر کرتے ہین کہ تم حدیث کی مخالفت کو عیب سمجھتے ہو، اور خود بہ کثرت اس کی مخالفت کرتے ہو،

پوری کتاب اسی طرز پر اُس دور کے طریقۂ تشریح و نقد کی واضح صورت قلب کے سامنے پیش کردیتی ہے اور اُس تاریخ مین جو کتابین لکھی گئین، ان مین ہم کو کوئی ایسی کتاب نہین ملتی جو اس کتاب سے زیادہ ہم کو کثرت مطالعہ کی طرف مائل کرے، اور اُس سے زیادہ ہمارے اسلاف کے ساتھ ہم کو فریفتگی پر آمادہ کرے

اس کتاب کے ساتھ اور چند کتابین ملحق ہین اُن مین سے ایک کتاب اُن مسائل کے متعلق ہے جن مین امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلی نے اختلاف کیا ہے اور اُس کی اصل امام ابویوسف کی ہے اور ہم اس کا ذکر کرچکے ہین،

ایک کتاب خلاف علی اور ابن مسعود ہے، اور اس کتاب مین امام شافعیؒ نے اُن مسائل کو جمع کیا ہے جن مین امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ نے اہل عراق کے دو صحابی امام یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہے، اُم مین اس کا نام "خطاء اختلاف علی و ابن مسعودؓ" ہے، اور ابن ندیم نے اسکو فہرست مین "ما خالف فیہ العراقیون علیا و عبداللہ" کے عنوان سے درج کیا ہے اور یہی صحیح ہے

ایک کتاب اختلاف مالک والشافعی ہے، اور اس کا تعلق عمل بالسنۃ سے ہے اور اس مین اصحاب مالک سے اس بارے مین مناظرہ ہے کہ اُنھون نے تائید حدیث کیلیے ائمہ کے عمل کی شرط لگائی ہے اور امام شافعی کے اس خیال کی تائید ہے کہ جب ثقہ نے

ثقہ سے روایت کی یہان تک کہ اس کا سلسلہ رسول اللہ صلعم تک پہونچ گیا تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو کبھی نہین چھوڑ سکتے، البتہ اس حدیث کو چھوڑ سکتے ہین جس کے خلاف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہو لیکن جب خود آپ کی حدیث کے مخالف آپ سے کوئی حدیث مروی نہ ہو، اور آپ کے علاوہ کسی اور سے کوئی ایسی حدیث مروی ہو جو اس کے موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قوت مین اضافہ نہین ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بذات خود مستغنی ہے، اور اگر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہو، تو ہم اس کی طرف توجہ نہین کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث لینے کی مستحق ہے، اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جس شخص سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روایت کی گئی ہے وہ آپ ہی کی سنت ہے تو مین انشاء اللہ اس کا اتباع کرون گا، اس کے بعد اس اصل کی مخالفت پر انھون نے امام مالک پر جو اعتراض کیا ہو اس کی تفصیل کی ہے اور اُن سے اس بارے مین مناظرہ کیا ہے،

ایک کتاب جماع العلم ہے، اور اس مین حدیث اور عمل بالحدیث کی حمایت کی ہے،

ایک کتاب ابطال الاستحسان ہے اور اس مین فقہاے عراق کے قول بالاستحسان کی تردید کی ہے،

ایک کتاب کتاب الرد علی محمد بن الحسن ہے اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس مین امام محمد نے اہل مدینہ کی تردید کی ہے اور امام شافعی نے اس کے جوابات دیئے ہین، اور وہ اعتراضات بھی ہین جو امام شافعی نے ان مناظرات مین جو

امام محمد اور اُن کے درمیان ہوئے ہین کیے ہین لیکن اس کتاب مین ان کی یہ غلطی ہے
کہ وہ ہمیشہ کہتے ہین کہ "اہل مدینہ نے کہا" حالانکہ وہ تمام اہل مدینہ کا قول نہین ہوتا بلکہ
امام مالک کا قول ہوتا ہے اور بہت سے اہل مدینہ اس مین ان کی مخالفت کرتے ہین،

ایک کتاب سیر الاوزاعی ہے، اس کی اصل وہ کتاب ہے جسمین امام ابی یوسف نے
امام اوزاعی کی تردید کی ہے اور امام شافعی نے امام اوزاعی کی طرف سے اس کا جواب
دیا ہے، اور ہم اس کتاب کا ذکر کر چکے ہین،

امام شافعی کی کتابون مین سب سے بڑی کتاب اُن کی وہ کتاب ہے جس کا نام
اختلاف الحدیث ہے، امام شافعیؒ نے اسکو احادیث کی تائید مین بالعموم اور خبر واحد کی تائید
مین بالخصوص لکھا ہے، اور اس مین اختلافِ حدیث پر بحث کی ہے، جنلوگون نے حدیث
کو عموماً رد کر دیا ہے، یا عمل بالحدیث کے لیے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطین
لگائی ہین اُن کا مرکز یہی کتاب ہے، اُنھون نے پہلے اس اختلاف پر بحث کی ہے
جس کا سبب مروی فعل کا مباح ہونا ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے
کہ آپنے ایک ایک بار[2] وضو کیا، اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو دو بار[3] وضو کیا اور آپ سے
یہ بھی مروی ہے کہ تین تین بار[1] وضو کیا اور احادیث مین اس قسم کی حدیثین بکثرت مروی
ہین، پھر ان احادیث کا جو ایک دوسرے کی ناسخ اور مفسر ہین تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ
اور بھی بہت سی باتین ہین جو سنت کے معاملہ مین فقہا کے لیے مفید ہین، یہ کتاب اُن
بیش بہا مناظرات پر بھی مشتمل ہے جو اُنھون نے اپنے مخالفین بالخصوص امام محمدؒ کے
ساتھ کیے ہین،

فقہ مین حرملہ بن یحییٰ کی بھی ایک کتاب ہے جسکو اُنھون نے امام شافعیؒ سے املا کیا ہے،

یعنی اسطرح وضو کیا کہ اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھویا[1] اور دو دو بار دھویا[2] اور تین تین بار وضو کیا

بوسیطی نے بھی کتاب المختصر الکبیر کتاب المختصر الصغیر اور کتاب الفرائض لکھی ہے،

دو مختصر مزنی نے بھی لکھے ہیں، ایک مختصر کبیر جو متروک ہے، اور ایک مختصر صغیر جس پر اصحاب شافعی اعتماد کرتے ہیں، یہ لوگ اسی کو پڑھتے پڑھاتے تھے اور اس کی شرح کرتے تھے، اور وہ مختلف روایتوں سے مروی ہے،

اُن کی تصنیفات میں دو جامع یعنی جامع کبیر اور جامع صغیر اور دوسری کتابیں بھی ہیں،

امام شافعیؒ کے تلامذہ کے اتباع میں جن لوگوں نے کتابیں لکھیں، انہیں ایک ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد المروزی شاگرد مزنی ہیں جنھوں نے مختصر مزنی کی دو شرحیں لکھیں اور کتاب الفصول فی معرفۃ الاصول، کتاب الشروط والوثائق، کتاب الوصایا وحساب الدور اور کتاب الخصوص والعموم بھی اُن کی تصنیفات میں ہیں،

ابن سریج نے بھی امام محمدؒ اور عیسیٰ بن ابان کے رد میں کتابیں لکھی ہیں، اور کتاب التقریب بین المزنی والشافعی اور فقہ میں مختصر بھی اُن کی تصنیفات میں ہیں،

ابوبکر محمد بن عبداللہ الصیرفی المتوفی ۳۳۰ھ کی تصنیفات میں کتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام شرح رسالہ شافعی اور کتاب الفرائض ہیں،

اس دور میں جن شافعیوں نے کتابیں لکھیں وہ بہت ہیں، لیکن ان کی کتابوں سے ہم واقف نہ ہو سکے، دوسرے مذاہب کے متعلق جو کتابیں لکھی گئیں چونکہ ہم نے اُن کو نہیں دیکھا ہے، اس لیے ہم نے اُن کے ائمہ و رجال کے تذکرہ کے ساتھ اُن کا بھی تذکرہ کر دیا ہے،

پانچواں دور

چوتھی صدی کی ابتدائے سے زوال سلطنت عباسیہ تک

یہ خاص خاص مذاہب کی پابندی، اون کی تائید، اور مناظرہ وجدل کی اشاعت کا دور ہے

سیاسی حالت

اس دور مین ممالک اسلامیہ کے سیاسی تعلقات بالکل منقطع ہوگئے، چنانچہ جب تم مغرب سے شروع کروگے تو تم کو اندلس مین بنو امیہ ملین گے جنکا سردار عبد الرحمان ناصر ہوگا جس نے سلطنت عباسیہ کے ضعف کو محسوس کرکے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور شمال افریقہ مین تم کو اسمٰعیلی شیعہ ملین گے جنھون نے عبید اللہ المہدی الفاطمی کے نام سے ایک سلطنت قائم کی جس نے امیر المومنین کا لقب حاصل کیا اور اپنا دار السلطنت شہر مہدیہ کو جس کی بنیاد اس نے تونس کے قریب ڈالی بنایا، اور تم کو مصر مین محمد الاخشید ملے گا جو بنو عباس کے لیے دعوت دیتا تھا، اسی طرح تم کو موصل اور حلب مین بنو حمدان بنو عباس کے لیے دعوت دیتے ہوئے ملین گے، اور یمن مین تم کو شیعہ زیدیہ ملین گے جنکے پانون وہان مضبوطی کے ساتھ جم گئے تھے اور بغداد مین تم کو دیلم کی سلطنت ملیگی جو سلطنت بنو بویہ کے نام سے مشہور ہے، اور جس نے عملاً تمام اختیارات خود حاصل کرلیے تھے، اور بنو عباس کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا تھا، اور مشرق مین تم کو سلطنت

ساسانیہ ملے گی جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی اور ماوراء النہرین بخارا میں اسکا دار السلطنت تھا، اس طرح عالم اسلامی کے تمام جوڑ بند ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے، اس کا کوئی سیاسی شیرازہ قائم نہ تھا، اور ان متغلبین میں سے ہر فریق ایک دوسرے سے عداوت رکھتا تھا اور اس کی گھات میں لگا رہتا تھا، اور سب سے زیادہ یہ داؤ پیچ بنو عباس کے درمیان جو بغداد میں مغلوب ہو گئے تھے، اور فاطمیون کے درمیان جنکا مرکز مصر و شام کے قبضہ سے قوی ہو گیا تھا کیے جاتے تھے، چنانچہ یہ لوگ نہایت مستعدی کے ساتھ اپنی دعوت کی اشاعت کے لیے ممالک اسلامیہ میں اپنے دعاۃ بھیجتے تھے، اور بنو عباس فاطمیین کے نسب پر عیب لگاتے اور شجرہ فاطمہ الزہرا سے ان کو الگ کرنے کے لیے مجالس منعقد کرتے تھے، اور اس پر محضر نامے لکھواتے تھے، جس پر اشراف و علما، طوعاً و کرہاً دستخط ثبت کرتے تھے، بنو بویہ جو صاحب اقتدار تھے اگرچہ بذات خود شیعہ تھے، لیکن انھون نے بنو عباس کو قائم رکھا تھا تاکہ خود ان کا اثر و اقتدار محفوظ رہے، کیونکہ اگر وہ لوگ خلافت کو علوئین کی طرف منتقل کر دیتے تو ان کا اقتدار زائل ہو جاتا کیونکہ وہ عقیدۃً علوئین کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے، اور سیاست کا حکم عقیدہ کے حکم پر اسی طرح غالب آجاتا ہے، اس کے تھوڑے ہی دنون کے بعد آل سلجوق نے مشرق کی طرف سے حرکت کی اور یہ حرکت اس بات کا اعلان تھی کہ اب حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہو رہی ہے چنانچہ سلجوقیون کے سامنے جسقدر متغلبین آئے انھون نے ان کو پامال کر دیا، تمام مشرق پر اقتدار حاصل کر لیا، اور بغداد سے سلطنت بنو بویہ کو مٹا کر خود ان کے قائم مقام بنگئے، لیکن انھون نے بھی آل عباس کو قائم رکھا کیونکہ ان کو تشیع سے کوئی تعلق نہ تھا اس کے بعد بغداد کے مغرب میں ان کے اقتدار نے وسعت حاصل کی اور وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض ہو گئے، اس کے بعد انھون نے شام کے بادشاہ فاطمیین سے جنگ کی اور مصر اور ان کی

پشت پر جو بلادِ مغرب تھے ان کے سوا تمام ممالک اسلامیہ مین ان کا بول بالا ہوگیا، لیکن جب خود ان مین اختلاف پیدا ہوا تو انھون نے باہم ایک دوسرے سے جنگ کی اور یہی ضعف اور مصریون کے ساتھ ملک شام مین نزاع صلیبی ہوا کی جنبش کا سبب ہوا اور انھون نے پانچوین صدی کے اواخر مین اٹھ کر بیت المقدس پر قبضہ کرلیا، اور جیسا کہ ان لڑائیون کی تاریخ مین مشہور ہے، صرف اسی حد تک نہین رُکے رہے، غرض سلجوقیون کا شیرازہ بکھر گیا اور ان کے بعد دوسری ترکی سلطنت قائم ہوئی جو سلطنت اتابکیہ کے نام سے مشہور ہے، یہ خاندان سلاجقہ کی طرف منسوب ہے، کیونکہ ان کے رؤسا سلجوقیون کے سپہ سالار اور ان کے لڑکون کے مربی ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اتابک کے نام سے مشہور تھے، سلطنت اتابکیہ مشرق و مغرب مین پھیل گئی، اور ان کی نسل مین ایک شخص یعنی محمود نورالدین کے ہاتھون سلطنت فاطمیہ مصریہ کا خاتمہ ہوا اور مصر مین دوبارہ دعوت عباسیہ نے رجعت کی اور اس کے بعد صلاح الدین یوسف بن ایوب کی سلطنت کی ابتدا ہوئی جو محمود نورالدین کا ایک سپہ سالار تھا

لیکن اقصائے مشرق مین چھٹی صدی کے اواخر مین خوارزم شاہ کی سلطنت قائم ہوئی اور اس قدر عظمت حاصل کی کہ بغداد کے قریب تک پہنچ گئی،

یہ عظیم الشان دیوار ٹوٹی تو مغلون نے سیلاب بے پناہ کی طرح حرکت کی جنکا سپہ سالار اتحادِ تاتار کا بانی چنگیز خان تھا، اور ان لوگون نے ساتوین صدی کی ابتدا مین ان تمام لوگون کو جو ان کا مقابلہ کرتے تھے یا ان کے سدراہ ہوتے تھے اپنے سامنے سے ڈھکیل دیا چنگیز خان چونکہ نہایت وسیع امیدین رکھتا تھا، اور اس کو محسوس ہوتا تھا کہ تمام دنیا لازمی طور پر اس کی اولاد و احفاد کی مطیع ہو جائے گی، اس لیے اس نے اپنی چارون اولاد کے درمیان دنیا کو چار حصون مین تقسیم کردیا، چنانچہ اس نے دریاتک مغربی حصہ اپنے لڑکے

تنجطائے کو اور چین تک مشرقی حصہ اپنے بیٹے تولی کو اور شمال کو اپنے بیٹے جوجی کو دیا، اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجطائے کو دی،

اس طریقہ پر اس نے اپنے لڑکون کے لیے یہ اندازہ کیا کہ وہ اقصائے مشرق مین سواحل چین سے اقصائے مغرب مین سواحل بحر روم تک دنیا کے مالک ہو جائین گے،

اس پر بہت زمانہ نہین گذرا کہ چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان عالم اسلامی کے دار السلطنت بغداد مین اس کی فوج کا سپہ سالار ہوا، اور آلِ عباس کے آخری خلیفہ کو جسکا نام اکثر اسلامی منبرون پر لیا جاتا تھا قتل کیا اور بہت سی تباہی و بربادی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دار السلطنت ہوگیا جسکا کوئی آسمانی مذہب نہ تھا، اور اس کے چند وضعی قوانین تھے جنکو ان کے دادا چنگیز خان نے بنایا تھا اور وہ ان کے یہان کاسہ کے نام سے مشہور تھے، یہ تاریخ اسلام کی قدیم اور درمیانی تاریخ کے درمیان حد فاصل خیال کیجاتی ہے، اور اس زمانہ مین مصر سے سلطنت ایوبیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ان کی جگہ ان کے ترکی نسل کے غلامون نے لے لی تھی، جنکی کثرت صالح نجم الدین ایوب نے کردی تھی، چنانچہ ان کے چوتھے شخص ملک ظاہر بیبرس البند قداری نے عباسیون کی اولاد مین سے ایک شخص کے ہاتھ پر جو اوس کے زمانے مین مصر آیا تھا بیعت کی، اور اس کو اسلامی خلیفہ تسلیم کیا، اور اس خلیفہ نے اس کو مصر اور ملحقات مصر کا بادشاہ بنا دیا، اسی دن سے قاہرہ بغداد کا قائم مقام ہوگیا، جسمین برائے نام ایک عباسی خلیفہ اور ایک بادشاہ رہنے لگا جو اصلی حکومت کرتا تھا، اور عہد بنو بویہ اور آل سلجوق مین بھی حالت بغداد کی تھی،

اس دور مین سیاست اسلامیہ کا جو حال تھا یہ اس کا مختصر سا خاکہ ہے، لیکن علمی حالت نے ان انقلابات مین ان سیاسی حالات کی پیروی نہین کی، بلکہ برابر ترقی کرتی رہی، بالخصوص سلجوقیون کے عہد مین مشرق مین اور سلطنت فاطمیہ کے عہد مین مصر مین بڑے

بڑے علماء اور صاحب فکر پیدا ہوئے اور فقہ اسلامی کے متعلق ان جو کارنامے ہیں ہم ان کے آئندہ امتیازات کے سلسلے میں بیان کرین گے، البتہ اس کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ فقہ مین استقلال کی جو روح تھی وہ اس سیاسی ضعف کی تقلید مین ضعیف ہو گئی، یعنی وہ بلند روح جو امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ داؤد بن علی اور محمد بن جریر طبری اور ان کے ہمسرون مین کام کر رہی تھی اس کا صرف ضعیف سا اثر باقی رہ گیا، اس روح کی جگہ جس نے امام ابو حنیفہ کو ان کے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ "وہ بھی آدمی ہین اور ہم بھی آدمی ہین" اور امام مالک کو یہ کہنا سکھایا تھا کہ رسول اللہ صلعم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص ایسا نہین جسکا قول رد و قبول کے قابل نہ ہو، اور ان دونون امامون کے سوا اورون کو بھی اس قسم کے قول سکھائے تھے ایک ایسی روح نے لے لی جسکو ہم روحِ تقلید کہتے ہین،

(۱) روحِ تقلید،

تقلید سے ہماری مراد یہ ہے کہ ایک معین امام سے احکام سیکھے جائین، اور اس کے اقوال کا اس طرح اعتبار کیا جائے گویا وہ شارعؑ کے نصوص ہین جنکی پیروی مقلد پر لازم ہے،

تقلید سے کیا مراد ہے

اس مین کوئی شبہہ نہین کہ تمام گذشتہ دورون مین مجتہد اور مقلد موجود تھے، مجتہد وہ فقہا تھے جو کتاب اور سنت کو پڑھتے تھے، اور ان کو ظواہر نصوص یا معقول نصوص سے استنباطِ احکام کی قدرت حاصل تھی اور مقلد عام لوگ تھے جنھون نے کتاب و سنت کو اس طور پر نہین پڑھا تھا جو ان کو استنباط کا اہل بنا سکے، اس لیے جب ان لوگون کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو اپنے شہر کے فقہا مین سے کسی فقیہ کی طرف رجوع کرتے

متعلق رجوع کرتے تھے اور وہ ان کو فتوی دیتا تھا، لیکن اس دور مین عام طور پر روح
تقلید سرایت کر گئی اور علمار و عوام سب اس مین شریک ہو گئے، چنانچہ پہلے یہ حالت
تھی کہ فقہ کا طالب پہلے قرآن مجید کے درس اور حدیث کی روایت مین مشغول ہوتا تھا
جو کہ استنباط کی بنیاد تھے، لیکن اب وہ ایک معین امام کی کتابین پڑھتا تھا، اور اس طریقہ کا
مطالعہ کرتا تھا جس کے ذریعہ سے اس نے اپنے مدونہ احکام مستنبط کیے تھے، اور جب وہ
اس کام کو پورا کر لیتا تھا تو علمائے فقہا سے ہو جاتا تھا، ان مین بعض بلند ہمت لوگ اپنے
امام کے احکام کے متعلق کتاب بھی تالیف کرتے تھے، جو یا تو کسی گذشتہ کتاب کا اختصار
یا اس کی شرح یا ان مسائل کا مجموعہ ہوتی تھی، جو مختلف کتابون مین منتشر طور پر پائے جاتے
تھے، لیکن ان مین سے خود کوئی شخص اپنے لیے یہ جائز نہین رکھتا تھا کہ کسی مسئلہ مین ایسی
بات کہے جو اس قول کے مخالف ہو جس کا فتوی اس کے امام نے دیا ہے، گو یا حق صرف
اس کے امام کے دل و زبان پر اترا تھا، یہان تک کہ اس دور مین فقہائے حنفیہ کے
پیشوا اور مسلم امام ابو الحسن عبید اللہ الکرخی نے یہ کہدیا کہ "ہر آیت جو اس طریقہ کے مخالف
ہو جس پر ہمارے اصحاب ہین وہ یا تو ماؤل ہے یا منسوخ ہے اور اسی طرح جو حدیث
اس قسم کی ہو وہ ماؤل یا منسوخ ہے" اور اس طور پر ان لوگون نے اپنے سامنے اختیار
کے دروازے بند کر لیے، اس مین کوئی شبہ نہین کہ اس دور کے فقہار مین بڑے
بڑے ائمہ موجود تھے، اور تمھارے سامنے ان مین سے بعض کا ذکر آئے گا اور ہم یہ
نہین خیال کر سکتے کہ اصول تشریع کے علم اور طرق استنباط مین وہ اپنے سلاف سے کم
تھے، لیکن ان مین وہ آزادی نہ تھی جن سے ان کے اسلاف بہرہ اندوز ہوتے تھے
چنانچہ امام شافعی کو استنباط مین یہ آزادی حاصل تھی کہ اگر آج ایک رائے ظاہر کرتے

تھے اور کل جب کوئی دلیل ایسی پیدا ہو جاتی تھی جو اس مین تغیر چاہتی تھی تو کوئی چیز ان کو تغیر سے مانع نہین ہوتی تھی، اور ائمہ، اور اسی طرح ان کے اسلاف صحابہ و تابعین کا بھی یہی حال تھا، مثلاً ایک سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ کرتے تھے کہ اخیافی بھائی اور مان اور شوہر کی موجودگی مین حقیقی بھائی وراثت سے محروم ہین، اور آئندہ سال تمام بھائیون کو ثلث مال مین شریک کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ وہ اس فیصلے کے مطابق تھا جو ہم نے کیا تھا اور یہ اس فیصلہ کے مطابق ہے جو ہم کرتے ہین، لیکن اس دور کے علماء مین سے ہر ایک نے ایک معین مذہب کا التزام کر لیا، جس سے وہ آگے نہین بڑھ سکتا تھا، اور اجمالاً و تفصیلاً وہ اپنی پوری طاقت اس مذہب کی تائید مین صرف کرتا تھا، حالانکہ یہ لوگ اجتہاد مین کسی امام کو معصوم نہین سمجھتے تھے اور خود ائمہ اپنی نسبت غلطی کے جواز کا اعتراف کرتے تھے، اور یہ جائز سمجھتے تھے کہ کوئی حدیث ایسی موجود نہو جس سے ان کو واقفیت حاصل نہ ہوئی ہو، چنانچہ ان مین متعدد ائمہ سے یہ جملہ منقول ہے کہ "جب کوئی صحیح حدیث موجود ہو تو وہی میرا مذہب ہے، اور میرے قول کو دیوار پر پٹک مارو" لیکن باینہمہ کرخی کہتے ہین کہ جو حدیث ہمارے اصحاب کے طریقہ کے مخالف ہو وہ یا تو ماول ہے یا منسوخ ہے! ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الجوینی والد امام الحرمین کا جو حال ابن سبکی نے لکھا ہے، مین نے اس مین دیکھا ہے کہ انھون نے محیط نامی ایک کتاب لکھنا شروع کی جس مین انھون نے یہ عزم کر لیا کہ کسی مذہب کی پابندی نہ کرینگے اور احادیث کے جائے ورود سے آگے نہ بڑھین گے اور مذاہب مین سے کسی کی حمایت و جانبداری نہ کرین گے، چنانچہ حافظ ابو بکر بیہقی کو اس کے تین جزمل گئے، اور انھون نے ان پر چند اوہام حدیثیہ کا اعتراض کیا، اور ان سے بیان کیا کہ حدیث پر عمل کرنے والے امام شافعی ہین، اور جن

حدیثون کو شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے، ان کو انھون نے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ ان مین ایسے علل موجود تھے جنکو وہی شخص جان سکتا ہے جو محدثین کے فن سے اچھی طرح واقف ہو، چنانچہ جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو انھون نے کہا کہ یہ علم کی برکت ہے اور بیہقی کے لیے دعا کی اور تصنیف کے پورا کرنے سے ہاتھ روک لیا، اس کے بعد ابن سبکی نے بیہقی کا پورا رسالہ نقل کر دیا ہے، لیکن اگر امام شافعی اس قسم کے اعتراض کی طرف متوجہ ہوتے تو خود اجتہاد نہ کرتے، کیونکہ وہ تصحیح حدیث مین ان رجال حدیث پر اعتماد کرتے تھے جو صرف فن حدیث کے ہو گئے تھے، اور صحیح اور سقیم حدیث کے درمیان تمیز کرتے تھے، اور بیہقی نے جو کچھ بیان کیا وہ جوینی کی ترک تصنیف کے سبب بننے کی صلاحیت نہین رکھتا، بشرطیکہ ان کو استنباط کی قدرت حاصل ہو اور ان کے نفس کو استقلال پر اطمینان حاصل ہو، اس تقلیدی روح کے سرایت کرنے کے لیے اسباب کی ضرورت ہے، اور ہم کو جہان تک معلوم ہو سکا ہے ہم ان کی تفصیل کرتے ہین،

(پہلا سبب) برگزیدہ شاگرد، ہین جمہور کے قالب مین کسی عالم کی روح کے سرایت کرنے کا اس سے زیادہ کوئی مؤثر سبب نہین ہو سکتا کہ اس کے طاقتور شاگرد ہون جو اس عالم کے طریقہ سے متاثر ہون اور عوام کے نزدیک ان کی قدر و منزلت ہو، کیونکہ امام کے طریقہ سے متاثر ہونے کی بنا پر وہ اس کے ساتھ اپنی شیفتگی ظاہر کرتے ہین، اوسکی تدوین اور حمایت کرتے ہین اور جمہور کے نزدیک ان کو جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ ان کو ان سے علم حاصل کرنے اور ان کے فتوی پر عمل کرنے پر آمادہ کرتی ہے، کیونکہ وہ اس پر مجبور ہین کہ ان کیلئے ایسے ائمہ موجود ہون جنپر وہ اعتماد کرین اور اپنی شریعت کے احکام ان سے سیکھین اور یہ ائمہ مشہور جن کے مذاہب قائم ہین، ان کو ایسے تلامذہ میسر آئے، جو نہایت بلند رتبہ و انجح الحجت

اور اپنی قوم اور اپنے بادشاہون کے نزدیک نہایت بلند پایہ تھے، چنانچہ انھون نے اپنے امام سے جو احکام سیکھے تھے ان کو مدون کیا اور ان سے ان کو ان کے بہت سے تلامذہ نے حاصل کیا، اور ان لوگون کے درمیان جنھون نے اپنے مفتیون پر اعتماد کرکے احکام کی پیروی کی تھی ان کی اشاعت کی، ان ائمہ کے شاگردون پر بادشاہون کو جو اعتماد حاصل تھا اسکی بنا پر وہ قاضی اسی شخص کو بناتے تھے جبکہ یہ لوگ مشورہ دیتے تھے اور یہ مشورہ صرف اسی شخص کے متعلق دیتے تھے جنپر وہ اعتماد کرتے تھے اور تم سب سے زیادہ اسی شخص پر اعتماد کرسکتے ہو جو تم سے متاثر ہو اور اس کی راے تمہاری رائے کے موافق ہو اس لیے جن مذاہب کو اس قسم کے شاگرد نصیب ہوئے وہ اس کی بنیاد کے مضبوط کرنے کا ایک بڑا سبب ہوگئے، اور جب عوام کے دلون مین ان ائمہ کا اعتماد راسخ ہوگیا تو اس کے بعد یہ مشکل تھا کہ کسی نئے مذہب کا داعی کھڑا ہو اور لوگون کو اس کے اتباع کی دعوت دے، کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ اس کو خارج از جماعت سمجھتے تھے، اور جب حسد کا جذبہ پیدا ہوجاتا تھا تو اس کے حریف اس کے ساتھ جو چال چلتے تھے وہ ناقابل فراموشی ہے اور یہ ایک افسوس ناک بات ہے کہ یہ ایک ایسا سبب ہے جس کی آگ کسی زمانے مین بھی نہین بجھی، یہان تک کہ ہم کو کوئی ایسا فقیہ جو اجتہاد کا درجہ حاصل کرچکا ہو نظر نہین آتا جو اس لباس مین ظاہر نہ ہو بلکہ انتہائی درجہ پر وہ صرف ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کے معنی یہ ہین کہ اس کے پاس جو مسائل آئین اور ان کے متعلق اس کے امام کی نص موجود نہ ہو تو وہ ان کے متعلق فتوی دیدے یا کسی مسئلہ کے متعلق اپنے امام کی دو رایون مین سے کسی ایک رائے کو ترجیح دیدے اور اس قسم کے ائمہ اس دور مین بہ کثرت موجود تھے

(دوسرا سبب) قضاءت ہے، گذشتہ لوگون مین سے خلفاء ان لوگون کو قاضی

منتخب کرتے تھے جنہین ان کو یہ نظر آتا تھا کہ کتاب وسنت کا علم اور ان دونون سے استنباط احکام کی قدرت رکھتے ہین، اور اُن سے یہ معاہدہ لینے کے بعد کہ جس چیز کے متعلق نص موجود ہو اس مین صرف نصوص پر عمل کرین یا اُس رائے سے کام لین جو اقرب الی النصوص ہو، ان کی رائے پر بھی فیصلہ کو سپرد کر دیتے تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا کہ

"قضاءت ایک فریضۂ محکمہ یا سنتِ متبعہ ہے، پس جو چیز کتاب وسنت مین موجود نہین ہے جب اس کے متعلق تمہارے دل مین خلجان پیدا ہو تو سمجھ سے کام لو، اور اشباہ وامثال کو پہچانو اور اس وقت قیاس سے کام لو، اور ان مین اس چیز کا قصد کرو جو اقرب الی اللہ اور اشبہ بالحق ہو،"

اور جب کسی واقعہ مین قاضیون کو صحیح بات نہین معلوم ہوتی تھی تو اُن کے ساتھ اُن کے شہر مین جو مفتی موجود ہوتے تھے اُن سے مشورہ لیتے تھے، اور بسا اوقات اپنے خلفا سے خط وکتابت کرتے تھے، اور بعض مسائل مین ان کی رائے پر عمل کرتے تھے، اور ان قاضیون پر عوام کو بڑا اعتماد تھا، لیکن امتدادِ زمانہ سے اجتماعی حالات بدل گئے، اور ان مین ایسے قاضی پیدا ہوگئے جو اس اعتماد کو قائم نہ رکھ سکے، یا اُن کے شہر مین ایسے علما پیدا ہوگئے جنھون نے فتوے پوچھنے والون پر اُن کے قاضی کی غلطی ظاہر کرکے اس اعتماد کو ضعیف کر دیا جیسا کہ ابن ابی لیلیٰ قاضیِ کوفہ کو اُن کے شہر کے فقہاء کی طرف سے اس قسم کا واقعہ پیش آیا، اور جب قاضی کے ساتھ عوام کے اعتماد مین کمی آگئی تو قاضیون کے دل مین یہ میلان پیدا ہوا کہ وہ احکام معروفہ کے ساتھ اپنے فیصلہ کو مقید کر دین، کہ ان کے لیے شذوذ آسان نہ ہو، تاکہ وہ ایک بار ایک مفتی کی رائے کے ساتھ جو اوسکی غرض کے موافق ہو فیصلہ کرے اور دوسری بار

ایسے مفتی کی رائے کے ساتھ فیصلہ کرے جو اس کا مخالف ہو، اس کے ساتھ ہی مجتہدین کے پیروون نے وہ احکام مدون کیے جو انھون نے اپنے امام سے سیکھے تھے، اوران شاگردون کی مستعدی نے جس قدر پھیلانا چاہا وہ تمام اسلامی شہرون مین پھیل گئے، اس لیے لوگون کے دلون مین یہ میلان پیدا ہوا، کہ ان کا قاضی ایک مشہور مذہب کا آدمی ہو، اپنے فیصلہ مین اس کی پیروی کرے، اس سے تجاوز نہ کرے، اور وہ مذہب ایسا ہو جسکی تدوین کیگئی ہو، اور وہ مشہور ہو، اس طریقہ سے ان مذاہب کا خاتمہ ہو گیا جن کے پیروون نے ان کی تدوین و تہذیب مین سرگرمی نہین ظاہر کی تاکہ ان کا اخذ کرنا آسان ہو، اور جب کسی مذہب کی تقلید کسی بادشاہ یا سلطان نے کی، اور اس مذہب کے پیروؤن کے لیے عہدۂ قضارت کو محدود کر دیا، تو یہ اُس مذہب کی اشاعت اور ان علمار کے اضافہ کا ایک عظیم الشان سبب بنگیا جو اس مذہب کے قیام و اشاعت کا سبب تھے، جیساکہ بلادِ مشرق مین محمد بن سبکتگین اور نظام الملک نے اور مصر مین صلاح الدین یوسف بن ایوب نے شافعی مذہب کی تائید کی، اور حنفی مذہب کی تائید ترکی عنصر نے کی جو حنفی کے سوا اور کوئی مذہب اختیار نہین کرتے تھے، اور جب کوئی سردار یا با اقتدار شخص کوئی مدرسہ قائم کرتا تھا، اور اس مین زیادہ تر یا محدود طور پر کسی خاص مذہب یا مذاہب معینہ کی تدریس لازم کر دیتا تھا، تو یہ اس کا ایک نیا حامی ہو جاتا تھا شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے رسالہ انصاف فی بیان اسباب الاختلاف مین بلقینی کے شاگرد ابوزرعہ کا قول بیان کرتے ہین کہ، مین نے ایک بار اپنے شیخ امام بلقینی سے کہا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ کو کیون نہین پہنچے، حالانکہ ان کو یہ درجہ حاصل تھا اور وہ کیونکر تقلید کرتے ہین، وہ کہتے ہین کہ (مین نے ان کے شیخ بلقینی کا ذکر نہین کیا کیونکہ مین اس پر جو نتیجہ نکالنے والا تھا اس کی بنا پر مجھے ان سے شرم آتی تھی) لیکن وہ خاموش رہے تو مین نے کہا کہ

میرے نزدیک اس کی وجہ صرف وہ وظائف ہین جو مذاہب اربعہ کے فقہار کو ملتے تھے اور جو شخص ان مذاہب کے دائرے سے نکل کر اجتہاد کرتا تھا اس کو وہ وظیفہ نہین ملتا تھا عہدۂ قضار سے محروم رہتا تھا، لوگ اس سے فتوے نہین پوچھتے تھے اور اس کی طرف بدعت کا انتساب کیا جاتا تھا، اس پر وہ مسکرائے اور مجھ سے اتفاق کیا الخ لیکن باوجود یکہ بلقینی نے ابوزرعہ کے خیال سے اتفاق کیا تھا، انصاف کے مصنف نے ان سے اتفاق نہین کیا، کیونکہ انھون نے اس کو مستبعد سمجھا کہ ابوزرعہ نے جن چیزون کو بیان کیا ان مین کسی چیز نے ان بزرگون کو اجتہاد کے چھوڑنے پر آمادہ کیا ہوگا، اور شرح مہذب مین سیوطی سے ایک عبارت نقل کی ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مجتہد جو کسی خاص امام کی طرف منسوب ہے اور اجتہاد مطلق کرے تو یہ اس امام کے انتساب کے منافی نہین ہے، جیسا کہ ابواسحاق شیرازی، ابن الصباغ، امام الحرمین اور امام غزالی اسی قسم کے مجتہد تھے، اور کسی خاص امام کی طرف منسوب ہونے کے معنی یہ ہین کہ طریقۂ اجتہاد، استقرار دلائل اور ان کی ترتیب مین وہ اس کے طریقہ پر چلے اور اس کے اجتہاد کے ساتھ موافقت کرے اور اگر کبھی اسکی مخالفت کرے تو اس کو اس کی پروا نہ ہو اور اس کے طریقہ سے صرف چند مسائل مین نکلے اور یہ اس کے مذہب شافعی کی پابندی مین خلل انداز نہین ہوتا، لیکن شاہ ولی اللہ نے یہ جو کچھ نقل کیا وہ ابوزرعہ کے بیان کی صحت کے منافی نہین ہے، گو ہم اس کو عام طور پر تسلیم نہین کرتے یعنی یہ نہین کہتے کہ اس نے تمام فقہا کو تقلید پر آمادہ کیا،

(تیسرا سبب) جیسا کہ ہمنے بیان کیا مذاہب کی تدوین ہے اس بنا پر جس مذہب کو قابل اعتماد مدون میسر ہوئے وہ کامیاب ہوگیا، اور جمہور نے اس کو قبول کر لیا، کیا تم امام شافعیؒ کے اس قول کو نہین دیکھتے کہ "لیث امام

زیادہ فقیہ تھے لیکن اُن کے اصحاب نے ان کو قائم نہین رکھا، اور اس عدم قیام کے معنی یہ ہین کہ انھون نے ان کی رایون کی تدوین اور عوام مین ان کی اشاعت کی طرف توجہ نہین کی جیسا کہ اُنھون نے امام مالک کی رایون کی تدوین کی، چونکہ امام لیث کو ایسے تلامذہ میسر نہین ہوئے جو اُن کی رایون کو مدون کرتے، اس لیے فقہ مین ان کی بلند پایگی نے ان کو کوئی فائدہ نہین پہنچایا اور گو مستند راوی ہونے کی حیثیت سے ان کی شان وعظمت کا تذکرہ محدثین کی زبان پر باقی رہ گیا، لیکن مفتی اور مجتہد ہونے کی حیثیت سے ان کے نام کا چراغ بجھ کر رہ گیا اور لیث کی طرح صحابہ اور تابعین مین بہت سے ائمہ ہین جنکے آراء واستنباطات بعد کے لوگون کے لیے مشعلِ ہدایت تھے اور اس سے پہلے ہم ان کے نامون کا تذکرہ کر چکے ہین،

لیکن اس دور مین علماء کا انتساب اپنے ائمہ کی طرف تقلیدِ محض کی حد تک پہنچا ہوا نہ تھا، بلکہ اُن کے بعض کارنامے ایسے تھے جو ان کو نہایت بلند رتبہ اور بلند پایہ بناتے تھے۔ مثلاً

(اولاً) تو وہ ان احکام کے علل واسباب ظاہر کرتے تھے جنکو اُن کے ائمہ نے مستنبط کیا تھا، اور انھی لوگون کو علماءِ تخریج کہا جاتا ہے اور تخریجِ مناط کے معنی یہ ہین کہ حکم کی علت سے بحث کیجائے، اور زیادہ تر علمائے حنفیہ نے یہ مشغلہ اختیار کیا تھا کیونکہ بہت سے احکام جنکو انھون نے اپنے ائمہ سے روایت کیا تھا غیر معلل تھے، اس لیے انھون نے اُن اصول کے بیان کے متعلق اجتہاد کیا جنکو اون کے ائمہ نے اپنے استنباطات مین اختیار کیا تھا، اور ان علل کی تخریج مین علماء باہم اختلاف کرتے ہین، اور علت کے اس بیان کی وجہ سے وہ اُن مسائل کے متعلق بھی فتوی دیتے ہین

جن کے متعلق اُن کے امام کی کوئی تصریح نہین ہے، بشرطیکہ اس چیز کی علت معلوم ہو جائے جس کے متعلق ان کے امام کی تصریح موجود ہے، اسی موقع پر اُنھون نے اصولِ فقہ کی ایجاد اس اجتہاد کی بنا پر کی ہے کہ ان کے ائمہ کے یہی اصول ہین جنپر انھون نے اپنے استنباطات کی بنیاد رکھی ہے، جن سنے استقرار کی روسے اپنی کتاب اصولِ فقہ مین اس کی تصریح کی تھی، اس کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کے مقدم الذکر رسالے مین مجھکو ایسی عبارت ملی جو اس کی تائید کرتی ہے وہ فرماتے ہین کہ

مین نے اکثر لوگون کو پایا، جو یہ خیال کرتے ہین کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی؟ (امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے اختلاف کا بھی اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے) کے اختلاف کی بنیاد انھی اصول پر ہے جو کتاب بزدوی وغیرہ مین مذکور ہین لیکن حق یہ ہے کہ اکثر یہ اصول ان کے قول سے نکالے گئے ہین، اور میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص ظاہر ہوتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہین ہوتی، اور زیادت نسخ ہے اور عام خاص کی طرح قطعی ہے، اور کثرتِ رواۃ سے ترجیح نہین ہوتی، اور غیر فقیہ راوی کی حدیث پر عمل واجب نہین، اس سے رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا اور مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا بالکل اعتبار نہین ہے، اور امر کا موجب صرف وجوب ہے، اور اس قسم کے اور مسائل ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہین، اور ان کی روایت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین سے ثابت نہین ہے، اور ان کی محافظت، اور ان اعتراضات کے جوابات مین جو متقدمین کے استنباطات سے ان پر وارد ہوتے ہین، تکلف کرنا جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہین، ان کے مخالف اصول کی محافظت اور ان کے جوابات سے

زیادہ مستحق نہین ہے،

اس کے بعد انھون نے ان قواعد مین سے ہر قاعدہ، اور اُن اعتراضات کی جو حنفیہ پر ان کے متعلق وارد ہوئے ہین اور ان جوابات کی جو بہ تکلف انھون نے انکا دیا ہے، مثال دی ہے،

شافعیہ نے اس میدان کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، کیونکہ ان کے امام کے جو اصول تھے انھون نے خود ان کو مدوّن کر دیا تھا، اور اپنے تلامذہ کو ان کا املا کرا دیا، تھا، یہی حال مالکیہ اور حنابلہ کا بھی تھا، کیونکہ یہ لوگ مناظرات کے میدانون سے جن کا ذکر عنقریب آئے گا بالکل الگ تھے،

(ثانیاً) مذہب کے متعلق مختلف رایون مین ترجیح دیتے تھے، جسکی دو قسمین تھین،

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح،

(۲) درایت کے لحاظ سے ترجیح،

روایت کے لحاظ سے ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ ائمۂ مذاہب سے بعض مسائل کی نقل مین اختلاف واقع ہوا ہے، کیونکہ ان سے ان کے مذاہب کی نقل ایک سے زیادہ آدمیون نے کی ہے، مثلاً امام ابو حنیفہ کے اقوال جو امام محمد نے نقل کئے ہین، ان مین بعض کو انھون خود امام ابو حنیفہ سے اخذ کیا ہے، اور بعض کی روایت امام ابو یوسف کے ذریعہ کی ہے اور امام ابو یوسف سے امام محمد کے علاوہ اور تلامذہ مثلاً حسن بن زیاد اور عیسیٰ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور امام محمد سے ان کی کتابون کی روایت بھی ایک سے زیادہ لوگون نے کی ہے، اور یہ لوگ نقل مین اختلاف رکھتے ہین، اور یہ اختلاف اس لیے پیدا ہو گیا ہے کہ یا تو نقل کرنے والون نے ان ائمہ سے نقل کرنے مین غلطی کی ہے

پایہ کہ خود امام کو اس رائے مین تردد تھا اور وہ آج جو بات کہتا تھا اس کو کل بدل دیتا تھا اسلیے ہر ایک شخص دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا، اسی طرح ہم کو نظر آتا ہے کہ امام شافعیؒ سے ربیع بن سلیمانؒ، مزنی، حرملہ اور بویطی وغیرہ نقل کرتے ہین اور گذشتہ دونون اسباب کی بنا پر نقل مین اختلاف کرتے ہین، اسی طریقہ پر امام مالکؒ سے ابن القاسم، ابن وہب، ابن الماجشون اور اسد بن الفرات وغیرہ روایت کرتے ہین، اب ان مذاہب کے قائم ہو جانے کے بعد علمار کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی یہ رائے ظاہر کرین کہ ان دونون روایتون مین سے کونسی روایت مرجح ہے، چنانچہ زیادتی اعتماد کی بنا پر جس شخص کی روایت پر ان کو اطمینان حاصل ہوا اس کو انھون نے ترجیح دے دی، جیسا کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کی روایتون کو دوسرے تلامذہ پر ترجیح دی، اور خود امام محمدؒ کی روایتون مین انکی ان کتابون کو ترجیح دی جنکی روایت ان سے ثقات مثلاً ابو حفص الکبیر اور جوزجانی نے کی ہے اور ان کا نام انھون نے ظاہر الروایۃ رکھا، اسی طرح شافعیہ نے ربیع بن سلیمان کی روایتون کو ترجیح دی، یہانتک کہ جب ربیع اور مزنی کی روایتون مین تعارض واقع ہوتا ہے، تو وہ ربیع کی روایتون کو مقدم سمجھتے ہین حالانکہ فقہ مین وہ مزنی کی بلند پایگی کے معترف ہین، اور ان کو ربیع پر ترجیح دیتے ہین اور جب حرملہ کی روایتین ان دونون سے متعارض ہوتی ہین تو وہ حرملہ کی روایتون کو ضعیف قرار دیتے ہین، اسی طرح امام مالکؒ سے ابن القاسم نے جو روایتین کی ہین، ان کو مالکیہ نے ان کے اور راویون پر ترجیح دی ہے، خود ابن القاسم سے جو روایتین کیگئی ہین، وہ مختلف ہین، اس لیے وہ رواۃ کی زیادتی اعتماد کی بنا پر ان کو ترجیح دیتے ہین، دوسرے قسم کی ترجیح ان مختلف روایتون مین واقع ہوتی ہے جو خود ائمہ سے ثابت ہوتی ہین، یا امام اور اس کے تلامذہ

کے اقوال کے درمیان یہ ترجیح دی جاتی ہے، اور اس قسم کی ترجیح وہ فقہا دیتے ہین، جو اپنے ائمہ کے اصول اور طرقِ استنباط سے واقف ہوتے ہین، اسلیے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہین جو ان اصول کے موافق یا فقہ کے دلائل اصلیہ یعنی کتاب سنت، اور قیاس سے قریب تر ہوتے ہین اور یہ قدرتی بات ہے کہ ان مرجحین کے درمیان ترجیح مین اختلاف واقع ہو، لیکن اہل ترجیح فی المذہب مین صرف اس عالم کا اعتبار کیا جاتا ہے، جس کے درجہ اطلاع و تصرف کا اعتراف کیا جاتا ہے،

(ثالثاً) ہر فریق نے اجمالاً اور تفصیلاً اپنے مذہب کی تائید کی، چنانچہ اجمالی طور پر اس طرح کہ اس کے مذہب کا امام جس قدر وسیع علم، ورع صادق اور حسن استنباط کا ملکہ رکھتا تھا اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا جس قدر اتباع تام کرتا تھا اوسکی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا، چنانچہ تم کو علمائے مذہب مین ایسے بہت کم علما ملین گے جنھون نے اپنے امام کی یہ تعریف نہ کی ہو کہ وہ امام الائمہ ہے اور کوئی امام اس کا مقابلہ نہین کرسکتا، اور ان لوگون نے اس کے ایسے اوصاف بیان کئے جو اسکو میدانِ فقہ و استنباط کا شہسوار ثابت کرتے تھے، ان مین بعض لوگون نے غلو کیا اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے، لیکن اس قسم کے لوگون کی تعداد بہت زیادہ نہین ہے، تفصیلی تائید کا طریقہ یہ تھا کہ ہر اختلافی مسئلہ مین اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لیے کتبِ خلاف کی تالیف کی جس مین اختلافی مسائل بیان کرتے تھے اور ہر حالت مین اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے جس کی طرف وہ منسوب تھے، لیکن اکثر اوقات یہ ترجیح تکلف واضح سے خالی نہین ہوتی تھی، دوسری حیثیت سے ان لوگون نے زبانی مناظرات کئے اور چونکہ اس دور مین ان مناظرات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی،

اس لیے ہم ان مناظرات کے متعلق تمہارے سامنے ایک مستقل فصل قائم کرتے ہین،

(۲) مناظرات وجدل کی اشاعت

گذشتہ دور مین بھی مناظرات کا وجود پایا جاتا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے اکثر ان مناظرات کا ذکر کیا ہے جو ان کے اور محمد بن حسن فقیہ عراق کے درمیان ہوئے، لیکن وہ عام طور پر علمار کے درمیان شائع نہ تھے، اور جہان تک بظاہر معلوم ہوتا ہے ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حکم صحیح کا استنباط کیا جائے اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تھا تو اپنی رایون کے بدلنے سے ان کو کوئی چیز مانع نہین ہوتی تھی، کیونکہ وہ لوگ اپنی رائے مین آزاد تھے اور کسی مذہب اور رائے کی پابندی نہین کرتے تھے، لیکن اس دور کے مناظرات کی ابتدائی اشاعت، ان کے محرک اور ان کے نتیجہ کے متعلق حالات بالکل بدل گئے،

ان مناظرون کی مقدار کا حال یہ تھا کہ مناظرہ کی مجلسون کا بہت زیادہ رواج ہوا، یہان تک کہ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو اس قسم کی مجلسون سے خالی ہو جو دو بڑے عالمون کے درمیان مناظرہ کی غرض سے منعقد کیگئی ہون بالخصوص عراق وخراسان مین،

مناظرہ کی یہ مجلسین وزرار و کبرا کے سامنے منعقد ہوتی تھین اور ان مین بہت سے اہل علم شریک ہوتے تھے، اور مجالس عزا مین بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا، (طبقات الشافعیہ تذکرۂ شیخ ابو اسحاق شیرازی مین دیکھو) چنانچہ ابو الولید الباجی کہتے ہین کہ بغداد مین رسم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسے شخص کی وفات کا صدمہ ہوتا تھا جس کو وہ معزز سمجھتا تھا تو وہ چند دن گھر کی مسجد مین بیٹھتا تھا، اور اس کے ساتھ ان دنون مین اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی بیٹھتے تھے، جب چند دن گذر جاتے تھے تو اس کو صبر وتسلی دیتے تھے اور اس کے معمولی

کاروبار کی طرف اس کو واپس لاتے تھے لیکن یہ دن جنمین وہ اپنے پڑوسیون اور
بھائی بندون کے ساتھ اپنی مسجد مین تعزیت کے لیے بیٹھتا تھا، اکثر اوقات تلاوتِ قرآن
یا مسائل کے متعلق فقہا کے مناظرے کے ساتھ کاٹے جاتے تھے، قواعدِ مناظرہ کے متعلق
کتابین تالیف کیگئین اور ان کا نام "علم ادب البحث" رکھا گیا، پہلے مناظرہ کی مجلسین علم کلام
کے متعلق قائم کیجاتی تھین، اور اس نے ان لوگون مین اس قدر تعصبات فاحشہ اور
کھلی ہوئی خصومتین پیدا کردین کہ ان کی وجہ سے خونریزی اور شہرون کی بربادی کی نوبت
پہنچگئی، اس لیے بعض امرا فقہی مناظرے کی طرف مائل ہوئے، بالخصوص ان کا میلان
اس طرف زیادہ ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب مین جو اولیٰ ہو اس کا اظہار
کیا جائے، اب لوگون نے علم کلام اور دوسرے علوم کو چھوڑ دیا اور خصوصیت کے ساتھ
ان مسائل پر جھک پڑے جو امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان مختلف فیہ تھے اور امام
مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کے ساتھ اختلاف کرنے مین تساہل سے کام لیا،

ان لوگون کا نفس اگرچہ ان کو یہ دھوکا دیتا تھا کہ ان مناظرات سے ان کا مقصد، دقائق
شریعت کا استنباط، عللِ مذاہب کا اثبات اور اصولِ فتاوی کی تمہید ہے، لیکن ان کیلئے
اس کا اصل محرک امرا کی خوشنودی تھی، چنانچہ امام غزالی نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس
معاملے مین وہی حجت ہین کیونکہ وہ ان کے رؤسا مین تھے، اور نہایت تیز زبان اور دقیق النظر
تھے، اس کے بعد ان کی آنکھون کے سامنے سے پردہ اٹھا تو انھون نے ان دلفریب مناظرات
اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیا اور حالت نفسیہ کے عیوب کے اظہار کے لیے
ہم کو اس سے زیادہ بہتر شخص نہین مل سکتا جو خود اس مین مبتلا ہو پھر اس کو چھوڑ دے،
امام غزالی کہتے ہین کہ یہ لوگ اپنے نفس کو یہ دھوکا دیتے ہین کہ طلب حق کے لیے باہمی تعاون

دین سے ہے، کیونکہ اس کے لیے آٹھ شرطین ہین،

(۱) چونکہ یہ فرض کفایہ سے ہے، اس لیے اس مین اس شخص کو مشغول نہین ہونا چاہیے جو فروضِ اعیان سے فارغ نہ ہوا ہو، اور جس شخص پر فرض عین باقی ہے، اور وہ فرضِ کفایہ مین مشغول ہوا، اور اس نے یہ خیال کیا کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ کذاب ہے، اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خود نماز کو چھوڑ کر کپڑون کے حاصل کرنے اور ان کے بننے مین مشغول ہو جائے اور یہ کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کی ستر پوشی کرون جو برہنہ نماز پڑھتا ہے، اور کپڑا نہین پاتا، کیونکہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے، اور اس کا واقع ہونا ممکن ہے کیونکہ فقیہ کا خیال یہ ہے کہ جن نوادرِ مسائل سے علم الخلاف مین بحث کیجاتی ہے ان کا وقوع ممکن ہے، لیکن جو لوگ مناظرہ مین مشغول رہتے ہین وہ ان امور کو چھوڑ دیتے ہین جو بالاتفاق فرض عین ہین، جس شخص کو فی الحال ودیعت واپس کرنا ہو اور وہ نماز کو چھوڑ کر جو خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے اس کے واپس کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو وہ اس کے ساتھ گنہگار رہوا، اس لیے کسی شخص کے فرمانبردار بندہ ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہین کہ اس کا فعل طاعات کی جنس سے ہے، جب تک کہ اس مین وقت، شرط اور ترتیب کا لحاظ نہ رکھے،

(۲) مناظرہ سے زیادہ کسی فرض کفایہ کو اہم نہ سمجھے، لیکن اگر اس نے کسی فرض کفایہ کو اس سے زیادہ اہم سمجھا، اور اس کے علاوہ دوسرے فرض کو انجام دیا، تو اس فعل پر گنہگار رہوا اور اس کی مثال اس شخص کی مثال ہو گی جس نے پیاسون کی ایک جماعت دیکھی جو قریب بہ ہلاکت تھی، اور لوگون نے اس کو چھوڑ دیا تھا، اور وہ پانی پلا کر ان کو زندہ رکھ سکتا تھا، لیکن وہ فنِ حجامت کے سکھانے مین مشغول ہوا اور یہ خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ مین سے

سے ہے، اور اگر شہر اس فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ ہلاک ہو جائین گے، لیکن جب اس سے
کہا گیا کہ شہر مین حجامون کی ایک جماعت موجود ہے، اور وہ کافی ہے، تو اس نے کہا
کہ یہ اس کے فرضِ کفایہ ہونے سے اس کو نہین نکالتا، تو جو شخص ایسا کرتا ہے، اور مسلمان
پیاسون کی جماعت کے واقعۂ حال کو چھوڑ دیتا ہے، اس کی حالت اس شخص کی حالت کے
مشابہ ہے، جو مناظرہ مین مشغول رہتا ہے، حالانکہ شہر مین اور بھی بہت سے فروضِ کفایہ
چھوٹے ہوئے ہین، اور ان کو کوئی انجام نہین دیتا، ان سب کے قریب تر طب ہے، اسی طرح
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی،

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیئے، جو اپنی رائے سے فتوے دے، نہ کہ امام شافعیؒ
اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ، یہان تک کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ حق امام ابو حنیفہؒ
کے مذہب مین ہے تو اس مسئلہ کو چھوڑ دے جو امام شافعیؒ کی رائے کے موافق ہے اور
جو رائے اس کو حق معلوم ہوئی ہے اس کے مطابق فتوے دے، لیکن جس شخص کو اجتہاد
کا درجہ حاصل نہین ہے، اور ہر اہل زمانہ کا حال یہی ہے تو اس کو مناظرہ سے کیا فائدہ؟
درانحالیکہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ دوسرے مذہب کے موافق فتوی نہین دیسکتا

(۴) صرف اُس مسئلہ کے متعلق مناظرہ کرے جو واقع ہو اور زیادہ تر قریب الوقوع
لیکن یہ لوگ ان مسائل کے انتخاب مین جن کی ضرورت عام طور پر پیش آتی ہے اہتمام
نہین کرتے بلکہ صرف ان طبولیات کی جستجو کرتے ہین، جو سنے جاتے ہین اور اس مین
جو کچھ بھی ہو مناظرہ کی بہت زیادہ گنجائش ہوتی ہے، اور جو مسائل کثیر الوقوع ہین اونکو
بسا اوقات چھوڑ دیتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ خبر یہ مسئلہ ہے یا زوایا سے ہے، طبولیات
سے نہین،

محفلوں اور اکابر و سلاطین کے سامنے سے زیادہ مناظرہ کو خلوت میں پسندیدہ ہونا چاہیے، کیونکہ خلوت میں سمجھ میں انتشار نہیں پیدا ہوتا، اور ذہن و فکر کی صفائی اور ادراکِ حق سے اس کو زیادہ موزونیت ہوتی ہے اور مجمع کے سامنے ایسے اسباب پیش آتے ہیں جو محرکاتِ ریا کو تحریک دیتے ہیں اور ہر شخص کے لیے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر اپنی مدد کرنا واجب کر دیتے ہیں، حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ مجامع و محافل کے حریص خدا کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ ان میں بعض لوگ اپنے حریف کے ساتھ مدتوں، خلوت میں رہتے ہیں اور اس سے کلام نہیں کرتے اور بسا اوقات اسکے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دیتا، لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر ممکن تدبیر اس کی کرتا ہے کہ اس کو خاص طور پر گفتگو کرنے کا موقع ملے۔

(۶) حق کی جستجو میں اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جو گم گشتہ چیز کی تلاش کرتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ وہ گم گشتہ چیز اس کے ہاتھ لگے گی یا اس کے معاون کو ملے گی اور وہ اپنے رفیق کو معاون سمجھے حریف نہ سمجھے، اور جب وہ اسکی غلطی بتا دے اور اس کے لیے حق کو ظاہر کر دے تو وہ اس کا شکرگذار ہو، لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرہ کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ جب ان میں کسی کے حریف کی زبان سے حق ظاہر ہوتا ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور اس کو شرمندگی لاحق ہوتی ہے اور وہ اس کے انکار میں اپنی انتہائی قدرت سے کام لیتا ہے، اور جو شخص اس کو چپ کر دیتا ہے عمر بھر اس کی برائی کرتا ہے۔

(۷) جس شخص سے مناظرہ کرے اس کو دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف انتقال کرنے کی ممانعت نہ کرے، اور

اپنے کلام سے مناظرۂ مبتدعہ کے تمام مفید و مضر دقائق کو نکال ڈالے، مثلاً اس کا یہ قول کہ " اس کا ذکر میرے لیے ضروری نہین " اور " یہ میرے پہلے کلام کے مناقض ہے اسلیے مجھ سے قبول نہین کیا جائے گا " کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے مناقض ہے، اور اسکا قبول کرنا واجب ہے، لیکن تم دیکھتے ہو کہ تمام محفلون کا خاتمہ مدافعات و مجادلات پر ہوتا ہے،

(۸) ایسے شخص سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی توقع ہو اور وہ علم مین مشغول ہو، لیکن اکثر یہ لوگ فحول و اکابر کے مناظرے سے اس ڈر سے احتراز کرتے ہین کہ حق انہین کی زبان سے ظاہر ہوگا، اور ان سے کم درجہ کے لوگون کی طرف مائل ہوتے ہین تا کہ ان مین اپنے باطل کو رواج دے سکین الخ ملخصاً "

اس کے بعد امام غزالی نے اس کے ساتھ ایک اور فصل شامل کی ہے جس مین مناظرہ کی آفتین بیان کی ہین، اور ان مین حسب ذیل آفتون کو شمار کیا ہے،

(۱) حسد،

(۲) لوگون پر تفوق حاصل کرنا، یہان تک کہ یہ لوگ بعض مجالس مین بلندی، پستی اور صدر کے مسند سے قرب و بعد اور تنگ راستون مین پہلے داخل ہونے کی خواہش پر جھگڑتے ہین، اور ان مین بعض غبی اور مکار لوگ یہ حیلہ تراشتے ہین کہ وہ علم کی عزت کا تحفظ چاہتے ہین، اور مسلمان کو اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس بنا پر یہ لوگ تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی تعبیر مذہب کی عزت سے کرتے ہین، تا کہ ایک نام مین تحریف کرین اور لوگون کو اس کے ذریعہ سے گمراہ کردین،

(۳) حقد یعنی سخت اور مخفی دشمنی جس سے تقریباً کوئی مناظر خالی نہین ہوتا،

(۴) غیبت، کیونکہ ہر مناظر اپنے حریف کے کلام کی نقل اور اس کی مذمت ضرور کرتا ہے، ازیادہ سے زیادہ وہ اپنا تحفظ اس قدر کرتا ہے کہ اس کی نقل وحکایت مین صداقت سے کام لے اور اس سے نقل کرنے مین جھوٹ نہ بولے، لیکن لازمی طور پر اُس سے ایسی چیزین نقل کرتا ہے، جس سے اس کے کلام کا قصور، اس کا عجز، اور اس کے فضل کا نقصان ثابت ہو اور اسی کا نام غیبت ہے،

(۵) تجسس اور لوگون کی برائیون کا ٹوہ لگانا، کوئی مناظر اپنے ہمسرون کی لغزشون کی تلاش اور اپنے حریفون کی برائیون کے ٹوہ لگانے سے خالی نہین ہوتا یہان تک کہ جب اس کو اپنے شہر مین کسی مناظر کے آنے کی خبر ہوتی ہے تو وہ ایسے شخص کی جستجو کرتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی خبر دے اور وہ سوال کرکے اس سے نتائج نکالتا ہے، یہانتک کہ بوقت ضرورت اس کی رسوائی اور شرمساری کے لیے ان کو اپنے لیے ایک سرمایہ خیال کرتا ہے، یہان تک کہ اس کے بچپن کے حالات اور اس کے بدن کے عیوب تک کا انکشاف کرتا ہے، تاکہ اس کی کسی لغزش یا اس کے کسی عیب مثلاً گنج وغیرہ ہونے پر واقف ہو جائے، پھر جب اس کا ادنی سا غلبہ بھی محسوس کرتا ہے تو اگر وہ رکھ رکھاؤ کا آدمی ہوتا ہے تو تعریضاً اس کا اظہار کرتا ہے، اور اس کی یہ تعریض مستحسن خیال کیجاتی ہے، اور گالی گلوج کے لطائف مین شمار کیجاتی ہے لیکن اگر وہ سفیہ اور مسخرا ہوتا ہے تو علانیہ اسکا اظہار کرتا ہے، جیساکہ اکابر مناظرین سے منقول ہے،

(۶) لوگون کے رنج سے خوشی اور ان کی خوشی سے رنج، کیونکہ جو شخص اظہار فضل کے ذریعہ سے تفاخر حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو اُس کے مقابل حریفون کے رنج پر لازمی طور پر مسرت ہوتی ہے، اور ان کے درمیان سَوتون کی طرح بغض ہوتا ہے، جس طرح ایک سوت

دوسری سوت کو جب دور سے دیکھتی ہے تو اس کا جسم کانپنے لگتا ہے اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اسی طرح جب ایک مناظر دوسرے مناظر کو دیکھتا ہے، تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے، اور اُس سے اس کو اضطراب لاحق ہو جاتا ہے، اور ایسی ناگواری کا اظہار کرتا ہے گویا وہ شیطان یا کسی درندہ جانور کو دیکھتا ہے،

(۷) نفاق، جسپر یہ لوگ مجبور ہوتے ہین، کیونکہ یہ لوگ حریفون، اُن کے دوستون اور اُن کے ساتھیون سے ملتے ہین اور مجبوراً زبان سے دوستی، شوق، اور ان کے مرتبہ کا اظہار کرتے ہین، لیکن مخاطِب اور مخاطَب اور ہر وہ شخص جو اُن سے یہ سنتا ہی جانتا ہے کہ یہ جھوٹ، زور، نفاق، اور فجور ہے، کیونکہ یہ لوگ زبان سے دوست اور دل سے باہم دشمن ہین،

(۸) حق سے رُوگردانی، اس کی کراہت اور اُس کے متعلق جھگڑنا، یہان تک کہ مناظر کے لیے سب سے زیادہ مبغوض چیز یہ ہے کہ اُس کے فریق کی زبان سے حق کا اظہار ہو اور جب وہ اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنی انتہائی کوشش سے اُس کے انکار کے لیے مستعد ہو جاتا ہے اور اس کے رد کرنے کے لیے انتہائی مکر، فریب اور حیلہ سے کام لیتا ہے، یہان تک کہ حق کے متعلق جھگڑنا اس کی طبعی عادت بن جاتا ہے اس لیے جب کوئی کلام سنتا ہے تو اس کی طبیعت مین اس پر اعتراض کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، یہان تک کہ ادلۂ قرآن اور الفاظِ شرع کے متعلق بھی اُس کے دل پر اس کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور وہ ایک کو دوسرے سے مخلوط کر دیتا ہے،

(۹) ریا، لوگون کا لحاظ، اور اُن کے دل اور اُن کے چہرون کے مائل کرنے کی کوشش اور ریا ایک ایسا سخت مرض ہے جو اکبر الکبائر کا محرک ہوتا ہے اور مناظر کا

مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگون مین نمایان ہو اور لوگ اس کی تعریف کرین۔

مناظرہ کے یہ عظیم الشان نتائج ہین جو فقہار کو اُس سطح سے گرا دیتے ہین جس پر متمکن ہونا چاہیئے، کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ ہین، اس لیے اُن ہین کامل ترین اخلاق اور صاف ہونے چاہیئین، لیکن ان مناظرات نے جو خالصتاً لوجہ اللہ نہ تھے اُن مین بہت سے فقہار کو اُس حالت تک پہونچا دیا جس کی شرح ایک ایسے شخص نے کی ہے جو اُسی حالت مین مبتلا تھا خدا اُس کو معاف کرے۔

ابن سبکی نے طبقات مین بیان کیا ہے کہ ابو حبان توحیدی کہتے ہین کہ مین نے شیخ ابو حامد غزالی کو طاہر عبادانی سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ "جو کچھ تم مجھسے مجلس مناظرہ مین سنتے ہو اُس کو بہت نہ لکھو کیونکہ اس مین جو گفتگو ہوتی ہے اُس سے حریف کو حیلہ اور مغالطہ دینا اور اس کی تردید کرنا اور اس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے ہم خالصتاً لوجہ اللہ تعالی گفتگو نہین کرتے، اگر ہمارا یہ مقصد ہوتا تو طویل گفتگو سے زیادہ ہم خاموشی کی طرف سُرعت کے ساتھ قدم بڑھاتے، اگرچہ زیادہ تر اس گفتگو مین خدا کا غضب لیکر لوٹتے ہین لیکن اُس کے ساتھ ہم خدا کی رحمت کی وسعت کے بھی متوقع ہوتے ہین

مذہب اسماعیلی

اس دور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مصر اور اُس کے ملحق شہرون مین مذہب اسماعیلی کا ظہور ہوا جو شیعون کے مذاہب مین سے ان لوگون کا مذہب ہے، جنھون نے اسمٰعیل بن جعفر صادق کے ساتھ موالات کی اور اُن کے بھائی موسیٰ بن جعفر المعروف بالکاظم کو چھوڑ دیا، اس لیے عالم اسلامی مین اُن کے تین مذہب یعنی

زیدیہ، امامیہ، اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ قائم ہوگئے، یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے باہم مخالف ہین، لیکن ان سب مین عترت کا شیرازہ سب کو ایک سلسلہ مین جکڑے ہوئے ہے، جب معز لدین اللہ قاہرہ مین آیا جسکی بنیاد اس کے آنے سے پہلے پڑ گئی تھی لیکن وہ اُس کے نام سے منسوب ہوا تو اُس کے ساتھ اُس کا سب سے بڑا عالم اور اسماعیلیہ فرقہ کا فقیہ موجود تھا اور وہ مصر کا قاضی القضاۃ مقرر کردیا گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ مصر مین اس لقب کا رواج ہوا، ورنہ اُس کے پہلے دار الخلافۃ الکبری بغداد مین وہ صرف قاضی اکبر تک محدود تھا، یہ قاضی لوگون کے درمیان وراثت اور دوسرے مسائل مین مذہب اسماعیلیہ کے موافق فیصلہ کرتا تھا اور عترت کی وراثت کا طریقہ بہت سے مسائل مین جمہور کے طریقہ وراثت سے مختلف تھا، جن مین سب سے اہم یہ مسئلہ ہے کہ اُن کے یہان عصبہ اور عول نہین ہے، بلکہ وہ لوگ اقربیت کو عصبیت کے قائم مقام بناتے ہین اور جو شخص میت سے جسقدر زیادہ قریب ہوتا ہے اسی ترتیب سے وراثت دلواتے ہین، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اس لیے اُن کے نزدیک پہلا درجہ باپ مان اور لڑکون کا اور دوسرا درجہ دادا، بھائی اور بہنون کا ہے علی ہذا القیاس اور دُور کا رشتہ دار قریبی رشتہ دار کے ساتھ وراثت نہین پاتا، مثلاً اگر میت ایک لڑکی چھوڑ جائے اور اُس کے ساتھ باپ مان مین سے کوئی نہ ہو تو وہ پورے مال کی مالک ہوجاتی ہے، آدھے کی فرض کے ساتھ اور آدھے کی رَد کے ساتھ، اس طریقہ پر فاطمہ رض بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن کے باپ کی میراث مین کوئی انکا شریک نہین ہے اور مان کے ساتھ بھائی یا بہن مین سے کوئی وراثت نہین پاتا اور عترت کے اس قول کی بنا پر کہ میراث کا اصول قربت ہے وہ لوگ حقیقی[۴] چچا کے لڑکے علاتی

۴ غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ خلافت تا حق حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مقابلہ مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلیے ثابت کرتے ہین ۱۲

(عم لاب) چچا پر مقدم کرتے ہین، حالانکہ چچا چچا کے لڑکے سے زیادہ قریبی ہے اور اس پر
طائفۂ محقہ کے اجماع سے استدلال کرتے ہین۔ اس اصول کے موافق اُن کے اور بہت
سے مسائل ہین جو جمہور کے مخالف ہین جنھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول
لیا ہے کہ فرائض کو اہلِ فرائض کے حوالے کرو، اس کے بعد جو بچ جائے وہ اس مرد کو دو
جو قریب ترین رشتہ دار ہو اور بعض اصحابِ فروض پر کمی کے داخل کرنے سے عول سے بچ گئے
اس مذہب پر قضارت مصری کی ترتیب کے ساتھ اُن کے علما جامع ازہر مین
جسکو انھی نے قائم کیا تھا اُس کا درس دیتے تھے اور اس غرض سے اس مذہب
مین کتابین تالیف کی گئی تھین اور علما و طلبہ کو ماہوار وظائف دیتے تھے، اور اس کو
دعوت کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا، داعی دعاۃ اور اُس کے اعوان کا کارنامہ اس پر مستزاد
تھا کیونکہ وہ مذہبِ اسماعیلی کے اختیار کرنے کی طرف نہایت سرگرمی کے ساتھ عوام کو مائل
کر رہے تھے، لیکن باوجود ان تمام کوششون کے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ امام مالکؒ
اور امام شافعیؒ کے مذہب عوام کے دلون مین بہت اچھی طرح راسخ ہو گئے تھے اس لیے
ان دونون مذاہب کے باطل یا ضعیف کرنے کے لیے کوئی قطعی کام جاری نہ کیا جا سکا اور مصری
قدیم جامع مسجد مین ان دونون مذاہب کے عالمون کے حلقہ ہاے درس برابر قائم رہے
آخیر مین مستنصر کا وزیر ابو احمد بن الافضل اسپر مجبور رہا کہ اس معاملے مین نرمی سے
کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن مین ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے
مذہب کے مطابق وراثت دلواسکے، ایک قاضی اسمٰعیلی ہو، ایک امامی ہو، ایک مالکی ہو
اور ایک شافعی ہو، اور ۵۲۵ھ مین یہ پہلا موقع تھا کہ مصر مین متعدد قاضی مقرر کیے گئے
اور جب اس سلطنت مین ضعف پیدا ہوا تو ۵۴۷ھ مین ابو المعالی مجلی بن جمیع الشافعی

صاحب الذخائر قاضی القضاۃ مقرر ہوے اور جب صلاح الدین عاضد کا وزیر ہوا تو دولت اسماعیلیہ کے مظاہرہ کو مٹا دیا اور اُسکے قاضی جلال الدین بن ہبۃ اللہ بن کامل صوری کو موقوف کیا اور سنہ ۵۶۶ھ مین صدر الدین عبد الملک بن درباس الکردی الشافعی کو قاہرہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، صلاح الدین نے مصر مین مذہب اسماعیلی کے ساتھ جنگ کی اور اس کا نام و نشان تک باقی نہین چھوڑا، اور ہم مین اور اسماعیلیون کے درمیان تمام تعلقات منقطع کر دیے، یہان تک کہ فقہ یا اُس کے علاوہ اور علوم مین ہم ان کی کسی کتاب سے واقف نہین ہو سکتے، شافعیہ مین قضاۃ کا عہدہ برابر قائم رہا، لیکن جب ظاہر بیبرس آیا تو اُس نے تعدد قضاۃ کی بدعت کا دوبارہ اعادہ کیا لیکن اُن کو جمہور کے مذاہب شافعی، مالکی حنفی اور حنبلی مین سے مقرر کیا،

ہم یہ اندازہ نہین کر سکتے کہ مصر مین اسماعیلی مذہب کی اشاعت مین کسقدر کامیابی ہوئی اور خواص امت مین سے کس قدر لوگون نے اسکو اختیار کیا البتہ ہم یہ جانتے ہین کہ عوام پر اس کا اثر کم ہوا کیونکہ مظاہر اسماعیلیہ اور ان کے عقائد سے نفرت کرنے کی خبرین اُن سے مروی ہین، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہا نے اُسکو قبول نہین کیا، اور اس کو کفر و الحاد کی علامت قرار دیا اس لیے عوام نے اس سے نفرت ظاہر کی اور دعوت کے طریقہ اخفا نے اس نفرت کو اور بڑھا دیا اور اس سے ان کے اس اعتقاد کو اور تائید ہوئی کہ وہ اس دین سے خارج ہے جسکو انھون نے اپنے ائمہ اور علما سے وراثۃً پایا ہے

(۳) تعصبات مذہبی کی اشاعت

گذشتہ دور مین جس بے تعصبی کی روح نے غلبہ پالیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا

کہ اختلاف مذاہب کا یہ اثر نہ ہو کہ مختلف مذاہب کے لوگ باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں، چنانچہ ایک شہر میں دو یا اس سے زائد مجتہد ہوتے تھے اور ہر ایک اپنے رفیق کے لیے اجتہاد کو جائز رکھتا تھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا، زیادہ تر جو چیز دیکھنے میں آتی تھی وہ یہ تھی کہ ایک کسی مسئلہ میں دوسرے کی غلطی نکالتا تھا اور اس پر جو نکتہ چینی کرتا تھا اُس کو اُس کے پاس لکھ کر بھیجدیتا تھا یا اس کے متعلق اس سے زبانی گفتگو کر لیتا تھا، لیکن اُس کے ساتھ ہر ایک دوسرے کا احترام بلکہ اس کی محبت اور تعریف کرتا تھا، چنانچہ امام لیث بن سعد نے امام مالک بن انس کو جو خط لکھا تھا اسکو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، اور امام شافعی اگرچہ امام ابو حنیفہ کے مسائل پر تنقید کرتے تھے لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے دست نگر ہیں، وہ امام محمد کی اکثر تعریف کرتے تھے، حالانکہ مناظرے میں وہ اُن کے سب سے بڑے حریف تھے، اور امام احمد بن حنبل سے جو فقہ میں اُن کے شاگرد تھے کہتے تھے کہ جب تمھارے نزدیک حدیث صحیح ہو تو مجھے اسکی اطلاع دو، اور جب حدیث کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے کہ امام مالک روشن ستارہ ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن فقہاء و ائمہ اطہار کے اوپر بے تعصبی اور محبت کی روح کا غلبہ تھا اور وہ اس معاملہ میں اپنے اسلاف صحابہؓ و تابعین کے مقلد تھے، لیکن اس دور نے جس میں تقلیدی روح سرایت کر گئی فقہا کو جیسا کہ ہم نے بیان کیا اپنے ائمہ کے مسائل کی مدافعت پر آمادہ کیا اور امراء نے اُن سے یہ مطالبہ کیا کہ اُن کے سامنے مناظرہ کے میدان میں گرم جولان ہوں، اس نے اُس نتیجہ تک پہونچایا جسکو امام غزالی نے ناپسند کیا ہے، اور ہر فریق جن مسائل کی مدافعت اور اُن کے متعلق مناظرہ

کرتا تھا اُس کے متعلق تعصب کرنے لگا اور دوسرے کو جیسا کہ وہ خصم کے لفظ سے تعبیر
کرتا تھا اپنا دشمن سمجھنے لگا، عوام نے بھی اس معاملہ مین ان کی تقلید کی اور تقریباً
اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک اپنے مخالف مذہب کی تقلید کو اس قاعدے کے بموجب
کہ "تقلید مین مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے، امام کے مذہب کا نہین" حرام قرار دے لیکن
ہم کو یہ معلوم نہین کہ یہ قاعدہ کب ایجاد ہوا اور یہ معلوم ہے کہ شافعیہ کی بہت سی نمازین
ایک حنفی کی نگاہ مین صحیح نہین ہین، کیونکہ ایک شافعی اپنے جسم سے خون نکلنے کی وجہ
سے وضو نہین کرتا، ~~اس لیے کہ~~ اس لیے کہ اس سے اس کے امام کے نزدیک وضو
نہین ٹوٹتا، اسی طرح ایک حنفی ایک اجنبی عورت کے چھونے سے وضو نہین کرتا کیونکہ
اُس سے اس کے نزدیک وضو نہین ٹوٹتا اور نہ وہ سورۂ فاتحہ کی قرأت کے وقت
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہین کہتا حالانکہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی ایک
آیت ہے جس کے بغیر اُس کی نماز صحیح نہین ہوتی، اس سے اور اس قسم کے اور
مسائل سے جب ایک مقتدی اپنے مخالف مذہب رکھنے والے کی اقتدا کرتا ہے
تو اُس کے دل مین شک پیدا ہوتا ہے، لیکن ہم کو یہ معلوم نہین ہے کہ وہ ایسا کیونکر
کہتے ہین حالانکہ اجتہادو اختلاف مین ائمہ نے بے تعصبی برتی ہے، اور یہ تسلیم کرلیا ہے
کہ ایک مجتہد کا اجتہاد جس نتیجہ تک پہونچائے اُس کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے
اور اس کے دوسرے نتیجہ کی طرف متجاوز ہونا جائز نہین، اس نظریہ کا اقتضا یہ ہے
کہ مین ہر مجتہد کی نماز کو صحیح سمجھتا ہون، اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقتدا مین امام
کے مذہب کا اعتبار ہے، مقتدی کے مذہب کا اعتبار نہین لیکن مذہبی تعصبات نے
جماعتون کے درمیان سختی کے ساتھ حد فاصل قائم کردی اور بعض فقہا نے اُس پر

یہ اضافہ کیا کہ آپس مین ایک دوسرے پر یہ اتہام لگایا کہ بعض مسائل مین اُن کے ائمہ نے صریح کتاب وسنت کی مخالفت کی ہے، اور اس پر یہ قاعدہ بنایا کہ اگر قاضی اُن کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائیگا لیکن یہ مسائل محلِ اجتہاد نہین ہین، بہر حال ہم اس موضوع کو طوالت دینا نہین چاہتے اور ہم نے اس کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے، کہ وہ آثارِ تقلید مین سے ایک قدرتی اثر ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم یہ دعوی کیونکر کرتے ہو کہ یہ تقلید کا اثر ہے حالانکہ ابن حزم اندلسی نے جو پانچوین صدی مین تھے تقلید کو بالکل چھوڑ دیا تھا اور اجتہادِ مطلق کے مدعی تھے، باوجود اس کے اُن سے زیادہ تیز زبان اور اپنے مخالفین کے متعلق اُن سے زیادہ سخت گو ہم نے کسی فقیہ کو نہین دیکھا، چنانچہ فقہ مین اُن کی کتاب الاحکام لاصول الاحکام اور محلی کو پیش نظر رکھ کر تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود دعوی اجتہاد کے تقلید کی حقیقت سے باہر نہین تھے کیونکہ وہ داؤد بن علی کے مذہب کے داعی تھے اور اور ان کے مذہب کی تائید کرتے تھے اور اُن کے شہر کے علمانے جو ان کی عداوت ومخاصمت کی اُس نے ان کو اور تنگدل بنا دیا اس بنا پر انھون نے اپنے قلم کو مطلق العنان کر دیا، اور ان پر سخت حملے کیے، اُن کا خیال تھا کہ وہ اس طریقہ سے اُن پر غلبہ حاصل کر رہے ہین، حالانکہ انھون نے خود اپنے آپ کو اور اپنی رایون کو تباہ وبرباد کر دیا یہان تک کہ اُن کی حیات وممات دونون مین اُن کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکا حالانکہ اُن کی وسعتِ اطلاع اور قوتِ فکر کا انکار نہین کیا جا سکتا،

(اس دور کے فقہا)

اس دور کے فقہا اپنے ائمہ کے مذاہب کے مکمل کرنے والے خیال کیے جاتے

ہین، کیونکہ ان ائمہ سے جو مختلف روایتین مروی تھین اُنھون نے اُن کے درمیان ترجیح دی، اُن کے وجوہ و علل ظاہر کیے، اور جن مسائل کے متعلق ان ائمہ کی تصریحات موجود نہ تھین اُن علل پر قیاس کر کے اُن کا فتوی دیا، اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان مشاہیر کا تذکرہ کرین، جنھون نے کتابین لکھین اور انھون نے جو کچھ لکھا وہ دور اخیر مین ان کے بعد والون کے لیے بنیاد ہو گیا، اس سلسلے کی ابتدا ہم فقہائے حنفیہ سے کرتے ہین اور ہم نے ان مین سے ۲۰ فقیہ منتخب کیے ہین جنکے نام حسب ذیل ہین،

(۱) ابوالحسن عبید اللہ بن الحسن الکرخی جو عراق مین حنفیہ کے سردار اور اُنکے اکابر کے اُستاد تھے، مختصر اور امام محمد بن حسن کی جامع صغیر اور جامع کبیر کی شرح لکھی، ۲۶۰ھ مین پیدا ہوے اور ۳۴۰ھ مین وفات پائی، وہ اس دور کے بہت بڑے فقیہ تھے، لوگون نے ان کا شمار مجتہدین فی المسائل مین کیا ہے،

(۲) ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص، کرخی کے شاگرد تھے، اور ان کے بعد سردار ہوے، مختصر کرخی، مختصر طحاوی جامع امام محمد کی شرح کی، ان کی ایک کتاب اصول فقہ مین ہے، اور ایک کتاب ادب القضاۃ ہے، اُنھون نے ۳۷۰ھ مین وفات پائی،

(۳) ابوجعفر محمد بن عبد اللہ البلخی الھندوانی، وہ چھوٹے ابوحنیفہ کہے جاتے تھے اور بلخ کے ائمہ مین سے تھے، ۳۶۲ھ مین بخارا مین وفات پائی،

(۴) ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی المشہور بامام الہدی، ہندوانی کے شاگرد تھے، نوازل العیون والفتاوی اور خزانۃ الفقہ تصنیف کی اور جامع صغیر کی شرح لکھی، ۳۷۳ھ مین وفات پائی،

(۵) ابوعبد اللہ یوسف بن محمد الجرجانی، کرخی کے شاگرد تھے، چھ جلدون مین

خزانۃ الاکمل تالیف کی اور زیادات، جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرح لکھی، اور خزانۃ الاکمل تمام اصحاب کی تصنیفات کی جامع ہے، کافی حاکم سے ابتدا کی ہے، پھر جامع صغیر جامع کبیر، پھر زیادات، پھر مجرد، منتقی مختصر کرخی، شرح طحاوی اور عیون المسائل کو بہ ترتیب جمع کیا ہے، انھون نے ۳۹۸ھ مین وفات پائی،

(۶) ابو الحسن احمد بن محمد القدوری البغدادی، وہ مختصر مشہور کے مصنف ہین اور مختصر کرخی کی شرح لکھی ہے، اور کتاب التجرید تصنیف کی ہے جو غیر مدلل طور پر اُن مسائل پر مشتمل ہے، جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ کے درمیان مختلف فیہ ہین، وہ مناظرے مین حسن العبارۃ تھے اور شیخ ابو حامد اسفرائنی الشافعی سے مناظرہ کرتے تھے انھون نے ۴۲۸ھ مین وفات پائی،

(۷) ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی السمرقندی، وہ پہلے شخص ہین جنھون نے علم خلاف کو ایجاد کیا، ان کی سب سے بڑی تصنیف اسرار ہے، اور نظم فی الفتاوی اور کتاب تقویم الادلہ بھی اُن کی تصنیفات مین سے ہین، مناظرہ اور دلائل کے استخراج مین وہ ضرب المثل تھے اور سمرقند اور بخارا مین انھون نے بڑے بڑے لوگون کے ساتھ مناظرات کیے ہین، انھون نے ۴۳۰ھ مین وفات پائی،

(۸) ابو عبد اللہ الحسین بن علی الصمیری، وہ کبار فقہائے حنفیہ مین سے تھے اور حسن العبارۃ اور جید النظر تھے، ۴۳۶ھ مین وفات پائی،

(۹) ابو بکر خواہر زادہ محمد بن الحسین البخاری، وہ عظمائے ماوراء النہر مین تھے مختصر تجنیس، اور مبسوط تصنیف کی اور ۴۳۳ھ مین وفات پائی، خواہر زادہ کے معنی ہین "عالم کا بھانجا"، کیونکہ وہ قاضی ابو ثابت محمد بن بخاری کے بھانجے تھے،

(۱۰) شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد الحلوانی البخاری مصنف مبسوط، وہ اپنے وقت مین اہل بخارا کے امام تھے، ۴۴۸ھ مین وفات پائی،

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی، وہ حلوانی کے شاگرد تھے، اور مجتہدین فی المسائل مین شمار کیے جاتے تھے، وہ امام، علامہ، حجت، متکلم، مناظر، اصولی اور مجتہد تھے، انھون نے آوزجند کے قیدخانے مین پندرہ جلدون مین مبسوط کا املا کرایا کیونکہ انھون نے خاقان کو ایک نصیحت کی تھی اور اس جرم مین ایک کنوئین مین قید کردیے گئے تھے، وہ اس کنوئین مین بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے املا کراتے تھے، اور ان کے تلامذہ کنوئین کے اوپر بیٹھتے تھے، اصول فقہ مین ایک کتاب، شرح سیر کبیر اور شرح مختصر طحاوی ان کی تصنیفات سے ہین، اور ان کی مبسوط حاکم شہید کے کافی کی شرح ہے جو مصر مین چھپ گئی ہے، انھون نے پانچوین صدی کے اخیر مین وفات پائی،

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن علی الدامغانی، عراق مین حنفیہ کی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوگیا اور وہ صیمری اور قدوری کے شاگرد ہین، بغداد مین قاضی مقرر ہوے اور ۴۰۰ھ مین دامغان مین پیدا ہوے اور ۴۷۸ھ مین وفات پائی، ابو الطیب الشافعی ان کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بہت سے تلامذہ مین وہ امام شافعیؒ کے مذہب کے زیادہ عالم ہین، وہ شیخ ابو اسحاق شیرازی الشافعی سے مناظرہ کرتے تھے

(۱۳) علی بن محمد البزدوی، گیارہ جلدون مین مبسوط لکھی اور جامع کبیر اور جامع صغیر کی شرح کی، وہ اصول کی ایک کتاب کے جو اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے مولف ہین اور فقہ مین غنا الفقہا ان کی تصنیف ہے، وہ حدود ۴۰۰ھ مین پیدا ہوے اور ۴۸۲ھ مین وفات پائی،

(۱۴) شمس الائمہ بکر بن محمد الزرنجری وہ بڑے امام اور حفظ مذہب مین ضرب المثل تھے، ۴۲۷ھ مین پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم سیکھا اور ۵۱۲ھ مین وفات پائی،

(۱۵) ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل الصفار وہ قاضی خان کے استاد تھے اور اُن کے تمام آبا و اجداد اکابر فقہا مین تھے، انھون نے ۵۳۴ھ مین بخارا مین وفات پائی،

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی النصاب وہ ماوراء النہر مین حنفیہ کے شیخ اور اکابر مجتہدین فی المسائل مین تھے، ان کی مولفات مین خزانۃ الواقعات ہے، انھون نے ۵۴۲ھ مین وفات پائی،

(۱۷) ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ بن عبد الرزاق الولوالجی، فتاوی ولوالجیہ انھین کا ہے انھون نے ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی،

(۱۸) ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الملقب بملک العلما، وہ کتاب البدائع کے مولف ہین جو ایک خوش ترتیب کتاب ہے، اُنھون نے اپنے شیخ علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی کی کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے، انھون نے ۵۸۷ھ مین وفات پائی،

(۱۹) فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی المعروف بقاضی خان، بہت بڑے امام تھے، مشہور و متداول فتاوے، واقعات امالی، اور محاضر کو تالیف کیا، اور زیادات، جامع صغیر، اور خصاف کے ادب القضاۃ وغیرہ کی شرح لکھی، اور ۵۹۲ھ مین وفات پائی، وہ طبقۂ مجتہدین فی المسائل مین شمار کیے جاتے ہین، تصحیح قدوری مین قاسم بن قطلوبغا کا قول ہے کہ "قاضی خان کی تصحیح دوسرون کی تصحیح پر مقدم ہے

کیونکہ وہ فقیہ النفس ہین''

(۲۰) علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی صاحب الھدایہ وہ امام فقیہ اور حافظ تھے اور کتاب المنتقی، نشر المذہب، تجنیس، مناسک الحج، مختارات النوازل اور کتاب الفرائض ان کی تصنیفات سے ہین، انھون نے ۵۹۳ھ مین وفات پائی،

کبار فقہاے مالکیہ

(۱) محمد بن یحییٰ بن لبابۃ الاندلسی، اپنے معاصرین مین مذہب کے سب سے زیادہ حافظ، عقد شروط کے عالم اور اُن کے علل کے ماہر تھے، فتوی و فقہ مین ان کے اختیارات مذہب کے دائرے سے باہر ہین اور فقہ مین ان کی متعدد تصنیفات ہین، مثلاً منتخبہ اور کتاب الوثائق، ابن حازم فارسی کہتے ہین کہ ان کی کتاب منتخبہ کے مثل ہمارے اصحاب کی کوئی تصنیف نہین'' ان کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے، انھون نے ۳۳۰ھ مین وفات پائی،

(۲) بکر بن العلاء القشیری وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے، پھر مصر مین چلے آئے، تلامذۂ قاضی اسماعیل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور بڑی بڑی کتابین تصنیف کین، مثلاً کتاب الاحکام جو اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا اختصار ہے، اور اسپر اضافہ ہے، کتاب الرد علی المزنی، کتاب اصول الفقہ اور کتاب القیاس وغیرہ انھون نے ۳۴۴ھ مین وفات پائی،

(۳) ابو اسحاق محمد بن القاسم بن شعبان العنسی اپنے وقت مین مصر کے فقہاے مالکیہ کے سردار اور امام مالک کے مذہب کے سب سے زیادہ حافظ تھے لیکن

ان کی کتابون مین امام مالک کے غرائب قول اور اُن لوگون کے اقوال شاذہ ہین جو امام مالک کے تلمذ مین مشہور نہین ہین، اور اُن کے ثقات اصحاب نے انکی روایت نہین کی ہے، انھون نے امام مالک کے مذہب کا استقرار کیا اور فقہ مین کتاب النہاہی الشیبانی تالیف کی انھون نے ۳۰۵ھ مین وفات پائی،

(۴) محمد بن حارث بن اسد الخشنی، انھون نے قیروان مین فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر اندلس مین آئے، اور وہان کے علما سے سنا، اور قرطبہ مین توطن اختیار کرلیا، وہ فقہ کے حافظ، اس مین متقدم، فتوی کے عالم، مسائل مین عمدہ قیاس کرنے والے تھے اور امام مالک کے مذہب مین اختلاف واتفاق کے متعلق ایک کتاب اور ایک کتاب امام مالک کی اس راے کے متعلق لکھی جسمین اُن کے تلامذہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے اور کتاب الفتیا وغیرہ لکھی، انھون نے ۳۶۱ھ مین وفات پائی،

(۵) ابوبکر محمد بن عبداللہ المعیطی الاندلسی، وہ فقہ کے حافظ، اور امام مالک اور انکے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے، اور انھین نے امیرالمومنین حکم کے لیے ابوعمر الاشبیلی کے ساتھ کتاب الاستیعاب کی تکمیل کی جسکی وجہ یہ تھی کہ قاضی اسمٰعیل کے بعض تلامذہ نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تھا، اور اس کی تبویب کی تھی اور اس کو خاصۃً امام مالک کے اس قول کا جسمین اُن کے کسی شاگرد کا قول اُن سے اختلاف روایت مین شریک نہین تھا مجموعہ بنایا تھا مؤلف نے اس کی پانچ جلدین لکھ لی تھین لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا، لیکن جب حکم کو یہ کتاب ملی تو اس کو دیکھ کر اس نے بہت پسند کیا اور اُسکی تکمیل کرانی چاہی، چنانچہ اس کے لیے معیطی اور ابوعمرو کو بلایا اور ان دونون نے سو جلدون مین اُس کی تکمیل کی، معیطی نے ۳۶۷ھ وفات پائی،

(۶) یوسف بن عمر بن عبد البر وہ علماے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ مین وہان کے بہت بڑے محدث تھے، کتاب الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من معانی الآثار تصنیف کی جسمین موطا کے طرز و ابواب کے موافق اس کی شرح کی اور فقہ مین کتاب الکافی وغیرہ لکھی جو ان کی مہارت پر دلالت کرتی ہین، انھون نے ۴۳۸ھ مین وفات پائی،

(۷) ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید عبد الرحمن النفزی القیروانی وہ اپنے وقت مین مالکیہ کے امام، اُن کے پیشوا، امام مالک کے مذہب کے جامع اور اُن کے اقوال کے شارح تھے، اور لوگ اطراف ملک سے اُن کے پاس سفر کرکے آتے تھے، ان کے تلامذہ نہایت برگزیدہ ہوے اور اُن سے بہت سے لوگون نے علم سیکھا، انھین نے مذہب کی تلخیص کی اور وہ مالک الصغیر یعنی چھوٹے مالک کے نام سے مشہور تھے، ان کی بہت سی تالیفات ہین جن مین سے نوادر الزیادات علی المدونۃ، مختصر المدونۃ، تہذیب العتبیہ، اور کتاب الرسالہ مشہور ہین، ان کے علاوہ اور کتابین ہین، انھون نے ۳۸۶ھ مین وفات پائی،

(۸) ابو سعید خلف بن ابی القاسم الازدی المعروف بالبرادعی وہ ابو محمد بن ابی زید اور قابسی کے اکابر تلامذہ اور حفاظ مذہب مین ہین، اور اس مین ان کی تالیفات ہین جن مین سے ایک کتاب التہذیب فی اختصار المدونہ ہے، اس مین انھون نے اختصار ابو محمد کے طریقہ کی پیروی کی ہے، لیکن اُنھون نے اسکو مدونہ کے طرز پر چلایا ہے، اور ابو محمد نے جو اضافہ کیا تھا اس کو حذف کر دیا ہے، مغرب اور اندلس مین اسی کتاب پر لوگون کا اعتماد تھا، ان کی تصنیفات مین کتاب التمہید لمسائل المدونہ بھی ہے، جو اختصار

ابی محمد اور ان کی زیادات کے طرز پر ہے، کتاب اختصار الواضحہ بھی اُن کی تصنیف ہے،

(۹) ابو بکر محمد بن عبد اللہ الابہری، امام مالک کے مذہب کی شرح، اُن کے موافق استدلال کرنے اور اُن کے مخالف کی تردید مین ان کی تصنیفات ہین، وہ اپنے وقت مین اپنے تلامذہ کے امام، ثقہ، ثبت اور مشہور تھے، بغداد مین فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابن عبد الحکم کی مختصر کبیر اور صغیر کی شرح لکھی وہ اپنے وقت مین عراق مین امام مالک کی رائے کے محافظ تھے، ساٹھ سال تک جامع منصور مین درس و فتوی دینے رہے، عراق مین قاضی اسماعیل کے بعد تلامذۂ مالک مین کوئی شخص ابہری سا برگزیدہ نہین ہوا، اسی طرح اطرافِ ملک مین ان دونون کے طبقے مین سحنون کے سوا مذہب مین ان دونون کا کوئی ہمسر نہ تھا بلکہ ان کے تلامذہ اور تمام لوگون سے زیادہ تھے، اُن کے پیرو اور لوگون سے زیادہ افضل تھے اور اُن کے طلبہ اور لوگون سے زیادہ برگزیدہ تھے، مذکورہ کتابون کے علاوہ ابہری کی تصنیفات مین الرد علی المزنی، کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ وغیرہ ہین، ان کی موت کے بعد عراق مین امام مالک کا مذہب ضعیف ہوگیا، انھون نے سنہ ۳۹۵ھ مین بغداد مین وفات پائی،

(۱۰) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بابن ابی زمنین البیری، وہ کبار فقہا اور محدثین مین تھے، مغرب فی المدونہ تصنیف کی اور اُس کے اشکال اور اُس کے نکات مین جو تفقہ تھا اس کی شرح کی، اس کے ساتھ اس کے الفاظ کا قصد کیا، اور اس کی روایت کو ضبط کیا، مدونہ کے مختصرات مین اس کا مثل نہین ہو کتاب المنتخب فی الاحکام اور کتاب المہذب وغیرہ لکھی سنہ ۳۹۹ھ مین وفات پائی،

(۱۱) ابو الحسن علی محمد بن خلف المعافری المعروف بابن القابسی، وہ وسیع الروایہ

علم حدیث، اس کے علل اور رجال کے عالم، فقیہ اور اصولی تھے، مفید کتابیں تصنیف کین مثلاً کتاب الممہد فی الفقہ، احکام الدیانۃ اور کتاب ملخص الموطا، سنہ ۴۰۳ھ مین وفات پائی،

(۱۲) قاضی عبدالوہاب بن نصر البغدادی المالکی، بہت اچھے مناظر اور جید العبارۃ تھے، ابہری کے کبار تلامذہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بغداد سے ناراض ہو کر مصر مین آئے، اور راس نے ان کا خیر مقدم کیا، انھون نے بہت سی کتابین تصنیف کین مثلاً کتاب النصر لمذہب امام دار الہجرۃ والمعونۃ لمذہب عالم المدینۃ، کتاب الادلۃ فی مسائل الخلاف، اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ وغیرہ کی شرح کی، انھون نے سنہ ۴۲۲ھ مین وفات پائی،

(۱۳) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الحضرمی المعروف باللبیدی وہ مشاہیر علمائے افریقہ سے تھے، ابن ابی زید اور ابو الحسن القابسی سے فقہ کی تعلیم پائی، ایک بہت بڑی کتاب مذہب مین جو بڑی بڑی دوسو جلدون سے زیادہ مدونہ کے مسائل اور اسکے بسط مین تھی اور زیادات الامہات اور نوادر الروایات اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار مین لکھی جس کا نام ملخص رکھا، انھون نے سنہ ۴۴۰ھ مین وفات پائی،

(۱۴) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس الصقلی وہ فقیہ امام اور فرائض دان تھے، ہمیشہ جہاد مین مصروف رہتے تھے، اور شجاعت کے ساتھ متصف تھے، ایک کتاب فرائض مین تالیف کی اور ایک کتاب جو مدونہ کی جامع تھی اس مین اس کے علاوہ اور امہات کا اضافہ کیا، انھون نے سنہ ۴۵۱ھ مین وفات پائی،

(۱۵) ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی، اندلس مین علم حاصل کیا، پھر مشرق کا سفر کیا،

اور وہان بہت سا علم حاصل کیا، اُس کے بعد اپنے ملک بین واپس آئے، اور وہ ابن حزم کے معاصر تھے اور اُن کے ساتھ اُن کے بہت سے مناظرے ہین، اُن کے متعلق ابن حزم کا قول تھا کہ "قاضی عبدالوہاب کے بعد اصحاب مذہب مالکی مین ابوالولید الباجی کا مثل کوئی نہ تھا" ان کی بہت سی تصنیفات ہین، مثلاً کتاب الاستیفار فی شرح الموطا، اور موطا ہی کی شرح مین کتاب المنتقی جو استیفار کا اختصار تھی، اور کتاب السراج فی علم الحجاج، کتاب مسائل الخلاف، کتاب المہذب فی اختصار المدونہ، کتاب شرح المدونہ، کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول، وغیرہ انھون نے سنہ ۴۹۴ھ مین وفات پائی،

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد الربعی المعروف باللخمی قیروانی، وہ صفاقس مین آئے، وہ فقیہ اور فاضل تھے، انھون نے مدونہ پر ایک بڑی تعلیق لکھی ہے جو مفید اور عمدہ ہے لیکن انھون نے اس مین اختیار و تخریج کی ہے اس لیے اُن کے اختیارات مذہب سے نکل گئے ہین انھون نے سنہ ۴۹۸ھ مین وفات پائی،

(۱۷) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبی اندلس اور مغرب مین اپنے وقت کے فقہا کے سردار تھے، اور صحت نظر، جودت تالیف اور دقت فقہ مین ان کا اعتراف کیا جاتا تھا، ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی، کتاب البیان والتحصیل لما فی المستخرجہ من التوجیہ والتعلیل، کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونہ لکھی اور یحییٰ بن اسحاق کی تالیف مین سے ان کی مبسوط کتابون اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کا جس کی یحییٰ نے تہذیب کی ہے اختصار کیا، انھون نے سنہ ۵۲۰ھ مین وفات پائی،

(۱۸) ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی المازری الصقلی، اہل افریقیہ اور اسکے

علاوہ مغرب کے امام تھے، اور شیوخ افریقیہ مین وہ سب سے آخری شخص تھے جو تحقیق فقہ مین مشغول تھے، اور اجتہاد اور دقتِ نظر رکھتے تھے، فقہ اور اصول مین کتابین لکھین اور مسلم اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب التلقین کی شرح کی اور مالکیون مین اس کے مثل کسی کی کتاب نہین، امام الحرمین کی برہان کی شرح لکھی، اور محصول من برہان الاصول اس کا نام رکھا، انھون نے ۵۳۶ھ مین وفات پائی،

(۱۹) ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المعافری الاشبیلی اپنے شہر مین ادب حاصل کیا، پھر بلادِ مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علما سے جنمین ایک امام غزالی بھی تھے ملاقات کی اور بہت سا فائدہ حاصل کیا اور مسائلِ خلاف و اصول و کلام مین مہارت پیدا کی، پھر بہت سا علم حاصل کر کے اندلس مین واپس آئے، اور بہت سی کتابین تصنیف کین، ان کی تصنیفات سے کتاب احکام القرآن کتاب المسالک فی شرح موطا امام مالک اور کتاب المحصول فی اصول الفقہ ہے، انھون نے ۵۴۳ھ مین وفات پائی،

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی السبتی اپنے وقت مین حدیث و تفسیر کے امام، فقیہ، اصولی، احکام کے واقف، شروط کے عاقد اور امام مالک کے مذہب کے حافظ تھے، اور ابن رشد اُن کے شیوخ مین ہین، اُنھون نے مفید کتابین تصنیف کین ہین جن مین اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم، الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطا والبخاری ومسلم اور کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک وغیرہ ہین، انھون نے ۵۴۴ھ مین وفات پائی،

(۲۱) اسماعیل بن مکی العوفی، وہ حضرت عبدالرحمان بن عوف کی اولاد سے ہین،

سرحد اسکندریہ مین ان کا خاندان بہت بڑا اور علم مین مشہور ہی وہ شرح التہذیب المعروف بالعونیہ کے مؤلف ہین، جو ۲۶ جلدون مین ہی، دیباچ کا مؤلف اس کی ایک جلد سے واقف ہوا جو اُس سے نقل کی گئی تھی کہا جاتا ہی کہ وہ بڑی بڑی پچاس جلدون کا ایک ٹکڑا ہی صرف سجود وتلاوت کی بحث مین شمار کیا گیا تو اس کے ساڑھے پانچ کراریس، ہسطر کے مسطر مین نکلین (۷۰×۲۹ سطر) انھون نے ۵۸۱؁ھ مین وفات پائی،

(۴) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد الشہیر بالحفید ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی، اندلس مین علم کمال وفضل کے لحاظ سے کوئی ان کا مثل نہین پیدا ہوا، ان کی بہترین تصنیفات مین کتاب بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد فقہ مین ہے جسمین انھون نے اختلاف کے اسباب وعلل بیان کیے ہین، اور نہایت مفید باتین لکھی ہین، اس لیے اُن کے وقت مین اس کتاب سے زیادہ مفید اور اس سے زیادہ خوش ترتیب کوئی کتاب معلوم نہین ہوتی، انھون نے اصول مین مستصفی کا خلاصہ کیا ۵۹۵؁ھ مین وفات پائی،

(۵) ابو محمد عبد اللہ بن نجم بن شاس الجذامی السعدی انھون نے امام غزالی کی وجیز کی ترتیب پر امام مالک کے مذہب مین ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا نام انھون نے الجواہر الثمینہ فی مذہب عالم المدینہ رکھا اس کی خوبی اور کثرت فوائد کی بنا پر مصر مین تمام مالکی اس کی طرف سخت مائل تھے، انھون نے ۶۱۰؁ھ مین وفات پائی،

اس دور مین جو اکابر شافعیہ امام شافعی کے مذہب مین تالیف، اس کی اشاعت اور اس کی کتابون کی اصلاح کے ساتھ ممتاز ہوے اور ان مین اکثر عراق خراسان اور ماوراء النہر کے رہنے والے ہین، وہ حسب ذیل ہین،

(۱) ابواسحاق ابراہیم بن احمد المروزی، اپنے زمانہ مین فتویٰ وتدریس کے امام تھے، ابن سریج نے فقہ سیکھی اور اس مین ماہر ہوئے، اور ابن سریج کے بعد عراق مین ان کو ریاست ملی، انھون نے بہت سی کتابین تصنیف کین اور مزنی کی شرح لکھی اور بغداد مین ایک زمانے تک درس وفتوے دیتے رہے، اور اُن کے تلامذہ مین بہت سے لوگ برگزیدہ ہوئے، اُس کے بعد اخیر عمر مین اُنھون نے مصر کا سفر کیا اور ۳۴۰؁ھ مین وفات پائی اور امام شافعیؒ کی قبر کے قریب مدفون ہوئے،

(۲) ابواحمد محمد بن سعید بن ابی القاضی الخوارزمی، وہ علمی خاندان سے ہین، ابوالصیرفی، ابواسحاق اور ان دونون کے طبقہ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور فقہ شافعیہ مین وہ کتاب الحاوی والعمدۃ القدیمین کے مصنف ہین، اور ماوردی اور فورانی نے یہ دونون کتابین اُن سے پڑھی ہین، اصول مین اُن کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہدایہ ہے، انھون نے کچھ اوپر ۳۴۰؁ھ مین وفات پائی،

(۳) ابوبکر احمد بن اسحاق الضبعی النیشاپوری، فقہ مین انتہائی درجہ کو پہونچے اور کتاب الاحکام تصنیف کی، اُنھون نے ۳۴۲؁ھ مین وفات پائی،

(۴) ابوعلی الحسین بن الحسین المعروف با بن ابی ہریرہ، وہ شیوخ وائمہ شافعیہ مین سے ایک ہین، ابن سریج سے فقہ سیکھی اور مختصر کی شرح لکھی، انھون نے ۳۴۵؁ھ مین وفات پائی،

(۵) قاضی ابوالسائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسیٰ وہ علمائے ائمہ مین سے ایک ہین اور شافعیہ مین پہلے شخص ہین جو بغداد مین قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، انھون نے ۳۵۰؁ھ مین وفات پائی،

(۶) قاضی ابو حامد احمد بن بشر المروزی، وہ ابو اسحاق کے تلامذہ مین ہین انھون نے کتاب الجامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر حاوی ہے اور اس مین نصوص و وجوہ مذکور ہین، وہ اصحاب شافعی کے نزدیک بہترین کتاب ہے، انھون نے مختصر مزنی کی شرح لکھی اور ۳۶۲ھ مین وفات پائی،

(۷) محمد بن اسمٰعیل المعروف بالقفال الکبیر الشاشی وہ ماوراء النہر کے فقہاے شافعیہ مین بہت بڑے فقیہ ہین، اصول فقہ مین اُن کی ایک کتاب ہے اور انھون نے رسالہ کی شرح لکھی ہے، اور ماوراء النہر مین انھین کے ذریعہ سے فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی، انھون نے ۳۶۵ھ مین وفات پائی،

(۸) ابو سہل محمد بن سلیمان الصعلوکی، انھون نے ابو اسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد نیشاپور واپس آکر قیام کیا اور درس و فتویٰ دیتے رہے انھون نے ۳۶۹ھ مین وفات پائی،

(۹) ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارکی نیشاپور مین درس دیا اور ابو اسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور عامۂ شیوخ بغداد نے اُن سے علم حاصل کیا، انھون نے ۳۷۵ھ مین وفات پائی،

(۱۰) ابو القاسم عبد الواحد بن الحسین الصیمری وہ مذہب کے حافظ اور بہترین مصنف تھے، اُن کے حلقۂ درس سے ایک جماعت نکلی جسمین ایک ماوردی تھے، ان کی تصنیفات مین الافصاح فی المذہب ہے اور کتاب الکفایہ اور ایک کتاب قیاس والعلل مین اور ایک چھوٹی سی کتاب ادب المفتی والمستفتی مین ہے، اور ایک کتاب شروط مین ہو انھون نے ۳۸۶ھ مین وفات پائی،

(۱۱) ابو علی الحسین بن شعیب السنجی، وہ خراسان کے عالم ہین اور پہلے شخص ہین جس نے عراق و خراسان کے دونون طریقون کو جمع کیا وہ اور قاضی حسین قفال کے برگزیدہ تلامذہ مین سے ہین، انھون نے شرح مختصر لکھی اور امام الحرمین اسی کو المذہب الکبیر کہتے ہین، انھون نے تلخیص ابن القاص اور فروع ابن الحداد کی شرح لکھی ہی، انھون نے ۴۳۰ھ مین وفات پائی،

(۱۲) ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائنی وہ طریقۂ عراق کے شیخ، مذہب کے امام، اور حافظ تھے، دارکی سے فقہ کی تعلیم پائی، یہان تک کہ ایک امام ہوگئے اور بغداد مین دین و دنیا کی ریاست ان کو ملی شرح مزنی کے متعلق اُن سے یادداشتین لکھی گئین، اُن کے زمانہ مین اصحاب ابی حنیفہ کے امام ابو عبداللہ الصیمری اُن کے معاصر تھے اور اُن کے متعلق قدوری کا قول تھا کہ وہ امام شافعیؒ سے زیادہ فقیہ اور مناظر تھے انھون نے ۴۰۶ھ مین وفات پائی،

(۱۳) ابو الحسن احمد بن محمد الضبی المعروف بابن المحاملی وہ شیخ ابی حامد کے کبار تلامذہ مین ہین المجموع، مقنع اور لباب وغیرہ تصنیف کین اور شیخ ابو حامد سے ان کی ایک یادداشت ہے جو ان کی طرف منسوب ہے انھون نے ۴۱۵ھ مین وفات پائی،

(۱۴) عبداللہ بن احمد المعروف بالقفال الصغیر وہ کبار فقہاے خراسان مین ہین، مذہب شافعی کے متعلق اُن کا مذہب طریقہ جسکو اُن کے تلامذہ نے اُن سے سیکھا، نہایت مضبوط نہایت واضح التہذیب اور نہایت کثیر التحقیق ہے، اور وہ خراسان مین ویسے ہی ہین جیسے ابو حامد اسفرائنی عراق مین تھے انھون نے ۴۱۷ھ مین وفات پائی،

(۱۵) ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی وہ ائمۂ شافعیہ مین بہت بڑے امام ہین،

اصول فقہ مین ایک یادداشت تصنیف کی، انھون نے ۴۱۸ھ مین نیشاپور مین وفات پائی،

(۱٦) ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبری، وہ بہت بڑے امام ہین، بغداد مین ان تک ریاست علمیہ پہونچی، اور اہل عراق نے ان سے علم حاصل کیا، مزنی کی شرح لکھی، اور خلاف مذہب اور جدل مین بہت سی کتابین لکھین جن کا مثل کسی کی تصنیفات مین نہین پایا جاتا، قاضی صمیری کے بعد ربع الکرخ کے قاضی مقرر ہوئے اور ابوالحسن الطالقانی اور قدوری کے ساتھ اُن کے مناظرات ہین، اُنھون نے ۴۵۰ھ مین وفات پائی،

(۱۷) ابوالحسن علی بن محمد الماوردی وہ فقہ مین حاوی اور اقناع کے اور احکام سلطانیہ وغیرہ کے مصنف ہین، بصرہ مین صمیری سے فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد شیخ ابوحامد الاسفرائینی کی طرف سفر کیا اور دونون شہرون مین درس دیا، انھون نے ۴۵۰ھ مین وفات پائی،

(۱۸) ابوعاصم محمد بن احمد الہروی العبادی وہ زیادات، مبسوط، ہادی اور ادب القضاۃ کے مصنف اور مشکل عبارت اور پیچیدہ کلام لکھنے مین مشہور ہین، انھون نے اس مین اپنے استاد ابواسحاق کی طرز کی تقلید کی ہے، اُنھون نے ۴۵۸ھ مین وفات پائی،

(۱۹) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الفورانی المروزی وہ ابانہ، اور عمدہ وغیرہ کتابون کے مصنف اور ابوبکر قفال کے کبار تلامذہ مین ہین، اور وہ اہل مرو کے شیخ ہین، انھون نے ۴٦۱ھ مین وفات پائی،

(۲۰) ابوعبداللہ القاضی الحسین المروزی، انھون نے قفال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ امام الحرمین کے استاد ہین، اُنھون نے ۴٦۲ھ مین وفات پائی،

(۲۱) ابواسحاق ابراہیم بن علی الفیروزآبادی الشیرازی وہ فقہ مین تنبیہ و مہذب کے، اور خلاف مین نکت کے اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ مین تبصرہ کے

اور جدل مین ملخص اور معونہ کے مصنف ہین، اور فصاحت و مناظرہ مین وہ ضرب المثل تھے، لوگون کا بیان ہے کہ فقہ کے اصول و تفریع مین وہ ابن سریج کے قائم مقام اور طلبا کی کثرت مین اُن کے مشابہ تھے، ابو عبد اللہ الدامغانی الحنفی کے ساتھ اُن کے مناظرات ہین، انھون نے ۴۷۶ھ مین وفات پائی،

(۲۲) ابو النصر عبد السید بن محمد المعروف بابن الصباغ وہ شامل، کامل، عدۃ العالم والطریق السالم اور کفایۃ السائل والفتاوی کے مصنف ہین، بغداد مین اُن کو شافعیہ کی ریاست ملی اور وہ ابو اسحاق شیرازی کے مشابہ تھے، اور وہ پہلے شخص ہین جس نے نظامیہ بغداد مین درس دیا، انھون نے ۴۷۷ھ مین وفات پائی،

(۲۳) ابو سعد عبد الرحمن بن مامون المتولی صاحب التتمہ جسکو انھون نے اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ پر تصنیف کیا اور اُس مین حدود تک پہونچے، فرائض مین ان کی ایک مختصر کتاب ہے، اور ایک کتاب خلاف مین ہے، انھون نے شیخ ابو اسحاق کے بعد نظامیہ مین درس دیا ۴۷۸ھ مین وفات پائی،

(۲۴) ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی المعروف بامام الحرمین اپنے والد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ، اصول اور کلام مین نیشاپور بلکہ کل مشرق کے امام ہو گئے، مکہ مین چار سال تک مجاورت کی اور وہین سے امام الحرمین کا لقب حاصل کیا، جب وہ نیشاپور مین واپس آئے تو نظام الملک نے ان کے لیے مدرسہ نظامیہ قائم کیا، انکی تصنیفات مین فقہ مین ایک کتاب نہایہ ہے کہ مذہب مین اُس کے مثل جیسا کہ سبکی کا بیان ہے کوئی کتاب تصنیف نہین کی گئی اور اصول فقہ مین ایک کتاب برہان اور ترجیح مذہب شافعی مین ایک کتاب مغیث الخلق ہے، اُن کے معاصر ابو اسحق شیرازی نے ان کی

بڑی تعریف کی ہے، انھون نے ۴۷۸ھ مین وفات پائی،

(۲۵) ابو المحاسن عبد الواحد بن اسماعیل الرویانی صاحب البحر، وہ ائمہ مذہب مین سے ایک امام ہین اور حفظ مین ضرب المثل ہین نظام الملک ان کی عظمت کرتا تھا اور ان کو طبرستان اور اُس کے دیہاتون مین سے رویان کا قاضی مقرر کیا، وہ ۵۰۲ھ مین مقتول ہوئے ان کی کتاب بحر سے ماوردی کی کتاب حاوی مراد ہے جس کے ساتھ انھون نے چند فروع جن کو اپنے باپ اور دادا سے حاصل کیا ہے، شامل کیا ہے،

(۲۶) حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ۴۵۰ھ مین طوس مین پیدا ہوئے اور امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور کوشش کرکے مذہب، خلاف، جدل، اصول فقہ، کلام اور منطق مین مہارت حاصل کی اور حکمت اور فلسفہ پڑھا، امام الحرمین "لبریز دریا" کے فقرے کے ساتھ ان کی تعریف کرتے تھے، امام الحرمین کی وفات کے بعد وہ بغداد گئے، اور نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے وہین مذہب مین بسیط، وسیط، وجیز اور خلاصہ اور اصول فقہ مین مستصفی، نخول، ہدایۃ الہدایہ، خلافیات مین ماخذ اور شفاء العلیل فی بیان مسائل التعلیل وغیرہ کتابین مختلف علوم مین تصنیف کین، انھون نے ۵۰۵ھ مین طوس مین وفات پائی اور غزالی کے بعد کوئی شخص اُن کا مثل نہین پیدا ہوا،

(۲۷) ابو اسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم العراقی الفقیہ المصری وہ مہذب کے شارح اور مصر کی جامع عتیق کے امام اور خطیب تھے طلب علم مین عراق کا سفر کیا پھر مصر آئے اور اسی وجہ سے عراقی مشہور ہوئے، وہ قاہرہ مین معزز تھے اور وہان کے فقہا نے اُن سے علم حاصل کیا، انھون نے ۵۹۶ھ مین وفات پائی،

(۲۸) ابو سعد عبد اللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ المعروف بابن ابی عصرون التمیمی الموصلی،

وہ دمشق مین آکر مقیم ہوئے، اور وہان کے قاضی القضاۃ تھے، پہلے موصل مین پھر بغداد مین فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد موصل مین درس دیا اور اخیر مین دمشق مین آئے اور ۵۸۳ھ مین وہان کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، بہت سی کتابین تصنیف کین اور ان کی تصنیفات سے سات جلدون مین صفوۃ المذہب علی نہایۃ المطلب، کتاب الانتصار مرشد الذریعہ فی معرفۃ الشریعہ اور علم خلاف مین تیسیر ہے اور ان کی ایک کتاب الارشاد فی نصرۃ المذہب ہے جسکی تکمیل انھون نے نہین کی، ان کے علاوہ اور کتابین ہین،

(۲۹) ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد القزوینی الرافعی وہ وجیز کی شرح کبیر الموسوم بالعزیز فی شرح الوجیز کے مصنف ہین اور بعض لوگ اس کا نام فتح العزیز بتاتے ہین، وہ محرر کے مصنف اور مسند شافعی کے شارح ہین، ان کے علاوہ اُن کی اور کتابین ہین، انکے شرف کیلیے ان کی کتاب فتح العزیز کافی ہے، کیونکہ وہ اُن کتابون مین ہے جس کا مثل نہین، رافعی اپنے زمانے مین فرد اور فقہ مین عمدۃ المحققین تھے اور درجۂ اجتہاد تک پہونچ گئے تھے، انھون نے ۶۲۳ھ مین وفات پائی،

(۳۰) محی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف بن مری النووی ۶۳۱ھ مین بمقام نوی پیدا ہوئے، وہ آخر المحققین اور اصحاب شافعی مین ان لوگون مین ہین جن کو درجۂ ترجیح حاصل تھا، انھون نے کتاب الروضہ تصنیف کی جو شرح کبیر رافعی کا اختصار ہے اور اس سے اپنی کتاب المسمی بالمنہاج کا اختصار کیا،

چھٹا دور

فتحِ بغداد سے جو ہلاکوخان کے ہاتھوں ہوئی تک

یہ دور تقلیدِ محض کا ہے،

سیاسی صورتِ حال

ترکی یا تورانی قوم کو جو ایک بہت بڑی قوم ہے اور مختلف قبائل سے مرکب ہے، جب بلادِ اسلامیہ مین جہانگیری کے اسباب میسر ہوئے تو اس نے اس کے اصلی ممالک کے علاوہ اس کے بہترین مقام پر قبضہ کر لیا، اور اپنے راستے مین اوس نے کوئی ایسی قوت نہین پائی جو اس کو اس کی پامالی سے روک دیتی، یہان تک کہ وہ بلادِ شام تک پہنچ گئے اور یہان نہرِ جالوت پر مصریون نے ان کا مقابلہ کیا جنکی سپہ سالاری مظفر قطز ممالیک بحریہ کا تیسرا بادشاہ کرتا تھا اور ان کو سخت شکست دی جسکی وجہ سے مصر اور شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہ گیا، لیکن باوجود ان کی کامل فتح اور اکثر بلادِ اسلامیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے اسلامی قوت نے ان کی گردن جھکا دی اور انھون نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے مین تو انکی قسم شمالی جو نہرِ تل پر مقام سرائے مین تھی اور قسم غربی جو بغداد اور ایرانی ممالک مین رہتی تھی دونون برابر تھی، لیکن قسم شمالی نے ایک صدی پیشتر اسلام قبول کر لیا تھا، مصر و شام پر جس قوم کا قبضہ تھا وہ بھی ترکی قوم تھی اور یہی لوگ ممالیک کے نام سے مشہور ہین، اس طرح مغربی ممالک کے علاوہ جس مین بربرۂ مغرب کی سلطنت قائم تھی تمام ممالک اسلامیہ مین

ترکون کا اقتدار قائم ہوگیا اور آٹھوین صدی کی ابتدا مین ترکی ایشیا مین ایک بلند ہمت اور بہادر آدمی یعنی عثمان خان جو ایک ترکی قبیلہ کا سردار تھا، نمایان ہوا اور اس نے اپنی قوم کے لیے بقایائے آل سلجوق کے کھنڈر پر جو ہمیشہ ایشیائے وسطی مین رہتے تھے، ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور وہ اور اس کے بعد اس کی اولاد ان چھوٹے چھوٹے ملکون پر جو ان کے متصل تھے قبضہ کرتی رہی، یہان تک کہ ان کی ایک بڑی سلطنت قائم ہوگئی، اس کے بعد انھون نے یورپ پر حملہ کیا اور اس کے ایک بڑے حصے پر قابض ہوگئے، نوین صدی کے نصف حصے مین ان کے ہاتھون شہر قسطنطنیہ فتح ہوا جو بعد کو ان کا دار السلطنت ہوگیا، اس کے بعد انھون نے بڑی بڑی اسلامی سلطنتون پر حملہ کیا جنمین سب سے بڑی سلطنت مصری سلطنت تھی جو خلافت اسلامیہ عباسیہ کا مرکز تھی، اور اس پر غلبہ حاصل کرکے آخری خلیفہ عباسی کو وہان سے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفاء کے لقب سے ملقب ہوئے اور اس طور پر خلافت قاہرہ سے منتقل ہوکر قسطنطنیہ مین آگئی، اور مصر ایک عثمانیہ ملک ہوکر دفعۃً سیاسی اور علمی حیثیت سے اپنے مقام بلند سے گرگیا، لیکن دولت عثمانیہ آگے بڑھی اور قوت نے اس کو مدد دی، یہانتک کہ بڑے بڑے اسلامی ممالک اس کے زیر اقتدار آگئے اور اسکی عظمت کے سب سے بڑے وقت مین بلاد اندلس مین اسلام کا چراغ جو آٹھ صدی تک علم و آداب کیساتھ روشن رہ چکا تھا بجھ گیا اور تیرہوین صدی کے آغاز مین تقدیر الٰہی نے مصر مین ایک نہایت بلند رتبہ اور صحیح الرائے شخص یعنی محمد علی کو پیدا کیا اور مصر نے اس کو اپنا امیر اور اپنی کشتی کا ناخدا انتخاب کیا، اور اسی وقت سے مصر نے اپنی قوت اور اپنے درجہ کو واپس لینا شروع کیا، اسی زمانہ مین یورپ اسلام کے اقتدار سے لڑنے کیلئے کھڑا ہوا، اور علم نے اس کے اکثر ارادون کو پورا کیا، اب تک یہ نزاع قائم ہے اور ہم

نہین جانتے کہ اس کا انجام کس کے حق مین مفید ہوگا،

اس دور مین اجتہاد،

اس دور مین لکھنے کے لیے مجھے کوئی چیز واضح طور پر نظر نہین آتی کیونکہ اس مین اجتہاد کی ہوائین رک گئین اور اس مین ایسی فرتین موجود نہین جو لکھنے والے سے لکھوائین اور بولنے والے سے بلوائین، پہلے دور مین جبکہ خداوند تعالی اپنے شریعے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وحی کرتا تھا، اور خداوند تعالی جو کچھ نازل کرتا تھا، آپ اس کی تبلیغ کرتے تھے، اور لوگون کے لیے اس کو بیان فرماتے تھے اور دوسرے اور تیسرے دور مین جبکہ صحابہؓ اور تابعین خدا کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور رائے صحیح سے استنباط کے طریقے بتاتے تھے، اور چوتھے دور مین جبکہ کبار ائمہ، اور بڑے بڑے فقہا پیدا ہوکر اس پھل کو توڑنے، اور مفصل طور پر احکام شریعت کو جمع کرنے لگے، اور پانچوین دور مین جبکہ ترتیب و تہذیب، اور اختیار و ترجیح کا دور تھا، گفتگو کی وسیع گنجایش تھی، لیکن اس اخیر دور مین جسکی کوئی امتیازی خصوصیت نہین، ایک کہنے والا کیا کہہ سکتا ہے، لیکن چونکہ یہ دور ہم سے ملا ہوا ہے، اور ہم کو اپنے اسلاف صالحین کی اقتداء کے لیے اُٹھنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہم اس دور کے عیوب کو واضح کرنا چاہتے ہین، کیونکہ عیوب جب ظاہر ہوجاتے ہین تو جو لوگ صاحب فکر اور صاحب مقدرت ہین ان کے لیے اس کی تدبیر کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہوجاتا ہے،

(۱) اس دور کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نفوس مین تقلید محض کی روح جاگزین ہوگئی، چنانچہ چند علما کے علاوہ ہم کو کوئی عالم ایسا نظر نہین آتا جو رتبۂ اجتہاد کو پہنچا ہو، اور وہ بھی اس دور کے نصف اول مین اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ

قاہرہ بغداد کا قائم مقام ہے، اور سلطنت عباسیہ اور خلافت عباسیہ کا مرکز ہوا، اس زمانے میں وقتاً فوقتاً ایسے لوگ پیدا ہوئے جو درجۂ اجتہاد تک پہنچے تاہم وہ مشہور ائمہ کے انتساب کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے، لیکن اس دور کے نصف ثانی میں جو دسوین صدی کی ابتدا سے شروع ہوا حالت بدل گئی، اور نشان راہ مین تغیر واقع ہوا، اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لیے اختیار و ترجیح جائز نہیں، اس کا زمانہ گذر گیا اور قدما کی کتابون اور لوگون کے درمیان دیوار حائل ہو گئی، اور ان کو صرف ان کتابون پر قناعت کرنی چاہیئے جو ان کے سامنے ہین، اور عنقریب ہم ان کتابون کا حال لکھین گے،

جب ہم اس حالت کی طرف واپس آتے ہین، جو سلطنت مصر کے مفتوح اور خلافت کے منتقل ہونے سے پہلے اسکی تھی تو ہم کو عزبن عبدالسلام، ابن الحاجب، ابن دقیق العید، ابن الرفعہ، ابن تیمیہ، سبکی، ابن سبکی، ابن القیم، بلقینی، اسنوی، کمال ابن الہمام، جلال الدین المحلی، اور جلال الدین سیوطی کے نام ملتے ہین، اور یہ لوگ مذاہب اربعہ کے بہترین لوگون مین تھے اس کے بعد ہم نگاہ ڈالتے ہین تو کسی بڑے عالم، بڑے فقیہ اور عمدہ مصنف کا نام نہیں سنتے بلکہ ایک ایسی قوم کو پاتے ہین جس پر قناعت فی الفقہ کا غلبہ ہو گیا ہے، چنانچہ تم کو ایسے کم لوگ ملین گے جو اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب مین مشغول ہون، اور جب اپنے مذہب مین بھی مشغول ہوتے ہین تو صرف ان کتابون پر اکتفا کرتے ہین جنمین اس قدر اختصار ہے کہ گویا وہ سمجھنے کے لیے نہین لکھی گئین، غالباً سیاسی زوال نے علم بالخصوص مذہبی علم کو ایک نہایت گہرے غار مین گرا دیا اور مصر نے جب اپنے شرف کو دوبارہ واپس لینا شروع کیا تو اس کو ایسے موانع پیش آئے جنکو ہم بیان کرتے ہین،

(۲) اسلامی شہرون کے علماء کے تعلقات کا منقطع ہونا،

گذشتہ دور کے فقہا میں کوئی فقیہ، فقیہ کا لقب اور کامل احترام صرف اس وقت حاصل کرتا تھا جب وہ اپنے شہر کے علماء کے علاوہ سفر کرکے اور شہروں کے علماء سے کسبِ علم کرتا تھا، چنانچہ ان میں بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے اپنے شہر میں قیام کیا اور پھر ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا گیا، کبار ائمہ اور محدثین کی تاریخ پر نظر ڈالو تو تم سب کو مشغولِ سفر پاؤ گے، ایسے ایک شہر میں اور رہتے تھے کہ حدیث و فقہ کے حاصل کرنے کیلئے دوسرے شہر کو روانہ ہو گئے، زمانۂ حج میں ان لوگوں کا اجتماع مکہ میں ہوتا تھا، اور ہر ایک کے پاس علم، حدیث اور فکر کا جو سرمایہ ہوتا تھا اس سے دوسرا فائدہ اٹھاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے کے علماء میں کامل تعارف ہوتا تھا، اور باوجود مشکلاتِ سفر کے یہ ان کے احباب میں اضافہ، اور ان کے دوستانہ تعلقات کو قوی کرتا تھا، لیکن اس دور بالخصوص اس کے آخری حصے میں مختلف شہروں کے علماء کے تعلقات منقطع ہو گئے، اور یہ حالت ہو گئی کہ ایک مصری عالم تقریبًا ایک ہندوستانی عالم کا نام نہیں سنتا تھا، اور ایک ہندوستانی عالم ایک مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا، علیٰ ہٰذا القیاس، البتہ ان میں کسی کی کتاب پہنچ جاتی تھی تو اس موقع پر اس کا نام سنا جاتا تھا، اور بعض اوقات اس کی کتاب مشہور ہو جاتی تھی، سب سے زیادہ دردانگیز بات یہ ہے کہ تم کو زمانۂ حج میں مختلف ملکوں کے بعض علماء ملیں گے، لیکن ان میں کوئی اس کی پروا نہیں کرتا کہ دوسرے سے تعارف یا اس سے کوئی روایت کرے اور اس نے علوم اسلامیہ شرعیہ بلکہ اس کے علاوہ قدماء کے اور علوم کو جنکا دارمدار روایت اور اخذ پر ہے، ضعیف کر دیا، صرف یہی کافی نہیں کہ کس عالم کی رائے سے اس کی کتاب کے ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ کتاب ایک خاموش اور ٹھوس چیز ہے، البتہ دوسرے سے علم حاصل کرنا، ذہن کو تیز اور فکر کو بارآور کرتا ہے۔"

کیونکہ اس مین بحث وگفتگو کرنی پڑتی ہے، ہم اس وقت دس صدی پیشتر کی حرکت علمیہ کا وہ حال جانتے ہین جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان مین نہین جانتے،

(۳) ہم مین اور ائمہ کی کتابون مین تعلقات کا منقطع ہونا،

ہمارے اسلاف کی یہ عظیم الشان کتابین جنکو تقدیر نے ہمارے لیے چھوڑ رکھا ہے، صرف ایک یادگار کے طور پر رہ گئی ہین، اور بہت دنون سے کوئی شخص ان کی اور ان کے درس وتدریس کی پروا نہین کرتا، امام محمد، امام شافعی، امام مالک وغیرہ ائمہ، ان کے تلامذہ بلکہ پانچوین دور کے ائمہ کی ان کتابون کی طرف جو روح کو غذا دیتی ہین، ہمت کو برانگیختہ کرتی ہین، اور فقیہ کامل پیدا کرتی ہین، کوئی عالم توجہ نہین کرتا، نہ ان کا درس دیتا نہ ان سے واقفیت حاصل کرتا، بلکہ تم کو بڑے بڑے علمار ملین گے جو ان کے نام بھی نہین سنتے اور جب تمہارے ہاتھ مین ان کتابون مین سے کوئی کتاب دیکھتے ہین تو کوئی شخص ان کے پڑھنے کی پروا نہین کرتا، ان لوگون نے صرف ان کتابون پر اکتفا کر لیا ہے جو زمانہ تنزل مین لکھی گئی ہین، اور اس طور پر روایت صحیحہ مفیدہ کے لحاظ سے ہم مین اور ان کتابون کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہین، البتہ کبھی کبھی کوئی شخص ہمت بلند کر لیتا ہے تو عمومی یا خصوصی کتب خانون مین ان سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے، حالانکہ اگر تم ان کا مقابلہ متداول کتابون کے ساتھ کرو تو تم کو حسنِ تحریر، سلاستِ اسلوب، اور سہولتِ ماخذ کے لحاظ سے دونون مین بہت زیادہ فرق نظر آئے گا، لیکن ضعفِ ہمت اور ضعفِ عزم نے ہم کو بٹھا دیا ہے، اور قریب ہے کہ وہ ہم کو ہلاک کر دے،

مین نے شیخ محمد محمود بن التلامید الترکزی الشنقیطی سے پہلی بار ملاقات کی تو انھون نے سوال کیا کہ "تم نے ادبِ عربی کو کس سے سیکھا ہے"؟ مین نے جواب دیا کہ کتابون سے

بولے کہ "کتابین معلم ہونے کی صلاحیت نہین رکھتین" مین نے کہا "تو اے جناب مین کیا کرون؟
ہم مین اور اسلاف کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہین، اس لیے نہ کوئی معلّم ہے
نہ کوئی اسناد کا پہنچانے والا ہے، لیکن مین نے آپ کو دیکھ لیا تو یہی میرے لیے کافی
ہے" میرے اس جواب سے ان کا چہرہ چمک اٹھا اور بولے "انشاء اللہ، انشاء اللہ" لیکن
اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو ہم کو معذور سمجھتے کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے
علم کے درمیان تاریکیون کا زمانہ حائل ہو گیا ہے، صرف تھوڑی سی جو تلچھٹ باقی رہگئی
ہے وہ نہ پیاس کو بجھاتی ہے، نہ مرض سے شفا دیتی ہے، اس لیے ہم ایسی ہمت کے کس قدر محتاج
ہین جو ان کتابون کو ان کی قبرون سے نکالے اور لوگون کے رخ کو ان کی طرف
پھیر دے، تاکہ علوم اسلامیہ مین ہمارے درجے بلند ہو جائین، اور اس وقت ہم یہ کہہ
سکین کہ ہم مین فقہار موجود ہین،

مطالب مین خلل انداز اختصار

اختصار صرف اسی دور کی بدعت نہین ہے، بلکہ یہ بدعت چوتھے دور مین بھی
موجود تھی، کیونکہ ائمہ کے تلامذہ نے ان کے کلام کا اختصار کیا تھا، اور اس اختصار مین
انھون نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جن مسائل کی زیادہ ضرورت نہین پڑتی ان کو حذف
کر دیا تھا، اور ائمہ نے جن چیزون کو غیر مرتب طور پر لکھا تھا ان کو انھون نے مرتب کیا
تھا، اور بڑے بڑے علمار نے اس معاملہ مین ان کی تقلید کی تھی لیکن اسی دور کے آخر مین
اختصار نے ایک عجیب و غریب روش اختیار کی یعنی یہ کوشش کیجانے لگی کہ بہت سے
مسائل تھوڑے سے الفاظ مین جمع کر دیئے جائین، لیکن چونکہ ان لوگون کو عربیت کا اچھا
سلیقہ نہ تھا، اس لیے ان کا کلام معما کے مثل ہو گیا، گویا مؤلف نے سمجھنے کے لیے نہین

لکھتا تھا بلکہ اس لیے لکھتا تھا کہ مسائل کو جمع کر دے، اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لیے مین ایک موضوع پر تین کتابون سے ایک فصل نقل کرتا ہون، جو کہ تینون مشہور مذاہب کے طالبانِ فقہ کی متداول کتابون مین سب سے زیادہ مشہور ہین اور یہ موضوع وہ پانی ہین جن سے طہارت جائز یا ناجائز ہے،

خلیل اپنی مختصر مین لکھتا ہے،

اور ناپاکی اور نجاست کا حکم "مطلق" سے اُٹھ جاتا ہو اور وہ وہ ہے جس پر بلا قید "پانی" کا نام صادق آئے، چاہے وہ شبنم سے جمع کیا گیا ہو، چاہے گھل کر پگھلا ہو، یا چوپایا کا یا حائضہ کا یا جنبی کا جوٹھا یا اُن کی طہارت سے بچا ہو، یا زیادہ ہو اور ایسی نجس چیز سے مخلوط ہو جس نے اسے بدل نہ دیا ہو، یا اُس کے بدلنے والے کی مضرت مین شک ہو، یا چھپڑے تیل کی قربت سے، یا مسافر کے برتن کے تارکول کی بو سے یا اُس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اُس کے تہ نشین یا کسی ڈالی ہوئی چیز مثلاً مٹی یا نمک سے بدل گیا ہو چاہے وہ قصداً ڈالی گئی ہو اور نمک سے "سلب" زیادہ راجح ہے، اس سے نہین جس کا رنگ یا مزہ یا بو کسی ایسی چیز سے بدل گئی ہو جو اس سے عموماً جدا رہتی ہے، وہ چاہے پاک ہو، چاہے ناپاک مثلاً ملا ہوا روغن یا مصطگی کا بخار اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے، اور آب کشتی کے اونٹ کی رسی سے بدلنا مضر ہے مثل حوض کے مویشی کے گوبر سے یا مثل کنوین کے درخت کے پتون یا بھس سے، اور جنگل کے کنوین مین ان دونون سے جواز ظاہر ہے اور موافق ملنے والے کا حکم مخالف ملنے والے کے مثل

قرار دینے مین بحث ہے ایسے پانی سے طہارت کے متعلق جو منھ مین ڈالا گیا ہو دو قول ہین، اور حدث مین مستعمل مکروہ ہے اس کے غیر مین شک ہے اور تھوڑا مثلاً وضو اور غسل کا برتن ایسے نجس سے جس نے بدلا ہو یا کتے نے جوٹھا کر دیا ہو اور تھما پانی جسمین غسل کیا جاتا ہو اور شرابی کا جوٹھا یا جسمین اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو اور جو نجس پانی سے بے سبیل ہو اس سے احتراز مشکل ہو خواہ ہین یا غذا ہو مثلاً کشمش اور اگر اس کے منھ پر سیرابی حاصل کیجائے اس کے استعمال کے وقت اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی جنگلی جانور جس کا خون بہتا ہو ٹھہرے ہوئے پانی مین مرجائے اور اس کو نہ بدے ان دونون کے بقدر پانی کا نکالنا مستحب ہو گا، مگر گرا ہو تو نہین، اور اگر نجس کا تغیر زائل ہو جائے نہ کثرت مطلق سے تو طہوریت اس کے ساتھ مستحسن ہے اور عدم طہوریت ارجح ہے، اور خبر واحد کی قبول کیجائے گی، اگر ان دونون نے اس کی وجہ بیان کی یا مذہب مین متفق ہوئے، ورنہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے، اور نجاست پر پانی کا گرنا اس عکس کے مثل ہے۔

یہ وہ تین کتابین ہین جو ہمارے زمانے مین تینون شائع شدہ مذاہب مین سے ایک مین طالب العلم کو عالم بناتی ہین، لیکن ہم کو نظر آتا ہے کہ بحیثیت تعبیر کے وہ تنہا سمجھ مین نہین آسکتین، یہی وجہ ہے کہ وہ شرح کی محتاج ہوئین، اور شرح کو حاشیہ کی ضرورت پڑی، اور ہم کو یہ خیال نہین کرنا چاہیئے کہ یہ موضوع دو مصنفون سے

ل چونکہ ان عبارتون کا ترجمہ بالکل غیر مفہوم ہو جاتا تھا، اس لیے ہم نے بقیہ دو کتابون کی عبارتون کا ترجمہ چھوڑ دیا،

کم مین پڑھایا جاتا ہوگا، اور ان دو ہفتون کا بڑا حصہ بھی مؤلف کے مقصد کے سمجھنے مین صرف ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ تم کو نظر آتا ہے کہ یہ کتابین استدلال سے خالی ہین، اور اس طرح غیر تعلیم یافتہ ہین (اور تعلیم یافتہ) اُس موقع پر اس کے سوا کوئی نمایان فرق نظر نہین آتا کہ تعلیم یافتہ شخص کو ایسے مسائل معلوم ہین جو غیر تعلیم یافتہ شخص کو معلوم نہین، لیکن یہ کہ مسئلہ کو اس کے امام نے کیسے دلائل سے کیونکر نکالا ہے، تو تعلیم یافتہ شخص کو بھی اس کا علم نہین ہے، حالانکہ فقہ کا تکملہ صرف اسی طریقہ سے ہوتا ہے، اور بدیہی طور پر ان کتابون مین بقیہ ائمہ کے خلاف کا اثر بھی نہین پایا جاتا ہے اور اسکی وجہ سے طالب العلم پر حسن فہم کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، اس نے ہمارے فقہا کو ہمارے درمیان نہایت پست رتبہ کر دیا ہے، اور وہ عوام سے قریب تر ہوگئے ہین، حنفیہ کی بعض متداول کتابین مثلاً کتاب البدایہ اور اسکی شرح ہدایہ کو بے شبہہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ انمین دلائل اور اختلافات سے بھی تعرض کیا گیا ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کی کتابون مین یہ بات نہین پائی جاتی

ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کے حدود پر آکر ٹھہر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہین، اور ایک فقیہ کتنا ہی عالی مرتبہ ہوجائے لیکن اس کے امکان مین یہ نہین کہ اپنے امام کی مخالفت کرے، اور مذہب کے دو قولون مین سے ایک کو ترجیح دے، کیونکہ ترجیح دینے والون کا زمانہ ختم ہوگیا، اس لیے دلائل مین مشغول ہونے اور دوسرے ائمہ کی رایون سے واقفیت حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے، لیکن ہم اسکا یہ جواب دیتے ہین کہ یہ اس وقت ٹھیک ہوتا جبکہ طالب العلم عوام مین سے ہوتا جو صرف کسی حکم کو جاننا چاہتے ہین، لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہتے ہین ان کا کم از کم یہ درجہ ہے کہ وہ یہ بھی جانین کہ ان کے امام نے حکم کو کہان سے

اخذ کیا ہے، لیکن اگر ان کو اس کے مخالف کی رائے اور طریقۂ استنباط بھی معلوم ہو جائے تو اس سے ان کے علم مین اور اضافہ ہو سکتا ہے، اب جب ان کے علم مین ترقی ہو گی تو کون ان کو ان اسلاف سے کم درجہ قرار دیگا، جو خود اپنے پیشرو علما کے اقوال مین سے، جن کے وہ مقلد تھے، اچھے اچھے اقوال کا اپنے لیے انتخاب کرتے تھے، اور جب اس مرکز پر جس کو جمہور علما، نے پسند کر لیا ہے، درجۂ فقاہت ٹھہر گیا ہے تو قانون ترجیح کو یقیناً ضعیف ہو جانا چاہیئے، کیونکہ اس کے علما، کوئی رائے اور فکر نہین رکھتے، اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ روزانہ کے آثار اسکے واقعی ہونے کی شہادت دیتے رہتے ہین، کیا یہ عجیب بات نہین ہے کہ وہ تمام کتابین جو دور رفعت اسلامیہ یعنی چوتھے اور پانچوین دور مین لکھی گئین گمنام ہو گئی ہین اور طلبار کے ہاتھون مین صرف وہ کتابین رہ گئی ہین جو زمانہ تاخر و زوال اور عربی زبان کے ضعف کی حالت مین لکھی گئی ہین، طالبان اصلاح کے لیے اگر وہ مخلص ہین یہ ضروری ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے اپنے اسلاف کے آثار سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہون، وہ آثار خدا کے فضل سے بہ کثرت ہین اور ان مین بہت سے نہایت ترقی یافتہ زبان مین لکھے گئے ہین، جو طالب العلم کو اپنی زبان کے بہتر بنانے اور اپنی قوت فکر کے ترقی دینے مین مدد دیتے ہین اور جب قلم سے ان بڑے آثار کے واضح کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے جو متعلم کے دل مین فقہ کی متبدا اول کتابون سے پیدا ہوتے ہین تو بہوت دحیران ہو کر رک جاتا ہے،

ہمارے یہان دو موانع ایسے موجود ہین جو ہمارے درمیان فقیہ کو پیدا نہین ہونے دیتے،

(اولاً) یہی کتابین جو ہمارے سامنے ہین جن کا ہم نے کافی بیان کر دیا ہے،

ثانیا) طریقۂ تعلیم، کیونکہ گذشتہ زمانون مین ایک فقہ کے طالب العلم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب وسنت مین جس چیز سے احکام مستنبط کیے جاتے تھے ان کا احصاء کرتا تھا، اس کے بعد اپنے امام کے فتوی کے معلوم کرنے مین اپنا اکثر وقت صرف کرتا تھا، اور جب درس حاصل کرنا چاہتا تھا تو اپنے ائمہ مذہب کی ان رایون سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا جن مین انھون نے اپنے امام سے اختلاف کیا ہے اور اس مخالفت کے وجوہ بھی معلوم کرتا تھا، ان سب کے تکملہ کے بعد دوسرے ائمہ کی رایون کی جستجو کرتا تھا تاکہ اپنے امام کے مستنبطات کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے، جب وہ اس تیسرے درجہ کی تکمیل کرلیتا تھا، تو ایک صاحب اقتدار اور صاحب فکر فقیہ ہوتا تھا، لیکن ہمارے یہان مبتدی اور منتہی مین مسائل کی کثرت اور قلت کے سوا کوئی فرق نہین، اور مذہب شافعی مین ابوشجاع کی منہج کی یہی امتیازی خصوصیت ہے لیکن مسائل کی کثرت ایسی چیز نہین ہے جو نفس مین فقہ کی روح پیدا کرسکے، تیسرے درجہ مین جو منتہی کا وہ درجہ ہے جس کی ہم تشریح کرچکے ہین فقہ کا طالب العلم صرف فقہ سے سروکار رکھتا تھا اور اس کو دوسرے علوم کے ساتھ مخلوط نہین کرتا تھا، لیکن ہمارے نظام درس مین مبتدی اور منتہی کی تعلیم بالکل یکسان ہے، جس طرح پہلا بہت سے علوم کے مبادی مین مشغول رہتا ہے، وہی حال دوسرے کا بھی ہے، اس لیے جب وہ امتحان کے میدان مین آخری کامیابی حاصل کرتا ہے تو نہ وہ فقیہ ہوتا، نہ ادیب نہ فیلسوف، بلکہ اس نے صرف علوم کے مبادی سیکھ لیے ہین، نحو وحساب سے زیادہ فقہ کو نہین جانتا اور اس معاملہ مین تمام مذہبی درسگاہون کی حالت یکسان ہے، یہ خیال نہین کرنا چاہیے، کہ سند لینے کے بعد ان مین کوئی شخص اپنے حاصل کردہ

علم پر اضافہ کرنے، اور نامعلوم باتون کے معلوم کرنے اور اختلافِ فقہار کے جاننے کے لیے سعی و اہتمام کرتا ہے، بلکہ امتحان کے دن اوسکی جو حالت تھی وہ قائم رہجاتی ہے اور یہ سب سے بڑا عیب ہے،

تیسرا درجہ صرف ایک مؤرخ کا ہے جو واقعات کو بعینہ بیان کردیتا ہے لیکن اگر مین مذہبی تعلیم کے متعلق کوئی مطالبہ پیش کرسکتا ہون تو وہ حسب ذیل ہے،

ابتدائی تعلیم صرف اُن احکام تک محدود ہو جنکو امام مذہب نے بیان کیا ہے، اور ایک آسان کتاب سے جو اس کے لیے انتخاب کی جائے ان کی تعلیم دیجائے،

دوسرے درجہ مین ایک مبسوط کتاب پڑھائی جائے جس مین اُن ائمہ مذاہب کی رائین درج ہون جنھون نے طلبار کے امام سے اختلاف کیا ہے، یا ترجیح دی ہے، یا کسی مسئلہ کو اختیار کیا ہے اس کے ساتھ ہر فریق کے دلائل قائم کئے جائین، اور اس کے لیے کتب خلاف مذہبیہ مین سے جنکی تعداد ہر مذہب مین بکثرت ہے، کوئی کتاب انتخاب کیجائے اور ساتھ ساتھ تفسیر حدیث کا بھی درس دیا جائے اور منتہی کی تعلیم فقہ، اصول فقہ، اور کتاب و سنت سے جو چیزین احکام کے ساتھ متعلق ہون ان تک محدود رکھی جائے، اور اس مین اختلافاتِ ائمہ اور ان کے طرقِ استدلال کی تعلیم بھی دیجائے،

اور فقیہ کا درجہ صرف اس شخص کو دیا جائے جو دو یا تین مسئلہ پر ایک تحریر لکھے جس مین ان مسائل کے متعلق اختلافاتِ فقہار کی تشریح کرے، ان کے اختلاف کے اسباب اور ان اصولی قواعد کو بتائے جس پر ہر قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے،

اور یہ کام اس وقت تک انجام نہین پاسکتا جب تک علمار ان درسی کتابون کے

انتخاب پر آمادہ نہ ہون جنکو چوتھے اور پانچوین دور مین اکابر علمار نے لکھا ہے،

اس طریقے سے نفوس مین فقہ کی روح اور اس مین وسعت پیدا ہوگی، ہم اپنے اسلاف کی روش کے متبع ہوسکین گے، تفقہ فی الدین کا ملکہ حاصل کرین گے اور مستقبل مین ہم مین ایسے فقہار پیدا ہونگے جنپر اعتماد کیا جائیگا، اور ان کے اقوال کا اعتبار ہوگا، اور جب ہم کو ہر سال اس طرز کے تھوڑے سے لوگ ملجائین گے تو ہمارے لیے یہ ممکن ہوگا کہ اپنے علمار و فقہار کے ذریعہ سے گذشتہ زمانون پر تفاخر کرین،

کیا علمار مین ہم ایسے لوگون کو جانتے ہین کہ اگر وہ خلوص سے کام لین تو اپنی قوم کو اس بلند درجہ تک پہنچا سکتے ہین لیکن ان کے نام لینے کی ہم کو ضرورت نہین ہے، ہم خدا سے یہ سوال کرتے ہین کہ ہم سب کو اپنے دین اور شریعت کی خدمت کرنے کی توفیق دے تاکہ وہ ایک بلند زندگی حاصل کرسکے، اسکے کوئی معنی نہین کہ ہم ہر چیز کو ایک دائمی ترقی کی حالت مین دیکھین اور خود کھڑے رہین، قیل وقال کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہ ہو، جس حالت مین ہم ہین اس سے بہتر ہونا اور ماضی کی طرف تھوڑی سی توجہ کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، تاکہ اپنے مستقبل کے بہتر بنانے کے شوق سے ہمارے نفوس مین ایک روشنی سی پیدا ہوجائے،

12-9-69ء
16-11-68ء

ہر متفقہ فی الدین سے خطاب

مین نے تمہارے لیے یہ کتاب لکھی ہے اور اس سے میرا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہین کہ تمہارے سامنے تمہارے سلف صالح کی تصویر پیش کردن اور تم کو ان کی تقلید کرنے پر آمادہ کرون اسکے بعد انشاء اللہ ایک دوسری کتاب لکھونگا جسمین مسائل تفصیلیہ اور انکی تاریخ اختلاف کا ذکر کرونگا کیونکہ اس کتاب مین جو مسائل بیان کیے ہین، وہ بالتبع صرف مثال کی غرض سے بیان کئے ہین، خدا سے مین درخواست کرتا ہون کہ مجھکو اور تم کو نیکی کی توفیق دے، وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے،